خلیل جبران کے عظیم افسانے

حصہ دوم

Presented by: S A M I

ایک مسافر

زار کی سڑک پر ایک مسافر ایک دیہاتی سے ملا۔ دیہاتی پاس ہی کے ایک گاؤں کا رہنے والا تھا!

مسافر نے زار کے کھیتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس سے پوچھا

''کیا یہی وہ میدان ہے جہاں شاہ الہم نے اپنے دشمنوں پر فتح پائی تھی!''

دیہاتی بولا

''یہاں تو کوئی لڑائی نہیں ہوتی، البتہ ان کھیتوں میں کبھی زار کا عظیم الشان شہر ضرور آباد تھا۔ جو جل کر راکھ ہو گیا ہے لیکن اب تو یہاں بڑے زرخیز کھیت ہیں یہ کھیت اچھے نہیں ہیں کیا؟''

مسافر آگے بڑھ گیا۔

کوئی آدھے میل پر، مسافر ایک اور آدمی سے ملا زار کے کھیتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس مسافر نے اس سے پوچھا ''تو یہ ہے وہ مقام جہاں کبھی زار کا عظیم الشان شہر آباد تھا؟''

راہی بولا

''یہاں کوئی شہر تو کبھی آباد نہیں''

ہاں ایک خانقاہ ضرور تھی۔ مگر مدت ہوئی دکھشنیوں نے اسے تباہ کر دیا تھا!

تھوڑی ہی دیر بعد اسی سڑک پر، وہی مسافر، ایک اور آدمی سے ملا اور ان وسیع کھیتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک بار پھر اس نے پوچھا۔

''کیا یہ سچ نہیں ہے کہ یہاں کبھی ایک بہت بڑی خانقاہ ہوتی تھی۔ جسے دکھشنیوں نے تباہ کر دیا تھا؟''

وہ آدمی بولا

''اس نواح میں خانقاہ تو کبھی نہ تھی، ہاں ہمارے باپ دادا کہا کرتے تھے کہ آج

سے صدیوں پہلے ایک مہیب شہاب ثاقب گرا تھا!'' اپنے آپ پر حیران مسافر اپنی راہ چل رہا تھا۔

اب تھوڑی ہی دور پر اسے ایک بوڑھا ملا۔ جس کا سفید سر اس کے جھکے ہوئے کندھوں کے لئے زیادہ بوجھل ہو رہا تھا۔

بوڑھے کو سلام کرتے ہوئے اس نے کہا

''بڑے میاں، اسی سڑک پر، میں تین مختلف آدمیوں سے ملا ہوں۔ جو اسی نواح میں رہتے ہیں۔ ان کھیتوں کے متعلق میں نے الگ الگ ہر ایک سے پوچھا لیکن تعجب کی بات ہے کہ ہر ایک نے دوسرے کے بیان کو جھٹلایا ہر آدمی نے دوسرے سے مختلف کہانی بیان کی!''

بوڑھے نے اپنا سر اوپر اٹھاتے ہوئے مسکرا کر کہا

''یہ بات نہیں میرے دوست ہر ایک نے تم سے وہی کچھ بیان کیا ہے۔ جو واقع تھا لیکن مصیبت یہ ہے کہ ہم میں سے بہت کم ایسے ہیں، جو حقیقت کو حقیقت میں اس طرح سمو دیں کہ سچ اجاگر ہو سکے!''

☆☆☆☆☆

عقاب اور لوا

پہاڑی کی ایک اونچی چوٹی پر، ایک لوا ایک عقاب سے ملا لوے نے کہا

''صبح بخیر حضور!''

عقاب نے نخوت سے اس کی طرف دیکھا اور رہو لے سے کہا

''صبح بخیر''

لوے نے پوچھا

''امید ہے حضور بخیریت ہوں گے''

''ہوں'' عقاب بولا اور ما بدولت بخیریت ہیں لیکن کیا تم یہ نہیں جانتے کہ ہم تمام پرندوں کے بادشاہ ہیں اور تمہیں ہم سے خطاب کی جرأت اس وقت تک نہ کرنا چاہئے۔ جب تک ہم خود ایسا پسند نہ فرماویں

لوا بولا

''میرا تو خیال ہے کہ ہم سبھی ایک ہی گھرانے سے ہیں''

عقاب نے اس کی طرف بڑی حقارت سے دیکھا اور کہا

''کس نے پھونکا یہ تیرے کان میں کہ تو اور ہم ایک ہی گھرانے سے ہیں''

لوے نے کہا

''تو پھر شاید مجھے حضور کو یہ جتلانا ہی پڑے گا کہ میری پرواز ''حضور'' سے بھی بلند ہے۔''

میری آواز آپ سے زیادہ سریلی ہے اور میں گا کر دوسرے جانداروں کو مسرت پہنچاتا ہوں۔ جبکہ حضور نہ کسی کو فرحت پہنچا سکتے ہیں اور نہ مسرور بنا سکتے ہیں۔

اس پر عقاب کو بڑا غصہ آیا اور اس نے کہا

''فرحت و مسرت کے بچے گستاخ پرندے، پنجہ ماروں تو دم نکل جائے تیرا، میرے پنجے برابر بھی تو نہیں ہے تو اور یہ بالشت بھر کی زبان!''

اس پر لوا اٹھ کر عقاب کی پیٹھ پر آن بیٹھا اور لگا اس کے پر نوچنے عقاب جھنجھلا کر اونچا اونچا اڑنے لگا۔ کہ کسی طور اس حقیر لوے سے پیچھا چھڑائے۔ مگر لوا ایسا جم کر بیٹھا تھا کہ آخر ہار کر اسے ہی نیچے اترنا پڑا۔ عقاب پہلے سے بھی زیادہ غصے میں بھر گیا۔ اس بری گھڑی کو کوسنے لگا جب اس حقیر چڑے (لوے) کو اپنی پیٹھ پر لئے اسی چٹان پر اترنا پڑا جہاں سے اس نے پرواز کی تھی اس وقت جانے کہاں سے ایک چھوٹی سی کھچوی نکل آئی اور اس مضحکہ خیز منظر کو دیکھ کر کچھ اس طرح ہنسی کہ ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہوگئی، عقاب نے بڑی نخوت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''اور زمین پر رینگنے والے کیڑے، بھلا تمہیں کس بات پر ہنسی آرہی ہے۔''

کھچوی بولی

''اس بات پر کہ تم گھوڑا بن گئے ہو۔ ایک ننھا سا چڑا تم پر سواری کر رہا ہے اور وہ ننھا چڑا تم سے افضل ہے!''

اس پر عقاب بولا

''ارے راستہ ناپو تم راستہ! یہ ہماری گھریلو بات ہے میری اور میرے بھائی لوے کی!''

☆☆☆☆☆

پیغمبر اور بچہ

ایک دن سار یا رسول ایک باغ میں ایک بچے سے ملے، بچہ بھاگ کر ان کے پاس آ گیا۔ اور بولا

''صبح بخیر حضور'' پیغمبر نے کہا

صبح بخیر ننھے آج میں دیکھتا ہوں کہ تم اکیلے ہو!

بچے نے خوشی سے کھل کھلاتے ہوئے کہا

''اپنی آیا کو کھونے میں ایک زمانہ لگا ہے مجھے! وہ سمجھ رہی ہے کہ میں جھاڑیوں کے ادھر ہوں اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ میں یہاں ہوں!''

پھر اس نے پیغمبر کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا

''مگر آپ بھی تو تنہا ہیں آپ کی آیا کیا ہوئی؟''

پیغمبر بولے

''یہ ایک الگ قصہ ہے۔ جو سچ پوچھو تو میں کوشش کروں بھی تو اسے کھو نہیں سکتا۔ ہاں جب میں ادھر آیا تھا تو وہ جھاڑیوں کے ادھر میری تلاش کر رہی تھی۔''

بچے نے خوشی سے تالی بجاتے ہوئے کہا

تو پھر آپ بھی میری طرح کھوئے ہوئے ہیں نا آخاہ کیا مزہ ہے یوں کھو جانے میں بھی! اور پھر وہ پوچھنے لگا

حضور آپ نے اپنا نام تو بتایا نہیں

''مجھے کہتے ہیں سار یا رسول اور تم نے بھی تو مجھے نہیں بتایا کہ تم کون ہو؟''

''میں؟ میں صرف میں ہوں!'' بچے نے جواب دیا اور آیا مجھے ڈھونڈ رہی ہے آیا جسے پتہ ہی نہیں کہ میں کہاں ہوں!

پیغمبر نے بچے کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا

''میں بھی پل بھر کے لئے اپنی آیا سے بھاگ آیا ہوں لیکن یہ جلد ہی مجھے ڈھونڈ

لے گی؟''

''یہ تو مجھے بھی معلوم ہے کہ میری آیا مجھے آخر ڈھونڈ ہی لے گی!''

اسی وقت ایک عورت کی آواز سنائی دی۔ جو اس بچے کا نام لے کر اسے پکار رہی تھی

''دیکھا نا'' بچہ بولا میں نے آپ سے کہا نہیں تھا کہ وہ مجھے ڈھونڈ رہی ہے!

اور اسی آن ایک اور آواز سنائی دی۔

''کہاں ہو تم ساریا؟''

پیغمبر بولے

دیکھا نا، میرے بالے آخر انہوں نے مجھے بھی ڈھونڈ ہی لیا نا اور چہرے کے اوپر اٹھاتے ہوئے دھیرے سے کہا

''یہاں ہوں میں!''

☆☆☆☆☆

جسم اور روح

بہار کے دن تھے، ایک مرد اور ایک عورت دونوں ایک ساتھ دریچے میں بیٹھے تھے، دریچہ جو باغ میں کھلتا تھا وہ دونوں ایک دوسرے کے بہت ہی قریب بیٹھے تھے!

عورت بولی

''مجھے تم سے محبت ہے کیونکہ تم جوان ہو دولت مند ہو اور خوش پوش!'' میں بھی تم سے محبت کرتا ہوں کیونکہ تم ایک حسین خواب ہو ایک ایسا خیال جو لمس کا متحمل نہیں ہو سکتا میرے سہانے خوابوں کا ایک رسیلا گیت!

مرد جذبات کی رو میں بہہ گیا

عورت جل کر الگ ہو گئی

''تم مجھ سے دور ہی رہو تو بڑا کرم ہوگا کیونکہ میں نہ تو کوئی شراب ہوں اور نہ ہی ایسا نازک خیال جس کا سحر تمہارے ادنیٰ لمس سے ٹوٹ جائے جو صرف تمہارے خوابوں سے متعلق ہو۔''

میں عورت ہوں اور میری آرزو تھی کہ تم مجھے اپنی جورو بناتے اپنے نوزائیدہ بچے کی ماں!

اور وہ دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ مرد اپنے دل میں کہہ رہا تھا۔

''لو دیکھو، ایک اور حسین خواب بس خیال ہو کر رہ گیا'' اور عورت کہہ رہی تھی ''اس مرد کا کیا ہے جو مجھے اور میری آرزوؤں کو صرف خواب و خیال بنا دینا چاہتا ہے!''

☆☆☆☆☆

ایندھن

ایک طوفانی شام جبکہ ایک عیسائی پادری اپنے گرجے میں تھا ایک غیر عیسائی عورت آئی اور اس کے حضور میں کھڑی ہو کر بولی

''مقدس راہب میں عیسائی نہیں ہوں۔ لیکن کیا میرے لئے بھی دوزخ کی آگ سے نجات کا کوئی ذریعہ ہے؟''

پادری نے اس کی طرف نخوت سے دیکھا اور کہا

نہیں نجات صرف ان کے لئے ہے جن کی روحیں پاک روح سے اصطباح کر چکی ہیں۔

وہ یہ کہہ ہی رہا تھا کہ خوفناک گرج کے ساتھ آسمان سے بجلی کوندی اور اس کے گرجے کو اپنے مہیب شعلوں میں لپیٹ لیا۔

شہر سے لوگ بھاگے ہوئے آئے انہوں نے اس عورت کو تو بچا لیا لیکن پادری جل کر راکھ ہو چکا تھا آگ کا ایندھن!

☆☆☆☆☆

آٹھ شعر جو زندہ رہ گئے

صدیاں گزریں، ایتھنز کی سڑک پر دو شاعر ایک دوسرے سے ملے انہیں ایک دوسرے سے مل کر بڑی مسرت ہوئی ایک نے دوسرے سے پوچھا

''کیا لکھا ہے آپ نے ان دنوں؟'' دوسرے شاعر نے بڑے گھمنڈ سے کہا

''میں نے ابھی ابھی اپنی بہترین نظم ختم کی ہے۔ شاید یونانی زبان کی بہترین نظم''

''یہ زیوئس اعظم کی حمد ہے۔''

اس نے یہ کہتے ہوئے اپنے چوغے سے ایک چرمی کاغذ نکالا، جسے بڑے اہتمام سے لپیٹا ہوا تھا۔

''دیکھو یہ رہی میری وہ نظم، تم چاہو تو مجھے پڑھ کر تمہیں سنانے میں کوئی اعتراض نہیں ہوگا آؤ سفیدے کے اس درخت کے سائے تلے بیٹھ جائیں!''

شاعر نے اپنی نظم پڑھنا شروع کی یہ ایک بہت ہی طویل نظم تھی!

''بڑے معرکہ کی چیز ہے۔''

پہلے شاعر نے بڑی فراخ دلی سے داد دی ''یہ نظم مدتوں زندہ رہے گی اور اس سے آپ کا بڑا نام ہوگا۔''

مگر دوسرے شاعر نے بڑی بے توجہی سے کہا

''لیکن تم نے کیا لکھا ہے اتنے دنوں میں؟''

''بہت ہی کم لکھا ہے میں نے'' پہلے نے جواب دیا باغ میں کھیلتے ہوئے ایک بچے کی یاد میں صرف آٹھ شعر

اور اس شاعر نے اپنے وہ آٹھ اشعار پڑھ کر اسے سنا دیئے!

''کچھ ایسے برے تو نہیں ہیں'' دوسرے شاعر نے بڑی نخوت سے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہا ''ہاں کچھ زیادہ برے نہیں ہیں!'' اور آج دو ہزار سال گزرنے پر بھی ہر زبان میں، اس یونانی شاعر کے وہ آٹھ شعر پڑھے جاتے ہیں۔

گائے جاتے ہیں

پسند کئے جاتے ہیں!

اور اگرچہ وہ دوسری نظم، زیوس اعظم کی حمد صدیوں سے پرانی کتابوں سے صحیفوں میں محفوظ ہے۔ لیکن نہ اسے کوئی پڑھتا ہے اور نہ ہی کوئی اسے پسند کرتا ہے۔

☆☆☆☆☆

بادشاہت

مملکت صادق کے مشتعل باغیوں نے بادشاہ کے محل کو گھیر رکھا تھا وہ بادشاہ کے خلاف نعرے لگا رہے تھے!

بادشاہ ایک ہاتھ سے شاہی تاج اور دوسرے میں صولجان لئے محل کی سیڑھیاں اتر آیا شاہی سطوت کا جادو اژدہام کے سر چڑھ کر بولا مجمع پر خاموشی چھا گئی بادشاہ عوام کے سامنے کھڑا تھا اور کہہ رہا تھا۔

''میرے دوستو! تم اب میری رعایا نہیں ہو لو، اپنا تاج اور صولجان یہ سب کچھ تمہارے حوالے کرتا ہوں میں اب تم سے ایک بنوں گا۔ اگرچہ میں تنہا ہوں لیکن میں تمہارے سماج کے ایک فرد کی حیثیت سے تمہارے ساتھ کام کرنے کے لئے تم سے اشتراک کروں گا۔ ہم سب مل کر کام کریں گے تاکہ ہماری حالت سدھر سکے اب بادشاہت کی کوئی ضرورت نہیں رہی۔''

''ہم سب ایک ساتھ مل کر، کھیتوں میں، باغوں میں مشقت کریں گے تم مجھے صرف اتنا بتا دو کہ مجھے کس کھیت میں کس باغ میں کام کرنا ہے اب تم سب بادشاہ ہو!''

رعایا اپنی اس آسان جیت پر خوش تو ہوئی لیکن ایک مبہم سکوت ان پر مسلط ہو گیا۔ کہ وہ بادشاہ جس کے خلاف وہ بغاوت کے لئے اٹھے تھے جسے وہ اپنی تمام مصیبتوں کا باعث سمجھتے تھے اس نے اپنا تاج اپنا صولجان ان کے حوالے کر دیا ہے!

وہ ان میں سے ایک بن گیا ہے!

پھر وہ سب ہر ایک اپنی اپنی راہ ہو لئے اور بادشاہ کسی ایک کے ساتھ کسی ایک کھیت کی طرف چل دیا!

مملکت صادق کی حالت بادشاہ کے بغیر بھی سدھر نہ سکی۔ بے چینی اب بھی عام تھی۔ بازاروں میں چوراہوں میں لوگ چلا اٹھے۔

''ہمیں بادشاہت چاہئے''

''ہم بادشاہ کا راج چاہتے ہیں!''

''ہم اپنے لئے ایک بادشاہ چاہتے ہیں''

بوڑھے اور جوان سب ایک ساتھ مل کر چلا اٹھے

''ہم اپنے بادشاہ کو واپس لائیں گے!''

انہوں نے بادشاہ کی تلاش شروع کر دی بادشاہ انہیں ایک کھیت میں مشقت کرتا مل گیا۔ وہ اسے شاہی محل میں لے آئے اور شاہی تاج اور صولجان اس کے قدموں میں رکھ دیا ہاتھ باندھ کر اس کے حضور میں کھڑے ہو گئے۔

''عالم پناہ اب ہم پر حکومت کیجئے پوری قوت کے ساتھ پورے انصاف کے ساتھ!''

بادشاہ نے جواب دیا

''ہم اپنی پوری قوت کے ساتھ حکومت تو کریں گے۔ ہاں مگر خدائے ارض وسما ایسا بھی کرے کہ ہم انصاف بھی کر سکیں!''

پھر لوگ عورتیں اور مرد اس کے حضور میں ایک بڑے جاگیردار کی شکایت لے کر آئے جو اپنے کارندوں پر بہت ظلم کرتا تھا۔

بادشاہ نے اسی آن اس بڑے جاگیردار کو طلب فرمایا اور اس پر ٹوٹ پڑا

''خدا کے پیمانے میں ایک انسان کی جان دوسرے انسان کی جان کے برابر ہے مگر تم اس قدر کو نہیں پہنچانتے کہ وہ لوگ جو تمہارے کھیتوں میں، تمہارے باغوں میں دن رات مشقت کرتے ہیں، ان کی جان کی بھی اتنی ہی اہمیت ہے۔ جتنی خود تمہاری جان کی

تمہیں جلاوطن کیا جاتا ہے تمہیں یہ ملک ہمیشہ کے لئے چھوڑ دینا ہوگا''

اگلے دن ایک اور گروہ جو پہاڑوں سے ادھر رہنے والی ایک نواب بیگم کے مظالم

سے نالاں تھا۔ اس کی شکایت لے کر بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوا۔

بیگم کی بھی فوراً طلبی ہوئی۔ بادشاہ نے اسے بھی جلاوطن کی سزا دیتے ہوئے کہا

''وہ ہمارے کھیتوں میں ہل چلاتے ہیں اور ہمارے انگوروں کی حفاظت کرتے ہیں ہم سے بہتر ہیں ہم جو ان کا پیدا کیا ہوا اناج کھاتے ہیں اور ان کی بنائی ہوئی شراب پیتے ہیں! لیکن تم چونکہ اس احساس سے بہرہ ہو۔ اس لئے تمہیں اس ملک کو چھوڑ دینا ہوگا اس ملک سے کہیں دور جا کر رہنا ہوگا!'' پھر مرد اور عورتیں اس کے دربار میں روتے چلاتے آئے۔

''اے بادشاہ پادری ہمیں گرجے کے لئے بڑے بڑے پتھر ڈھونے، اور تراشنے پر مجبور تو کرتا ہے مگر مزدوری کے پیسے نہیں دیتا۔ حالانکہ پادری کی تجوری سونے اور چاندی سے بھری ہوئی ہے اور ہمارے پیٹ بھوکے ہیں۔''

پادری کے نام بھی پروانہ جاری ہوگیا اور جب وہ دربار میں پیش ہوا۔ تو بادشاہ جھلا اٹھا یہ۔

''یہ صلیب جو تم گلے میں لٹکائے پھرتے ہو، جانتے ہو۔ اس کا پیغام ہے زندگی کو زندگی سے معمور کرنا لیکن تم زندگی کو زندگی سے محروم کرتے ہو تم اس مقدس پیغام کی تضحیک کرتے ہو تمہیں اس ملک سے نکل جانے کا حکم دیا جاتا ہے تمہیں کبھی یہاں واپس نہ آنے دیا جائے!''

یونہی بالکل اسی طرح ایک پورا چاند، مہینہ بھر روز لوگ عورتیں اور مرد اپنی اپنی مصیبتوں کا رونا رونے اس کے پاس آتے رہے اور بادشاہ ظالموں کو ان کے ظلم کی پاداش میں ملک بدر کرتا رہا۔

مملکت صادق کی دنیا خوش تھی، اور ان کے دل پرسکون تھے! ایک دن سلطنت صادق کے مرد اور عورتیں، بوڑھے اور جوان اپنے بادشاہ کے محل کے گرد پھر جمع ہوئے۔ انہوں نے اپنے بادشاہ کے محل کو گھیر لیا بادشاہ ایک ہاتھ میں شاہی تاج اور

دوسرے میں صولجان لئے پھر محل کی سیڑھیاں اتر آیا۔

''اب تم مابدولت سے کیا چاہتے ہو لو ہم تمہیں وہ سب کچھ واپس کرتے ہیں جسے سنبھالنے کی تم نے ہم سے درخواست کی تھی!''

''نہیں نہیں اے بادشاہ'' وہ گڑگڑانے لگے ''تم ہمارے بادشاہ ہو تم نے ہمارے لئے اس زمین کو ڈسنے والے سانپوں اور خون چوسنے والے بھیڑیوں سے پاک کر دیا ہے۔ ہم تو یہاں تمہارے گن گانے تمہاری عظمت کے گیت گانے آئے ہیں تاج اپنی تمام شوکت کے ساتھ حضور کا ہے اور صولجان اپنے پورے اقبال کے ساتھ جہاں پناہ کا ہے!'' بادشاہ نے کہا

''مابدولت نہیں ہم نہیں، تم سب بادشاہ ہو۔ جب تم نے ہمیں کمزور پایا اور ہماری حکومت کو ناقص، تم خود بھی کمزور تھے اور ناقص بھی اب جب کہ رعایا خوش حال ہے یہ تمہاری تمنا تھی تو میں صرف تمہارا ایک اصلاحی تخیل ہوں تم سب کے دماغوں کا ایک پر عظمت تصور! اور میرا وجود تمہارے اعمال کے سوا کچھ بھی نہیں حاکم کی تو کوئی ہستی بھی نہیں ہے صرف محکوم زندہ ہیں۔ آپ اپنے آپ پر حکومت کرنے کے لئے!''

بادشاہ اپنے تاج اور اپنے صولجان کے ساتھ ایک بار پھر محل میں داخل ہو گیا اور مملکت صادق کے بوڑھے اور جوان خوش خوش اپنے اپنے راستے پر ہو لئے۔ ہر ایک اپنے آپ کو بادشاہ سمجھتے ہوئے جیسے سچ مچ ہر ایک کے ایک ہاتھ میں تاج ہو اور دوسرے میں صولجان!

☆☆☆☆☆

اتار چڑھاؤ

ایک آدمی نے دوسرے سے کہا

''اک زمانہ ہوا کہ سمندر کے اتار کے موقع پر میں نے اپنے عصا کی نوک سے ساحل کی ریت پر کچھ لکھا تھا لوگ اسے پڑھنے کو اب بھی تھم جاتے ہیں۔ انہیں یہ فکر رہتی ہے کوئی اسے مٹا نہ دے!''

دوسرا بولا

''بھئی میں نے بھی ریت پر کچھ لکھا تو تھا، لیکن وہ زمانہ سمندر کے پورے چڑھاؤ کا تھا۔ اور بے پایاں سمندر کی بے پناہ موجیں اسے اپنے ساتھ بہا کر لے گئیں۔ ہاں مگر بتاؤ تو تم نے لکھا کیا تھا؟''

پہلے نے جواب دیا

''میں نے لکھا تھا کہ میں وہ ہوں جو ہے اور تم نے کیا لکھا تھا؟''

دوسرا بولا

میں نے یہ لکھا تھا ''میں تو اس بے پایاں سمندر کا صرف ایک قطرہ ہوں!''

☆☆☆☆☆

آنسو اور قہقہے

نیل کے کنارے شام کے دھندلکے اور ایک لگڑ بھگڑ ایک گھڑیال سے ملا ایک نے دوسرے کو ٹھہرالیا۔ رسمی علیک سلیک بعد لگڑ بھگڑ نے گھڑیال سے پوچھا

''کہئے سرکار کیسی گزر رہی ہے؟''

گھڑیال بولا

''کیا پوچھتے ہو بھائی، بری ہی حالت ہے۔ اگر کبھی درد کی شدت کے مارے آنکھیں امنڈ آئیں۔ تو دیکھنے والے قہقہے لگاتے ہیں کہ یہ گھڑیال کے آنسو ہیں حالانکہ سچ پوچھو تو اس اذیت کی خلش نا قابل برداشت ہوتی ہے!''

اس پر لگڑ بھگڑ نے کہا

''ارے میاں تم تو اپنے دکھ کا رونا روتے ہو۔ یہاں ذرا میری حالت بھی تو دیکھو میں دنیا کی خوب صورتیوں کو دیکھتا ہوں۔ اس کے معجزوں کو دیکھتا ہوں۔ اس کے کرشموں کو تو مارے مسرت کے باچھیں کھل جاتی ہیں۔ ایسے جیسے صبح مسکراتی ہے تو یہ ''جانگلی'' میرے اس وجدانی کیف پر بھی قہقہے لگاتے ہیں ارے یہ تو لگڑ بھگڑی قہقہہ ہے!''

☆☆☆☆☆

لباس

ایک دن سمندر کے کنارے، خوبصورتی کی دیوی کی ملاقات بدصورتی کی دیوی سے ہوگئی ایک نے دوسری سے کہا۔

''آؤ سمندر میں نہائیں''

پھر انہوں نے اپنے اپنے لباس اتار دیئے اور سمندر میں تیرنے لگیں کچھ دیر بعد بدصورتی کی دیوی سمندر سے نکل کر ساحل پر آ گئی۔ اور چپکے سے خوبصورتی کی دیوی کا لباس پہن کر کھسک گئی اور جب خوبصورتی کی دیوی سمندر سے نکلی تو اس نے دیکھا اس کا لباس غائب تھا، عریانی اسے گوارا نہ تھی، بدصورتی کی دیوی کے لباس سے تن ڈھانپنے کے سوا چارہ نہ تھا لاچار اس نے اس کا لباس اوڑھا اور اپنی راہ چل پڑی۔

آج تک سبھی مرد اور عورتیں ایک پر دوسرے کا دھوکا کھاتے ہیں لیکن چند ایسے بھی ضرور موجود ہیں جو خوبصورتی کی دیوی کو دیکھ چکے ہیں اس کے لباس کے باوجود اسے پہچان لیتے ہیں اور یقیناً چند ایسے بھی ضرور ہوں گے، جنہوں نے بدصورتی کی دیوی کو دیکھا ہو اور اس کا لباس اسے ان کی نگاہوں سے چھپا نہ سکتا ہو!

☆☆☆☆☆

جرم غربت

وہ بیچارہ! صبح سے سخت سخت پتھر کوٹنے میں مصروف تھا چلچلاتی دھوپ اس کے لئے بے معنی تھی اور شدت تشنگی، فکر روزگار میں غائب۔

اس کی بربط ہستی کے تار حسرتوں نے توڑ دیئے تھے ریزہ ریزہ کر دیئے تھے کیوں کہ وہ مفلس تھا اور تہی دست۔

غروب آفتاب کی آخری کرن سبز پتوں پر ناچنے لگی پرندے محو پرواز آشیاں تھے اور ہوا مائل بہ سکوں۔

ہر ذی روح ہستی گوشہ عافیت کی طرف روانہ تھی اور تھمی ہوئی روح کو روپہلی پروں والی نیند کی گود میں دے دینے کو آمادہ

پر آہ! اس سے تو نیند بھی کوسوں دور تھی جیسے کہ اس کا تعلق تو محض دہر کی عشرت گاہوں سے ہی ہے نہ کہ پر دردنالوں کے احساس سے پاش پاش دلوں سے! اس نے نڈھال ہو کر اک ٹھنڈا سانس بھرا اور سانس! جس میں کائنات کو زیر و زبر کر دینے کی صلاحیت ہے۔ گرد و پیش اک حسرت آلود نگاہ ڈالی اور سست سست قدموں سے اک طرف روانہ ہو گیا۔

لیکن وسیع دنیا کی خوشنما وادیوں میں اس کے لئے جگہ نہ تھی نہ کوئی کنج سکون۔ جہاں دن بھر اضمحلال اور خستگی فراموش کر سکے یا اک کلبہ غریبانہ جسے وہ اپنی ملکیت کہہ سکے۔

وہ دہر کی مسرتوں سے بے بہرہ تھا اور یہاں کی دلفریبیوں سے نا آشنا! اس کے دل، دماغ اور روح کی گہرائیوں میں تو صرف ایک خیال تھا جو رہ رہ کر بے قرار کر دیتا وہ یہ کہ آنے والی صباح روح و تن میں تعلق قائم رکھنے کے لائق روزگار بھی مہیا کر سکے گی یا نہیں؟

فقر و فاقہ نے اسے جذبات سے یکسر عاری کر دیا تھا اور ہر قسم کے احساس سے

بالکل بے بہرہ۔

وہ نہیں جانتا تھا کہ مقصد حیات رشتہ حیات قائم رکھنے کی حد سے بڑھ کر بھی ہو سکتا ہے۔ جرم غربت نے اس کی روح کو پابہ زنجیر کر دیا تھا اور محبوس طوق و سلاسل

☆☆☆☆☆

روئیداد حیات

سرسبز پتیوں میں اک ننھی سی کلی محو خواب تھی اس کی پنکھڑیاں پیوستہ تھیں اور دنیا ٹہنی کی حد تک محدود۔

لیکن بہار کے اک فردوسی جھونکے نے نہ معلوم سرگوشیوں میں کیا کہہ دیا کہ وہ خود بخود چٹک اٹھی اور فرط حیرت سے نیم وا آنکھیں کھول دیں۔

اب خواب سے بھی زیادہ جمیل مناظر تھے اور وسعت نگاہ تک مسرتوں کا رواں سمندر!

معبود! کیا اس اداس زندگی میں بھی خوشی کی لہر دوڑ سکتی ہے جو دل کی مرجھائی ہوئی کلی کو کھلا سکے۔

سینہ بحر پر اک ننھی سی کشتی تیر رہی تھی۔ پرکاہ کی طرح ہچکولے کھاتی اور ہر جنبش پر سلامتی سے پنپتی۔

دفعتاً اک ہولناک گرداب نے اسے گرفت میں لے لیا اب شعلہ جوالہ سمندر نگلنے کو تیار تھی اور ہر بڑھتی ہوئی موج الٹنے پر کمر بستہ

لیکن وہ ننھا سا سفینہ آخر کار کنارے جا ہی پہنچا تمام خطرات کا جانفشانی سے مقابلہ کرتا اور حامل شدہ مصائب کو ثابت قدمی سے جھیلتا۔

میری کشتی حیات، زمانہ کی گردشوں سے نزد غرقابی ہے کیا وہ بھی ساحل مراد تک پہنچ سکے گی نا امیدیوں کے تھپیڑے کھاتی اور مصائب سے مقابل ہوتی۔

ماہ عالم تاب ہجوم سحاب میں غائب ہو گیا تھا جیسے شب کی دیوی نے سیاہ نقاب پہن لیا ہو

ستارے خاموش تھے اور اپنے رفیق کی گمشدگی پر حیرت زدہ

ایکا ایکی! دل کانچ کی طرح پھٹ کر رہ گئے۔ اب وہی ماہ درخشاہ تھا اور اس کی پاکیزہ تابانی۔

میری زندگی کی ہر درخشندگی، یاس کے بادلوں نے زائل کر دی ہے وہ اک شب تاریک کی طرح ہے جہاں سمہ بھر بھی روشنی نہیں۔

ہر آرزو، خواب کی طرح دور دور ہے اور اس تنکے کی طرح آوارہ! جسے ہوا جہاں چاہے اڑا کر پھینک آئے۔

☆☆☆☆☆

پکار

افق کے سنہرے کنارے دن کو الوداعی پیغام دے رہے ہیں۔ آفتاب کی رنگین کرنوں نے ہر طرف جو بار نور پھیلا دی بہار کی چمکیلی شام پر آرائے دہر ہے۔

پتہ پتہ حیات سے معمور ہے اور ذرہ ذرہ بالیدہ!

کائنات مخزن نشاط و شگفتگی بن رہی ہے اور اس کی ہر شے داعی کیف و سرور

لیکن میرے لئے کچھ بھی نہیں! میری افسردگی وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ بڑھ رہی ہے اور افسانہ ماضی جاوی بر روح حیات۔

کہتے ہیں کہ اپریل کی یہ شام پر کیف ہے اور حد ذوق انگیزی تک یادگار

ممکن ہے کہ ایسا ہی ہو لیکن میرے لئے تو حنا پائے خزاں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔

کائنات نشیلے گیتوں سے مدہوش ہے اور دہر سرسبز و شاداب

مجھے کیا؟ یہاں تو وہی افسردہ روح ہے اور پژمردہ دل! نہ احساس بہار ہے اور نہ سروکار بہ خزاں۔

بس اک کنج تنہائی ہے یا اپنی شکست کی آواز اور تمہارے ساتھ گزارے ہوئے سنہری زمانے کی یاد۔ جب میری دنیا تم سے وابستہ تھی اور محض تم تک محدود موت کے زبردست ہاتھ نے ہم دونوں کو علیحدہ کر دیا گویا تن کو جان سے بعید تر کر دیا گیا لیکن میرا دل! وہ تو اب بھی تمہاری جائے قیام ہے اور ہر لمحہ معمور خیالات

کیونکہ ہمیشہ کے لئے بچھڑ جانے والی ہستی عزیز ترین روح

تمہاری یاد سے بہتر تو کوئی یاد نہیں

☆☆☆☆☆

نفرت کا علاج

بصاری کے شہر میں کبھی ایک بہت ہی رحم دل شہزادہ آباد تھا جس سے ساری رعایا پیار کرتی تھی۔ جس کی ساری رعایا دل سے عزت کرتی تھی مگر اس شہر میں ایک ایسا قلاش بھی رہتا تھا۔ جسے شہزادے سے بڑی نفرت تھی اور وہ ہمیشہ اس کے خلاف زہر اگلتا رہتا تھا۔

شہزادے کے کانوں تک یہ سب کچھ پہنچ تو جاتا لیکن پھر بھی وہ خاموش رہتا۔ آخر اس کا علاج یہ نکالا کہ سردیوں کی ایک ٹھنڈی رات، اپنے غلام کو آٹے کی ایک بوری، صابن کا ایک گٹھا اور شکر کا ایک توڑا دے کر اس قلاش کے یہاں بھیجا

غلام نے اس قلاش سے جا کر کہا

شہزادے نے یہ سب کچھ حضور کی خدمت میں بھیجا ہے!

قلاش یہ سن کر پھولا نہ سمایا اور سمجھ کر اترا گیا کہ شہزادے نے اسے نذرانہ بھیجا ہے اسی گھمنڈ میں وہ مفتی کے پاس پہنچا اور شہزادے کی تفصیل بتا کر کہنے لگا

''دیکھا نا تم نے شہزادے کو میری خوشنودی کس قدر منظور ہے!'' مفتی یہ سن کر مسکرایا

''ہاں میں نے دیکھا کہ کس قدر دانش مند ہے، شہزادہ اور کس قدر بے وقوف ہو تم۔ لیکن تم بھی نہیں سمجھے کہ وہ باتیں، استعاروں میں کرتا ہے۔ آٹے کی بوری یہ تمہارے خالی پیٹ کے لئے ہے۔ صابن میلے لباس کو اجلا کرنے کے لئے ہے اور شکر کڑوی زبان کو شیریں بنانے کے لئے!''

اس دن سے اس قلاش کو خود اپنے آپ سے نفرت ہوگئی، مگر شہزادے کے خلاف جو کدورت تھی۔ اس کی شدت پہلے سے بھی زیادہ بڑھ گئی اور اس مفتی کو تو وہ زہر سمجھنے لگا۔ جس نے اس پر شہزادے کی عظمت کا راز اجاگر کر دیا تھا!

کہتے ہیں کہ اس کے بعد اس قلاش نے اپنی زبان سے کبھی شہزادے کے خلاف کچھ نہیں کہا۔

☆☆☆☆☆

بد دعا

تیس سال ہوئے بوڑھے ملاح نے کہا

''ایک نوجوان ملاح میری بیٹی کو بھگا لے گیا تھا۔ اسے اپنے دل ہی دل میں میں نے بد دعا دی تھی کیونکہ میری بیٹی مجھے دنیا کی ہر شے سے زیادہ عزیز تھی، دنیا کی ہر شے سے زیادہ پیاری تھی!''

تھوڑے ہی دنوں بعد خبر ملی کہ وہ نوجوان ملاح اپنے جہاز سمیت سمندر میں ڈوب گیا ہے اور اس کے ساتھ ہی میری بچی بھی ڈوب گئی۔ میری بچی مجھ سے چھن گئی! اب تم میرے اس لاشے میں، ایک کا نہیں دو کا خون دیکھ رہے ہو۔ ایک بے باک ملاح کا اور ایک معصوم دوشیزہ کا خون یہ میری بد دعا تھی جس نے انہیں یوں غارت کر دیا۔

''اور اب میں قبر میں پاؤں لٹکائے خدا سے رحم و بخشش کی دعا کرتا رہتا ہوں!''

بوڑھے ملاح نے نم آلود آنکھوں سے یہ کہا تو سہی لیکن اس کے انداز تکلم پر تاسف سے زیادہ فخر کا رنگ غالب نظر آتا تھا۔ جیسے اسے اپنی بد دعا کے اثر پر بڑا ناز ہو۔

☆☆☆☆☆

انار کی قیمت

ایک شخص کے پاس انار کا بہت بڑا باغ تھا۔ مدت سے اس کا یہ دستور تھا کہ فصل کے دنوں میں چاندی کے تھالوں میں انار بھر کر گھر کے باہر رکھ دیتا، اور چاندی کے ان تھالوں پر اپنے ہاتھ سے لکھ دیتا

''جتنے میں چاہو، ایک انار اٹھالو، آپ کو اجازت ہے!''

مگر لوگ پاس سے گزر جاتے اور کوئی اس کا دھیان بھی نہ کرتا!

آخر سوچ سوچ کر اس آدمی نے ایک ترکیب نکالی اور اس سال فصل کے موقع پر چاندی کے تھالوں میں پکے ہوئے سرخ انار رکھنے کی بجائے ایک تختہ اونچا کر کے لٹکا دیا اس پر لکھا تھا ہمارے یہاں بہترین قسم کے انار ہیں اور ان کی قیمت بھی ملک بھر کے دوسرے اناروں سے زیادہ ہے اس عبارت کو دیکھ کر دور دور سے عورتیں اور مرد بھی انہیں خریدنے کے لئے آنے لگے۔

☆☆☆☆☆

خدا اور دیوتا

کیلافش کے شہر میں ایک فسطائی مندر کی سیڑھیوں میں کھڑا بہت سے دیوتاؤں کا پرچار کر رہا تھا اور لوگ اپنے دلوں میں کہہ رہے تھے۔

''ہم یہ سب کچھ جانتے ہیں کیا یہ سب دیوتا ہمارے ساتھ نہیں رہتے اور جہاں کہیں بھی ہم جائیں ہمارا پیچھا نہیں کرتے؟''

تھوڑی ہی دیر بعد ایک اور شخص چوک میں کھڑا لوگوں سے کہہ رہا تھا۔

''کوئی خدا نہیں جس نے بھی اسے سنا۔ خوش ہوا کہ انہیں خداؤں سے ڈر لگتا تھا!''

پھر کسی ایک اور دن ایک اور آدمی آیا۔ اس کے بیان میں فصاحت تھی اور انداز تکلم میں دلکشی، اس نے کہا

''لوگو! خدا صرف ایک ہے!''

سننے والے یہ سن کا افسردہ ہو گئے۔ کیونکہ دل میں وہ ایک خدا کے انصاف سے بہت سے خداؤں کے انصاف کی نسبت زیادہ ڈرتے تھے!

اسی سال ایک اور آدمی آیا اور اس نے لوگوں سے کہا

''اصل میں خدا تین ہیں اور وہ تین اوپر، ایک بن کر رہتے ہیں، ان کی ایک بہت مہربان ماں ہے۔ جو ان کی جورو بھی ہے اور بہن بھی!''

اس پر کیلافش کے لوگ بہت خوش ہوئے وہ دل ہی دل میں کہہ رہے تھے

''ایک خدا، ایک میں تین۔ یقیناً ہماری خطاؤں اور کمزوریوں کے متعلق رائے قائم کرنے میں کبھی بھی متفق نہیں ہو سکتے۔ اور پھر ان کی مہربان ماں وہ ہم کمزور دلوں کی خطاپوشی ضرور کرے گی۔''

آج کے دن تک کیلافش کے شہر میں ہزاروں ایسے لوگ موجود ہیں جو خدا کے وجود اور ناوجود میں جھگڑتے ہیں جو ایک خدا اور تین خداؤں اور ان کی ایک مشفق ماں کے وجود پر مناظرے کرتے ہیں۔

تماشا گاہ

مئی کی ایک چمکیلی صبح جھیل کے کنارے خوشی غمی سے ملی۔ ایک نے دوسری کی خیر و عافیت پوچھی اور پھر جھیل کے ساکن پانی کے قریب بیٹھ کر باتیں کرنے لگیں۔

خوشی دنیا کی خوبصورتیوں کا ذکر کرتی تھی۔ ان عجائبات کا جن سے زندگی جنگل میں پہاڑوں پر مرغزاروں میں دو چار ہوتی ہے۔ اور ان رسیلے گیتوں کا جو دن چھڑے اور دن ڈھلے سنائی دیتے ہیں۔

غمی نے خوشی کی زبانی جو کچھ سنا۔ اس سے اتفاق کیا وہ موجودات کے سحر کو بھانپ چکی تھی اور اس کے حسن کو بھی!

بہت دیر تک غمی اور خوشی یونہی ایک ساتھ بیٹھی باتیں کرتی رہیں ایک جو کچھ بیان کرتی دوسری اس سے پورا پورا اتفاق کرتی تھی اس وقت جھیل کے ادھر دوسرے کنارے دو شکاری جا رہے تھے۔ جیسے ہی انہوں نے ادھر دیکھا تو ایک بولا

''جانے دو دونوں کون ہیں'' دوسرا کہنے لگا

''کیا کہا تم نے دو مجھے تو صرف ایک ہی دکھائی دے رہی ہے''

پہلے شکاری نے کہا

''نہیں بھئی دو ہیں''

دوسرا بولا

''وہاں تو صرف ایک ہی ہے۔ اور جھیل میں سایہ بھی تو صرف ایک ہی دکھائی دے رہا ہے۔''

پہلا کہتا تھا

''نہیں دو ہیں اور پانی میں سایہ بھی دو ہی کا صاف نظر آ رہا ہے دوسرے کا اب بھی وہی خیال تھا۔''

''میں تو صرف ایک ہی کو دیکھ رہا ہوں''

اور پہلا اس بات پر مصر تھا کہ اسے تو صاف طور پر دو دکھائی دے رہے ہیں

آج تک شکاری کو یہ شکایت ہے کہ اس کے دوست کو ایک کے دو نظر آتے ہیں اور دوسرا سمجھتا ہے کہ اس کے ساتھی کی بنائی ضرور کچھ کم ہو گئی ہے۔

☆☆☆☆☆

ماں کی گود

قادسیہ کی وادی میں جہاں ایک بڑا دریا بہتا ہے دو چھوٹی چھوٹی ندیاں باہم ملنے پر یوں گویا ہوئیں!

پہلی بولی

''کہو سہیلی راستہ کیسے کٹا تمہارا؟''

دوسری نے کہا

''بہن میرا راستہ تو بہت ہی خراب تھا۔ پن چکی کا پہیہ ٹوٹا ہوا تھا اور چکی والا بوڑھا جو راستہ کاٹ کر مجھے اپنے کھیتوں میں لے جایا کرتا تھا مر چکا ہے۔ میں ہاتھ پاؤں مارتی جو دھوپ میں بیٹھے مکھیاں مارتے رہتے ہیں۔ ان کے کیچڑ سے پہلو بچاتی چلی آ رہی ہوں۔ مگر تمہاری راہ کیسی تھی؟''

پہلی ندی بولی

''میری راہ بالکل مختلف تھی میں پہاڑیوں پر سے اچکتی شرمیلی بیلوں اور معطر پھولوں سے الجھتی چلی آ رہی ہوں۔ چاندی کی کٹوریاں بھر بھر کر مرد اور عورتیں میرا پانی پیتے تھے۔ اور چھوٹے چھوٹے بچے اپنے گلابی پاؤں میرے کنارے کھنگالتے تھے۔ میرے چاروں طرف قہقہے تھے اور رسیلے گیت تھے لیکن افسوس کہ بہن تیرا راستہ خوشگوار نہ تھا۔''

''چلو جلدی چلو'' دریا کی چیخ سنائی دی، چلو چپ چاپ بڑھتی چلو اور مجھ میں سما جاؤ۔ ہم سمندر کی طرف جا رہے ہیں۔ آؤ کہ میری گود میں پہنچ کر تم اپنی سب کوفت بھول جاؤ گی۔ خوشی اور رنج کے تمام قصے خود بخود محو ہو جائیں گے۔

''آؤ کہ ہم اپنے راستے کی تمام کلفتیں بھول جائیں گے۔ سمندر میں اپنی ماں کی گود میں پہنچ کر ہم سب کچھ بھول جائیں گے۔''

☆☆☆☆☆

مامتا

پہاڑی کے دامن میں ایک ماں اور اس کا ایک بچہ ماں اور اس کا پلوٹھی کا بچہ دونوں ایک ساتھ رہتے تھے!

طبیب ابھی سرہانے ہی کھڑا تھا۔ کہ بچہ بخار سے مر گیا،

ماں کی دنیا غم سے تاریک ہوگئی۔ مامتا پکار پکار کر طبیب سے پوچھ رہی تھی

''مجھے بتاؤ کس موذی نے اس پیہم کشمکش کو ٹھہرا دیا؟''

کس نے اس مضطرب گیت کو خاموش کر دیا؟

طبیب بولا

''یہ بخار تھا!''

ماں نے پوچھا

''یہ بخار کیا بلا ہے؟''

طبیب الجھن میں پڑ گیا

''میں صحیح طرح سے بیان تو نہیں کر سکتا۔ کہ یہ ہوتی تو حقیر سی چیز ہے لیکن بدن کے اندر داخل ہو کر زہر پھیلا دیتی ہے مگر مصیبت یہ ہے کہ ہم اسے دیکھ نہیں سکتے، انسانی آنکھ اسے دیکھ نہیں سکتی!''

طبیب چلا گیا، ماں روتی رہی اور اس کے الفاظ دہراتی رہی!

''یہ ہوتی تو حقیر سی ہے لیکن ہم اسے دیکھ نہیں سکتے انسانی آنکھ اسے دیکھ نہیں سکتی!''

دن ڈھلے پادری ماتم پرسی کے لئے آیا مامتا ابھی تک چلا رہی تھی ماں کے آنسو تھمتے ہی نہیں تھے۔ وہ پادری سے پوچھ رہی تھی۔

''میرا اکلوتا بیٹا''

''میرا پلوٹھی کا بچہ!''

پادری بولا

''میری بچی یہ خدا کی مرضی تھی!''

ماں بولی

''تو پھر خدا کیا ہے خدا کہاں ہے؟''

''میں خدا کو دیکھنا چاہتی ہوں کہ اس کے سامنے اپنا سینہ کھول کر رکھ دوں اور اپنے دل کا خون اس کے پاؤں پر نچوڑ دوں! مجھے بتاؤ کہ خدا کہاں ہے؟''

پادری بولا

''بیٹی خدا بہت بڑا ہے لیکن انسانی آنکھ اسے دیکھ نہیں سکتی!''

ممتا چلائی

''ایک بہت ہی حقیر شے نے بہت ہی بڑے کی مشیت سے میرے لال کی جان نکال لی تو پھر ہم کیا ہیں؟''

''ہم کون ہیں؟''

بچے کی نانی بالے کا کفن لئے اندر سی رہی تھی۔ اس نے پادری کے الفاظ بھی سنے تھے۔ اپنی بچی کا ہاتھ پکڑ کر بولی ''میری بچی! ہم ہی بہت حقیر ہیں۔ اور ہم ہی بہت بڑے ہیں اور ہم ہی ہیں ان دو ضدوں کے مابین ایک اٹل راستہ!''

☆☆☆☆☆

شاعر اور عورت

ایک شام ایک مرد اور ایک عورت دونوں ایک ساتھ ڈاک گاڑی میں جا رہے تھے!

دونوں پہلے بھی ایک دوسرے سے مل چکے تھے!

دونوں میں جان پہچان پرانی تھی!

مرد شاعر تھا عورت کے پہلو میں بیٹھنے پر اس نے سوچا کہ وہ افسانے اور کہانیاں سنا سنا کر اس کا دل بہلائے۔ افسانے جو اس کے اپنے لکھے ہوئے تھے۔ کہانیاں جو اس کی اپنی نہیں تھیں!

شاعر افسانوں کے رنگین جال بن رہا تھا مگر وہ عورت سو رہی تھی

گاڑی کے اچانک جھٹکے سے وہ جاگ اٹھی تو بولی

''جو ناول اور ویل کی جو تعبیر تم نے بیان کی ہے مجھے بے حد پسند ہے!''

شاعر بوکھلا گیا، محترم خاتون!

''مگر میں تو آپ سے اپنا لکھا ہوا ایک افسانہ کہہ رہا تھا تتلی اور چمپ کی کومل کلی سے متعلق ان کے باہمی مراسم ان کی باہمی الفت کے بارے میں''

☆☆☆☆☆

فلسفہ امن

ایک پھلی پھولی شاخ نے دوسری سے کہا

''آج کا دن بہت ہی ویران ہے اور اداس!''

دوسری شاخ بولی

''بے شک دن بہت اداس اور ویران بھی''

اسی آن ایک چڑیا۔ ایک شاخ پر آن بیٹھی اور پھر ایک اور چڑا! چڑے نے چوں چوں کر کے کہا

''میری جورو مجھے چھوڑ گئی ہے''

چڑیا بولی

''میرا ساتھی بھی مجھے چھوڑ گیا ہے اور اب وہ واپس نہیں آئے گا لیکن مجھے اس سے کیا؟''

دونوں چوں چوں کرنے لگے۔ اور پھر ایک دوسرے کے پر نوچنے لگے اور اب وہ لڑ رہے تھے اور شور مچا رہے تھے۔ ایکا ایکی دو چڑیاں تیرتی ہوئی آسمان سے نیچے اتریں اور ان بے صبروں کے قریب چپ چاپ بیٹھ گئیں

اب وہاں خاموشی تھی!

اب وہاں امن تھا!

پھر وہ چاروں جوق جوق اڑ گئیں!

پہلی شاخ ساتھ والی شاخ سے کہنے لگی

''کیا بے ہنگم شور تھا!''

دوسری شاخ بولی

''تم جو چاہو اسے کہو میں تو اسے امن پرور اور راحت افزا سمجھتی ہوں اگر اوپر کی فضا میں امن ہے تو نیچے بھی ''امن'' ہے!''

کیا تم ہوا میں لہرا کر میرے قریب نہیں ہو سکتیں؟

پہلی شاخ بولی

''کیوں نہیں ضرور ''امن'' کے لئے پیشتر اس کے کہ بہار کے دن بیت جائیں!''

پھر وہ ہوا کے تیز جھونکے کے ساتھ لہرا کر اسے اپنے سینے پر لپٹانے ''امن'' کے قریب آن پہنچی!

☆☆☆☆☆

ستر سالہ محبوبہ

نوجوان شاعر نے ملکہ سے کہا

''مجھے تم سے محبت ہے''

ملکہ نے جواب دیا

''مرے بچے مجھے بھی تم سے محبت ہے!''

''لیکن میں تمہارا بچہ نہیں ہوں میں مرد ہوں، میں جوان ہوں، میں تم سے محبت کرتا ہوں!''

ملکہ بولی

اور میں لڑکوں کی ماں ہوں اور لڑکیوں کی اور وہ بچوں کے باپ ہیں بچیوں کی مائیں ہیں اور میرے بیٹے کا ایک بیٹا تو عمر میں تم سے بھی بڑا ہے!

نوجوان شاعر نے دہرایا

''مگر مجھے تم سے محبت ہے!''

اس کے کچھ دن بعد ملکہ مر گئی لیکن پیشتر اس کے کہ اس کا آخری سانس زمین کے مہیب و عظیم سانس میں کھو کر گم ہو جائے وہ اپنے دل ہی دل میں کہہ رہی تھی

''میرے لال میرے محبوب میرے نوجوان شاعر ہو سکتا ہے کہ ہم پھر کبھی ملیں ہو سکتا ہے کہ جب میری عمر ستر سال کی نہ ہو!''

☆☆☆☆☆

خونیں صولجان

بادشاہ نے اپنی بیوی سے کہا

''بیگم تم سچ مچ کی ملکہ نہیں ہو شاہ وار میری جورو بننے کے لائق کہ انتہا کی کم ظرف اور ناشکر گزار!''

اس کی بیوی بولی

''جناب بھی تو اپنے آپ میں بہت بڑے بادشاہ بنے پھرتے ہیں۔ لیکن اصل میں ہیں نرے بدھو!''

بادشاہ یہ سن کر طیش میں آ گیا

اس نے اپنا صولجان اٹھایا، اور اپنے پورے زور سے اس ملکہ کی پیشانی پر دے مارا۔

طلعی صولجان ملکہ کے خون سے لت پت ہو گیا!

صدر اعظم اندر داخل ہوا کورنش بجا لا کر بولا

''جہاں پناہ یہ صولجان ملک کے سب سے اونچے فن کار نے تیار کیا تھا مجھے افسوس ہے کہ ایک نہ ایک دن حضور کو اور ملکہ معظمہ کو بھی دنیا بھول جائے گی۔ لیکن یہ صولجان، فن کا یہ نادر نمونہ، آنے والی نسلوں میں صدیوں محفوظ رہے گا۔''

اور اب چونکہ جہاں پناہ نے اس طلعی صولجان سے ملکہ معظمہ کے سر سے خون نکالا ہے۔ تو یہ صولجان اب اور بھی زیادہ اہم یادگار میں سے سمجھا جائے گا!

☆☆☆☆☆

سورج اور زمین کے درمیان

جون کی ایک صبح گھاس بلوط کے سایہ سے بولی

''تم دائے بائیں کثرت سے جھول کر ہمارا امن برباد کرتے ہو''

سایہ بولا

''ارے بھئی میں نہیں میں نہیں ذرا آسمان کی طرف دیکھو تو ایک بہت بڑا درخت ہے جو ہوا کے جھونکوں کے ساتھ مشرق کی طرف اور مغرب کی طرف جھولتا رہتا ہے سورج اور زمین کے درمیان!''

گھاس نے اوپر دیکھا تو پہلی بار وہ درخت نظر آیا۔

اس نے اپنے دل میں کہا

''گھاس! مجھ سے بھی لمبی اور اونچی اونچی گھاس!''

اور گھاس خاموش ہوگئی!

☆☆☆☆☆

روپہلے آنسو سنہرے سکے

کسی مقام پر ایک نوجوان تاجر رہتا تھا جو بہت ہی امیر تھا اس کی بیوی نوخیز تھی اور حسین بھی مگر بدقسمتی سے کانوں سے بہری تھی بالکل ہی بہری ایک صبح دونوں میاں بیوی ناشتے پر بیٹھے تھے۔ بیوی نے اپنے میاں سے کہا

کل میں بازار گئی تو کیا دیکھتی ہوں کہ دو کانوں پر دمشقی ریشم بک رہا ہے۔ ہندی لباد ہیں ایرانی ہار ہیں اور یمنی موتی معلوم ہوتا تھا کہ کوئی سوداگر ابھی ابھی اپنے قافلے کے ساتھ ہمارے شہر میں پہنچا ہے اور ادھر مجھے دیکھو کہ اتنے بڑے آدمی کی بیوی ہو کر بھی چیتھڑے لٹکائے پھرتی ہوں میں تو اب ان میں سے اپنے مطلب کی کچھ چیزیں ضرور خریدوں گی!

''جان کوئی وجہ نہیں کہ تم بازار نہ جاؤ'' اس نے قہوہ کا گھونٹ بھرتے ہوئے کہا'' اور اپنی ضرورت اور پسند کی چیزیں نہ خریدو''

بہری جورو چلائی

''ناں ناں، تو ہر وقت تمہاری زبان پر ہے۔ لیکن اتنا تو سوچو کہ تمہاری بیوی ان چیتھڑوں میں پھرے گی، تو کیا تمہارے نام اور تمہاری دولت پر حرف نہ آئے گا؟''

وہ بولا

''لیکن جان! میں نے ناں کب کی ہے تم جب چاہو بازار جاؤ اور اپنے لئے بڑھیا سے بڑھیا ریشم خوب صورت سے خوب صورت ہار اور عمدہ موتی خرید لاؤ۔''

لیکن بہری جورو نے اس کا مطلب بھی الٹ ہی نکالا

''شہر کے تمام رئیسوں میں سے ایک تم ہی بدترین کنجوس ہو'' اس نے روتے ہوئے کہا

''تم نے مجھے ہر خوبصورت چیز سے صرف اسی لئے محروم رکھتے ہو کہ وہ مہنگی ہے۔ حالانکہ مجھ سے بڑی بڑی عمر کی عورتیں بڑھیا سے بڑھیا ریشم اور عمدہ سے عمدہ موتی

پہنے پھرتی ہیں!"

روتے روتے اس کی ہچکی بندھ گئی۔ اس کے رو پہلے آنسو، اس کے بھرے ہوئے گداز سینے پر پٹ پٹ گر رہے تھے۔

وہ چلا رہی تھی

"میری ہر خواہش پر تم بس ناں، فنا ہی سناؤ گے! میرے لئے تمہارے پاس کبھی بھی کچھ نہیں رہتا!"

نوجوان تاجر کو اپنی جورو کی بے چارگی پر رحم آ گیا وہ اٹھا اور اپنے تھیلے سے مٹھی بھر اشرفیاں نکال کر اس کے سامنے ڈال دیں اور بڑے پیار سے بولا

"جاؤ میری جان اور جو کچھ بھی تمہیں پسند ہو خرید لاؤ، اس دن کے بعد، اس نوخیز اور حسین بہری جورو کو جب بھی کسی شے کی ضرورت ہوتی تو وہ اپنی آنکھوں میں، رو پہلے آنسو لئے، اپنے نوجوان خاوند کے پاس آ جاتی۔ اور وہ چپ چاپ مٹھی بھر اشرفیاں نکال کر اس کے سامنے ڈال دیتا۔"

اب کرنا خدا کا یہ ہوا کہ اس حسین عورت کو کسی دوسرے نوجوان سے محبت ہو گئی جو لمبی لمبی سیاحتوں کا شوقین تھا! اب یہ نوجوان جب بھی کہیں باہر جاتا تو یہ نوجوان خوبصورت عورت صبح و شام کھڑکی میں کھڑی روتی رہتی!

ادھر جب اس کا خاوند اسے یوں اپنے گال آنسوؤں میں بھگوتے دیکھتا تو اپنے دل میں کہتا۔

"شہر میں ضرور کوئی نیا قافلہ، نئے نئے لبارے، قیمتی قیمتی ہار، اور نایاب موتی لے کر آیا ہے!"

وہ مٹھی بھر اشرفیاں نکالتا اور اس کے سامنے ڈال دیتا!

☆☆☆☆☆

پیڑ اور آدمی

ایک پیڑ نے ایک آدمی سے کہا

''میری جڑیں دور تک سرخ زمین میں پھیلی ہوئی ہیں۔ میں تمہیں اپنا پھل دوں گا!''

وہ بولا

''کیسی یگانگت ہے ہم میں، میری جڑیں بھی دور تک سرخ زمین ہی میں ہیں اور یہ سرخ زمین تمہیں طاقت بخشتی ہے۔ کہ تم ہم پر اپنا پھل نچھاور کرو۔ اور ہمیں سکھاتی ہے کہ ہم احسان مندی کے ساتھ اسے قبول کریں!''

☆☆☆☆☆

شعلہ آتشیں

افق مغرب پر ایک آتشیں شعلہ لرز رہا ہے۔ لمحہ بہ لمحہ آگے بڑھتا جاتا ہے تا کہ دہر کو خاکستر کر دے اور اس کے لوازمات کو اک افسانہ پارینہ!

اس کی ہر لپک ہزاروں روحوں کے لئے پیغام اجل ہے اور کائنات کے لئے قہر و غضب

زمین اپنی بے چارگی پر گریاں ہے جیسے زمانہ ماضیہ کے فراموش شدہ افسانے دہرا رہی ہو اور آسمان متغیر نگاہوں سے اس خونیں ڈرامہ کا مشاہدہ کر رہا ہے جو وحشت و سفاکی کی زندہ یادگار ہے اور تہذیب و تمدن کا جنازہ

ہر طرف ایک تاریکی سی چھا رہی ہے ہولناک تاریکی نغمات چنگ و رباب کی جگہ فرشتہ موت کے جرس فنا نے لے لی اور مجسم قہقہہ زندگی، آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی پکار سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔

دہر کے ہر خلا پر شعلہ آتشیں کا تسلط ہے اور ہر گہرائی میں اس کا حصار

نوجوان دم بخود ہیں بوڑھے صورت بیمار اور معصوم و مسرور بچے ایک عالم حیرت میں ہیں لیکن یہ سرخ سرخ آتشیں شعلہ! اللہ! یہ تو دم بدم بڑھتا ہی چلا آتا ہے۔

کائنات کے اکھڑے اکھڑے سانس اس کے لئے بے معنی ہیں اور اس کی ترقی پذیر سودائیت بے حقیقت۔

ہلاکو و چنگیز کی داستان سنا کر تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی ہے

فطرت کے کھلونے اپنے ہی بنائے ہوئے ہتھیاروں سے کھیل رہے ہیں ان کی ہستی شرمندہ تکمیل ہے اور خواب ہائے فردا پراگندہ۔

پر یہ بھڑکتا ہوا شعلہ! آہ! یہ تو قریب سے قریب تر ہو رہا ہے۔ تھکا ماندہ آفتاب گوشہ سکون میں جا چھپا لرزاں و رقصاں پتے تھک کر ساکت ہونے کو ہیں اور بھیڑے ہوئے پرند آمدہ پرواز آشیاں۔

پر معبود! اسے تو ایک لمحہ قرار نہیں اک مسلسل تڑپ ہے اور مجسم لرزش

یہ کوئی ہالہ بر بریت ہے یا عتاب خداوندی؟

یہ شعلہ! یہ لپکتا ہوا آتشیں شعلہ

☆☆☆☆☆

سکوت نیم شب

رات اپنا آدھا دور ختم کر چکی ہے فضا غرق یم خیال ہے اور کائنات نشہ خواب میں مدہوش۔

کبھی کبھی کسی شب بیدار پرندے کا نغمہ دوش شمیم پر تھرتھرا اٹھتا ہے جیسے رباب کے تار ٹوٹ کر ایک ہلکی سی جھنجھناہٹ پیدا کر دیتے ہیں۔

اس کے سوا سکوت ہے۔ شہر خموشاں کی چہار دیواری کا سا سکوت

آسمانی بلندیوں پر سے ایک ستارہ جھانک رہا ہے یا کسی وقت ہوا کی چھیڑ چھاڑ پتیوں میں لرزش طاری کر دیتی ہے

جیسے ساز کے پر سکوت تاروں میں کوئی نغمہ متلاطم ہو

اس کے سوا اطمانیت کے دور دورہ ہے اور موت کے سناٹے کی حکمرانی

دور کوہستان کی پہاڑیوں ساکت و دم بخود ہیں جیسے بات کرنے سے ڈر رہی ہیں اور سفیدے کے کوہ وقار درخت کسی طلسمی ماحول کے زیر اثر سر جھکائے کھڑے ہیں

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کائنات کسی شب بیدار ساحرہ کے سحر سے مسحود ہے

میں خاموش بیٹھی ان حالات کا مشاہدہ کر رہی ہوں مجھے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ زندگی ایک کھنڈر ہے بدھ مندروں جیسا تاریک کھنڈر۔

اور نیم شب کا یہ سکوت اس کی ویرانی کو اور بھی بڑھا رہا ہے۔

☆☆☆☆☆

تبسم

اس کے پاکیزہ حسن میں فرشتوں کی سی سادگی تھی اور فردوسی حوروں جیسی ملامت

اس کے پیارے پیارے لبوں پر ایک تبسم رقص کرتا رہتا معمور حیات اور جاں بخش تبسم

جب وہ مسکراتی تو ایسا معلوم ہوتا جیسے فضا میں مسرت و شادمانی کی ہلکی ہلکی بدلیاں چھا رہی ہوں۔

کبھی کبھی اس کی مسکراہٹ، روح نبض کائنات معلوم ہوتی اور کبھی ایسی شاداب پر سکون جیسے پیاسی زمین مدت درآمد کے بعد مینہ سے سیراب ہوئی ہو

اس کے جادہ حیات پر دہر کی آلودگی نے سایہ نہ ڈالا تھا یہاں کی ناصیہ فرسائیوں سے وہ بے نیاز تھی اور حد امکان تک بلند بالا

اس کی کائنات تو اسی ملکوتی تبسم میں پوشیدہ تھی اور اس کی وسعتوں تک محدود! جو اس کی روح میں طمانیت کی ہلکی ہلکی لہریں مار رہا تھا۔

☆☆☆☆☆

شمع سے

سوختہ دل شمع تو اس قدر آزردہ خاطر کیوں ہے ہنسی کی محفل میں افسردگی کے جھونکوں کا کیا کام؟ پروانوں کی جانبازی تو باعث انتشار نہیں یا خیال بیچارہ کہیں سوہان روح ہو رہا ہے۔

وقف الم شمع! تو اس طرح سرد آہیں کیوں بھر رہی ہے۔ عہد گزشتہ کا کوئی بھولا بسرا واقعہ تو نہیں یاد آ گیا یا اپنی دعا کو بے اثر دیکھ کر محو سرود خاموشی ہے

ماضی کے افسانے دہرانا لاحاصل ہے ماضی! رفتہ و گزشتہ ماضی! اس کی گزری ہوئی چند گھڑیوں کا ذکر ہی کیا؟ آہ وہ سراب آلحات جن کو گزرتے اتنا عرصہ بھی نہ لگا جتنی دیر میں کنول کی پنکھڑی پر حباب بن کر بگڑ جاتا ہے۔

ہستی سے بیزار شمع! یوں گھل گھل کر جان دینے سے کیا فائدہ یہ ننھی سی شیریں جان جو پروانوں کی حیات کا ملجا و ماوی ہے کہیں یہ تصور تو مجھے نہیں پگھلا رہا کہ باد صبا یا دگار رونق محفل کو نابود نہ کر دے۔

لیکن جب حقیقت ہی حقیقت نہ رہی تو افسانہ کو دہرانے سے کیا حاصل؟ جب کارواں ہی چلا گیا تو غبار رہگذار کے ناپید ہو جانے کا کیا غم؟

تجھے مایوس تمنا ہونے کا رنج ہے لیکن وہ تمنا ہی کیا جو محروم تکمیل نہ ہو

تفسیر سوز شمع! تو اس قدر مضطرب ہے شاید خود جل جل کر اوروں کو جلانے کے احساس سے لیکن! لیکن! سر حیات بھی تو اسے ہی کہتے ہیں آفتاب اپنے سینے سے آتشیں شعاعیں نکالتا ہے۔ بوڑھی زمین کی تھکی ہوئی ہڈیوں کو گرمی پہنچانے کے لئے، ماہ شب رات بھر اپنی ٹھنڈی ٹھنڈی کرنیں دیتا ہے۔ کائنات کی تاریکیوں کا سینہ چیرنے کے لئے۔

جب کہ حیات فانی معمور بہ جرحات تلخ ہے اور اس کی ایک ایک سطر مرقع پیچیدگی یہاں ہر ہر لرزش کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے اور اپنی ہستی کو نئے انقلاب کا حامل پھر یہ از خود

رفتگی کیسی؟ اندر ہی اندر گھلنا چہ معنی دارد؟

سیل حسن! کوئی پریشان خواب تیرے جلوے کی عکاسی کو محدود کر رہا ہے لیکن یہ آہ وزاری کب تک؟

رات دھیرے دھیرے صباح میں تبدیل ہونے کو ہے اور باد صبا کی سرسراہٹ سنائی دے رہی ہے۔ وقت نایاب ہے اور پھر نہ آنے والا

اسے تو جان فروش پروانوں کی سرفروشی کی داد میں گزار دے۔

☆☆☆☆☆

کشاکش حیات

دن بھر کا تھکا ماندہ آفتاب، گوشہ عافیت میں سکون پذیر ہو چکا، بچھڑے ہوئے پرند اپنے اپنے آشیانوں کی طرف جا رہے ہیں آسمانوں پر تاروں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے اور زمین پر شمیم عطر بیز کی کیف آفرینی میں کشش

سرزمین خواب کا سا مسحور کن وقت ہے اور گلاب کی پنکھڑی جیسا دلکش سماں

ایسے پر کیف سمے میں بھی میری روح چین نہیں پاتی بڑھتی ہوئی کلفتوں نے اسے خستہ پا کر دیا ہے اور پر صعوبت لمحات کی خلش نے گریزپا

اللہ! اللہ! کشاکش حیات کی ہنگامہ آرائیاں

چودھویں کا چاند اپنی جملہ تابانی سے روشن ہے صنوبر و چنار کے درختوں پر اس کی شعاعیں اس طرح چھن چھن کر گرتی ہیں جیسے حوران خلد کے لبادوں کا سایہ کانپ رہا ہو۔ قریب ہی سمندری موجیں مدھم سروں میں کوئی گیت الاپ رہی ہیں سکون و سرور عطا کرنے والا گیت۔

اس سہانے وقت میں میرا خواب فراموش ہو چکا ہے بڑھتی ہوئی شورشیں اس پر حاوی ہو چکیں ہیں اور حیات کی پارکار وادیوں کا تصور لمحہ بہ لمحہ پریشان کر رہا ہے۔

ہر شے پر ایک دلاویز تبسم چھا رہا ہے جیسے سالہا سال کے بعد بارش کی بوچھار نے شادابی عطا کر دی ہو اور نیند کے خمار میں لپٹی ہوئی کائنات سکون آمیز سانس لے رہی ہے۔

لیکن مجھے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ فضائے بسیط میں کوئی مقدس روح مسکرا رہی ہے میری واماندگی و بیچارگی پر مسرور ہے اور ہنس ہنس کر کشاکش حیات کی شورید گی کا یقین دلا رہی ہے۔

☆☆☆☆☆

آخری تحفہ

اٹھائیسویں کا زرد زرد چاند الوداعی نگاہوں سے زمین کو تک رہا تھا۔ اس خود فراموش و خستہ مریض کی طرح جو دم واپسیں اکھڑے اکھڑے سانس لے رہا ہو۔

کبھی کبھی اس کی دھندلی روشنی لیموں کے نوخیز پتوں پر لرزنے لگتی یا چکور کی درد ناک آواز فضا کو اور بھی متوحش کر دیتی لیکن فطرت کی آہنی گرفت میں محبوس چاند بے دست و پا تھا اور ساکت سفید سفید بادلوں کے جھرمٹ میں ایسا معلوم ہوتا جیسے کوئی کفن میں لپٹی ہوئی لاش ہو۔

تارے حسرتناک نگاہوں سے اپنے ہم جلیس کی حالت دیکھ رہے تھے۔ یہ آسمانی سوگوار فورگریہ سے بار بار لڑکھڑا اٹھتے اور شب ہائے ماہ سے لطف اندوز ہونے کے بعد اب چاند کے نہ ہونے کے احساس سے کپکپا رہے تھے۔

اور چاند! پیکر غم تھا اور غرقاب الم آہستہ آہستہ نیلگوں گہرائیوں میں تحلیل ہو رہا تھا اس برستے ہوئے سحاب کی طرح جو رفتہ رفتہ فضا میں غائب ہو جاتا ہے۔

کائنات پر ایک آسیبی سکوت برس رہا تھا اور سپیدے کے درخت ہیبت ناک دیوؤں کی طرح انگڑائیاں لے رہے تھے ہاں کبھی کبھی کوئی ستارہ باسی پھول کی طرح کملایا ہوا نظر آجاتا یا آسمان کا مرد بیمار گہرے گہرے سانس کھینچنے لگتا۔

رات رفتہ رفتہ ختم ہو رہی تھی اور فلکی فانوس کا آتشیں شعلہ رو بہ انحطاط

دفعتاً ایک شہاب ثاقب نے آہستہ سے جنبش کی اور زمین کی لامتناہی وسعتوں میں کھو گیا مجھے تو ایسا محسوس ہوا جیسے دور حیات سے گزرتے ہوئے مسافر کا آخری تحفہ ہے۔ زمین کو آخری خراج رفاقت اور چاند کی دکھ بھری آنکھ کا ڈھلکا ہوا آنسو۔

☆☆☆☆☆

گوشہ عافیت

کہاں ہے وہ گوشہ عافیت وہ کنج سکون جہاں انسانیت کا کال روح کو مجروح نہیں کرتا نہ بڑھے ہوئے آلام ہیں اور نہ پیہم جور و استبداد

اس دہر کی خونچکاں داستانیں، دردانگیز افسانے اور تحیر زا واقعات ترقی پذیر ہیں۔ میری فہم سے بالاتر اور ادراک سے بعید اور میں اپنے کو شام کے دھندلکے میں ملفوف محسوس کرتی ہوں۔ ویران اور اندھیرے زندگی غار میں جہاں غروب آفتاب کی آخری کرن بھی جھانکنے سے معذور ہے۔

یہاں ہوا سسکیاں بھر بھر کر روتی ہے جیسے کسی کی خشک آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی پکار ہو

فضا پر نمنا کی چھائی رہتی ہے گہری گہری کہر آلود نمنا کی جیسے برباد آرزوؤں کا غبار چھا رہا ہو۔

آسمان کی چھاتی ابر آلود ہے اور زمین کی وسعت گرد آلود کاش! پر آشوب وادی سے نکل کر کسی خاموش ماحول میں پہنچ جائیں اور اک آزاد دنیا تلاش کریں عنقا کی طرح آزاد و بے پروا یہ وسیع کائنات اس کی پر فریب نیرنگیاں اور اس کی دلکش رنگینیاں سراب آسا ہیں اور ایسی ناپائیدار جیسے کنول کی پتی پر لرزاں اک قطرہ حیات یہاں ہوا کراہتی ہے چاند اشکبار ہے اور کائنات وحشت زدہ۔

اس شریدہ دنیا سے دور! کوئی ایسا کنج سکون جہاں روح میں انعکاس پیدا کرنے والے نغمے بکھر رہے ہوں۔

جہاں اطمینان ذرے ذرے پر چھا رہا ہو؟

جہاں سپیدہ سحر حیات نو کا پیغام لاتا ہو؟

اور! اور! جہاں نہ ذکر امروز ہو نہ فکر فردا روح عالم خیال کے راستوں پر پرواز کرتے کرتے تھک چکی ہے اور کمزور دل اپنے ماحول سے متنفر

تو کیوں نہ اس دہر فانی کو الوداع کہہ دیا جائے۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جاودانی آشیاں شاعر کے تخیل جیسا گوشہ عافیت آہ!

☆☆☆☆☆

وادی تصور

نیند کے خماد میں لپٹی ہوئی کائنات گہرے گہرے سانس لے رہی تھی اور تاریکی کے لمبے لمبے دوش فضا پر لہرا رہے تھے۔

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شیاطین دوزخ اپنے بھاری اور نظر نہ آنے والے پروں کی مدد سے اڑے چلے جا رہے ہیں۔

چودھویں کا چاند نیلگوں کی گہرائیوں میں ڈبڈبا رہا تھا اور سیاہ بادلوں کے ٹکڑے ادھر ادھر اڑتے پھر رہے تھے۔

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ رات کی مشکیں نسب شہزادی روائے عنبریں پھیلائے جھولا جھول رہی ہے۔

ہوا کے سرد جھونکے دھیرے دھیرے سرگوشیاں کر رہے تھے حرکات مدوجزر کی مانند کیف آفریں سرگوشیاں

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے کوئی مقدس فرشتہ بربط نجات پر نغمات عرفانیت الاپ رہا ہے۔

☆☆☆☆☆

کب تک

تسلط خزاں نے وجود کائنات بدل دیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے دنیا کے تمام شیاطین مل کر اپنے منحوس پر پھڑ پھڑا رہے ہوں عندلیب خوشوا سوگوار ہے اور گلشن صد پارہ دل کو سینے میں لئے ساکت پتے لرزاں ہیں اور ڈالیاں گریا۔

لیکن تشدد کے بن خونی پنجوں کی گرفت کب تک؟

جبکہ آمد بہار کے لئے کائنات اس طرح بے قرار ہے جیسے ساز کے پر سکوت تاروں میں متلاطم نغمہ

درختوں کی آڑ میں آفتاب غروب ہو رہا ہے ہر شے شام کے بھورے بھورے دھندلکے میں ملفوف ہے اور قطرہ ہائے اشک کی طرح جنباں دھندلی کرنیں تاریکی کا تعاقب کرتے ہوئے غائب از نظر ہو گئیں۔ فضا میں ایک مہیب سا خوف سانس لے رہا ہے اور ہر طرف تاریکی ہے شب یلدا کی بڑھتی ہوئی تاریکی۔

لیکن یہ تسلط خواب و خامشی کب تک؟ جب کہ باد سحر کے انتظار میں چشم غنچہ نو دمیدہ وا ہے اور نبض کائنات سست سست

جرعات تلخ سے لبریز جام حیات چھلکنے کو ہے دہر کی دلچسپیاں کسی نیم جان مریض کی طرح اکھڑے اکھڑے سانس لیتی نظر آتی ہیں اور آہوئے صحرا کی طرح وحشت زدہ روح کسی نئی گیت کی متلاشی، تسلسل حیات اپنی جنبش جلد سے جلدتر کر رہا ہے اور دل افسردہ اس کی ستم ظریفی پر زار زار

لیکن کب تک؟ یہ گردش لیل و نہار کب تک؟

بیش برس نیست کہ صباح فردا، موسیقی سے معمور اک نیا پیغام سکون لائے

حیات بخش پیغام راحت و سرور

☆☆☆☆☆☆

خطاب بہ لحد

اپنے خوفناک تصور سے مجھے بار بار نہ ڈرا! تیرے وجود سے میں بے خبر نہیں! اپنی وحشت ناک گہرائیوں سے آگاہ کرنے کی کوشش نہ کر۔ مجھے خود بھی اس کا پوری طرح اندازہ ہے

مسکن جسد فانی! مجھے موت سے نہ ڈرا! یہ درس تو مجھے ازبر ہے اور دل کی گہرائیوں میں نوشتہ

شہر خموشاں کا وحشت ناک ماحول اور غمگین فضا میرے لئے کچھ حقیقت نہیں رکھتی۔ نہ ہی ٹوٹے ہوئے کھنڈروں میں پوشیدہ الو اپنے فلسفے سے لاجواب کر سکتا ہے۔

وہاں کی چکر کاٹتی ہوئی چمگادڑوں میں میں کوئی وجہ خوف نہیں پاتی۔

میرے تخیلات کی وادیاں! وہ تو لافانی ہیں اور آسمانی بلندیوں پر پرواز کرتے ہوئے پرند کی طرح آزاد

آہ! میں نہیں مان سکتی کہ ''صحیفہ حیات'' سورہ موت پر ہی ختم ہوتا ہے

لرزہ خیز لحد! میری بڑھی ہوئی شوریدگی کا تمسخر نہ اڑا میں کیونکر یقین کروں کہ تیری آغوش ہی میرے سفر کی آخری منزل ہے۔

اف! یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ اس قدر جدوجہد کا نتیجہ اسے کیونکر کہہ سکتے ہیں

ہر تاریک بادل کے پیچھے چمکتا ہوا سورج موجود ہے تو ''درجات فنا'' طے کرنے کے بعد ''حیات لافانی'' کیونکر نہ ملے گی

میرے جسد فانی کو برباد کر دے یا خاکستر

لیکن روح! ہاں قائم و غیر فانی روح! وہ تو تیری دسترس سے اب بھی باہر اور مصروف گلگشت و مست خرام

''قیام عارضی'' کو میں ''منزل آخریں'' نہیں قرار دے سکتی

آہ! اس کے ماننے میں مجھے تامل ہے اور سوکت!

غارت گر دیر اسرار لحد! مجھے اپنی فتنہ سامانی سے نہ ڈرا۔ وقفہ حیات کو میں خاتمہ زیست پر محمول نہیں کر سکتی

آہ! میں اپنے تخیلات کو اس طرح متزلزل کر دینے سے معذور ہوں۔

☆☆☆☆☆

سازِ شکستہ

جادہ زندگی پر افسردگی اپنا سایہ ڈال رہی ہے طبیعت اس ماحول سے پریشان ہے اور قلب حزین مضطرب

ان بڑھتی ہوئی شورشوں سے میں تنگ آ چکی ہوں آہ! یہ الجھنیں! جن سے آرزوؤں کی بڑھتی ہوئی کونپلیں جھک جھک جاتی ہیں اور خوابوں کے حسین پھول بہ یک ثانیہ مرجھا کر رہ جاتے ہیں۔

معبود! تیری وسیع دنیا کی روحانی خلشیں! روح کی گہرائیوں میں پیوست ہونے پر بھی انہیں قرار نہیں۔

وقت اڑتی ہوئی فاختہ کی طرح محو پرواز ہے اور ہر آنے والا لمحہ! محدود عرصہ حیات گھٹاتا جاتا ہے ماضی کی گہرائیوں میں نابود کر دیتا ہے۔ان برستے ہوئے بادلوں کی مانند جو آہستہ آہستہ فضا میں تحلیل ہو جاتے ہیں

لیکن حیات کا یہ شکستہ ساز! اس نے تو گزری ہوئی مسرتیں بھی مٹا دیں اور آنے والے لمحات خوش آئند کا احساس بھی

اس سے نکلنے والے نغمے بھی تو پر از سوز و ساز ہیں اور کائنات کو افسردہ کر دینے والے جیسے نا امیدیوں کا حصار چھا رہا ہے

کاش! یہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ساکت ہو سکتا زندگی کا یہ ساز شکستہ

اپنی جھنجھناہٹ کو خاموش کر دیتا اور بوئے گل کی طرح غائب! تا کہ آرزوؤں کے ناکام افسانے ختم ہو جاتے اور بڑھتا ہوا اضطراب حیات سکون پذیر۔

☆☆☆☆☆

بیاض دل

چرخ نیلوفری سے لگاتار ستارے ٹوٹ رہے تھے وہ شب یلدا کی تیرگیوں میں اس طرح کھو جاتے جیسے کوئی حسین سنگریزہ تالاب کی گہرائیوں میں غائب ہو جاتا ہے بغیر کسی نقش پا کے چھوڑے یا اپنی فانی ہستی کی یادگار

اسی طرح! آہ اسی طرح! ہماری بڑھتی ہوئی آرزوئیں بھی ٹوٹتی رہتی ہیں بلکہ اس سے بھی کہیں جلد! ستاروں کو تو قلب آسمان سے علیحدہ ہوتے کچھ دیر بھی لگتی ہے لیکن آرزوئیں تو فوراً چکنا چور ہو جاتی ہیں۔ یک ثانیہ! ریزہ ریزہ ہو کر رہ جاتی ہیں۔

وہ ہمالیہ کی چوٹیوں سے بھی بلند آرزوئیں! آہ! وہ کسی طرح شکستہ ہو جاتی ہیں اور سمندری گہرائیوں سے زیادہ عمیق دل میں نہاں امیدیں شرمندہ تکمیل

قوس وقزح کے سے حسین خواب ہوتے ہیں اور نغموں کی طرح معصوم! حسین ان کی تعبیر! وہ تو صحرا کی اس ریت کی طرح ہے جو ہر شے کو پریشان و منتشر کر دے۔

اور تمناؤں کے خوش رنگ غنچے! جو ایک معمولی سی جنبش پر نہ فراموش ہونے والے کیف سے جھوم اٹھتے ہیں لیکن حقیقت میں تو ان کا وجود ایسا ہے جیسے شاخ خزاں زدہ پر مرجھایا ہوا پھول

مالک! ان آرزوؤں کی وقعت بے کار ہے

تمناؤں کی قیمت عارضی! اور خوابوں کی فرحت موہوم

آہ! وہ تو ایسی ہی سراب آسا ہیں جیسے کنول کے پھول پر قطرہ حباب! چشمک برق سے زیادہ بے حقیقت اور برشگال کی عارضی دھوپ جیسی ناپائیدار!

یہ دم توڑتی ہوئی شرمندہ تکمیل آرزوئیں

☆☆☆☆☆

محوِ گریہ کلیو!

محوِ گریہ کلیو! تم اس قدر آشفتہ خاطر کیوں ہو؟ کیا زندگی کا کوئی سہانا خواب شرمندہ تکمیل رہ گیا یا کوئی شگفتہ ہونے کی آرزو دم توڑ رہی ہے۔

نہیں تو چمپیلی کلیو! تم اس قدر پریشان خاطر اور تباہ حال کیوں ہو؟

وہ شگفتگی کہاں کھو کر رہ گئی اور وہ پاکیزہ مسکراہٹ کیا دنیا کے لئے تمہاری معصوم ہستی بھی ناقابل برداشت بوجھ ہے؟

مجھے تو ڈر ہے کہ تمہارے ننھے ننھے قلوب فرطِ الم سے شق نہ ہو جائیں

زندگی کے حسین خواب آہ! وہ تو اسی طرح خیال بن بن کر اڑ جایا کرتے ہیں اور بڑھتی ہوئی آرزوئیں بھی

مگر الم رسیدہ کلیو! اس رنج والم سے کیا فائدہ شرمندہ تکمیل آرزوئیں کبھی پوری نہیں ہوتی اور نہ سہانے خواب منت پذیر تعبیر!

وقت! اف! یہ ظالم خوفناک صیاد! یہ تو اپنے ہر صید سے ایسا ہی سلوک کرتا ہے۔ اسے بے بال و پر اور اسیر قفس کر دینے پر بھی اسے چین نہیں

قدرت کی حسین ترین صنعتوں سے اس نے یہی سلوک کیا۔ سینکڑوں قلوب اس کی چیرہ دستیوں سے مرجھا کر رہ گئے اور ہزاروں روحیں اس کے مظالم کے آگے سر نہ اٹھا سکیں۔

تم اس طرح لرز رہی ہو جیسے ہوا کے جھونکوں سے ایک ننھا سا چراغ ٹمٹمایا کرتا ہے۔ زمانے کا سرد و گرم چشیدہ ہونے کے لئے تو مصائب اٹھانے ہی پڑتے ہیں۔ اس کے نشیب و فراز کا اندازہ بھی تو اسی طرح ہوتا ہے اس لئے حسین و معصوم کلیو! اس قدر دل برداشتہ نہ ہو اور معصوم تبسم کی جگہ افسردگیوں کے حصار کو نہ۔

☆☆☆☆☆

نیند کی دیوی

اس پر شور دنیا کے جھگڑوں سے آزاد کرنے والی ملک خواب آ! اور میری تھکی تھکی آنکھوں کو بند کر دے میں اس دہر کی جانستانیوں سے تنگ آ چکی ہوں اور دل افسردہ اپنی بے چارگی پر پاش پاش ہے۔

نیند کی حسین دیوی! میری تھکن سے چور روح کو چھپا لے اپنے سنہرے دامن میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے پوشیدہ کر لے

شب سیاہ لبادے میں ملبوس ہے ستارے سطح آسمان پر باسی پھولوں کی طرح نظر آتے ہیں یا سرد ہوا کے شوریدہ جھونکے کپکپا دیتے ہیں۔

مجسمہ امن وسکون! میں اس ماحول سے تنگ آ چکی ہوں تو اک رس بھرا گیت سنا! وہ گیت جسے سنتے سنتے موجیں ساکت ہو جاتی ہیں اور ہر ذرہ ذرہ کائنات خاموش! تا کہ میں اس دنیائے مادیت سے نکل سکوں اور خوابوں کے حسین جزیرے میں پہنچ جاؤں جہاں نہ یہ ہنگامے ہیں اور نہ بڑھتی ہوئی افسردگیاں

خوبصورت ساحرہ! مجھے اپنے سحر میں مسحور کر لے اور ان غلطاں و پیچاں افکار سے کچھ دیر کے لئے آزاد! تا کہ میں اس بے کیف حیات کی الجھنوں کو بھول جاؤں۔ اس کی شورشوں کو فراموش کر سکوں۔

کاش! تو مجھے دور لے جاتی۔ اس دنیا سے بہت دور منظر خواب جیسی جمیل وادی میں نشیلے گیت سنا سنا کر سرشار کر دیتی اور تمام گرد و پیش سے بے خبر۔

☆☆☆☆☆

حکایت دل

دل! آہ صرف دو حرفی لفظ ہے لیکن کیسا فتنہ سامان کتنا ننھا سا ہے لیکن کیسا شوریدہ کتنا معصوم ہے لیکن ایسا سنگدل کس قدر بھولا ہے لیکن حد سے زیادہ ظالم

کبھی موت کی طرح یخ بستہ ہے تو کبھی مفلسی کے آنسوؤں جیسا گیلا۔ اگر خوابیدہ لہر کی طرح ساکت ہے تو شوخ جھونکوں کی طرح آوارہ خرام

قرار یک لمحہ سے بے نیاز ہے اور اطمینان قلبی سے محروم

اس کے بڑھتے ہوئے مظالم کی کوئی حد نہیں اس کے افسانہائے بیدادگری حضرت انسان کو ازبر ہیں جسے دنیا سے بے زار کر دیا گیا ہے اور یہاں کی دلچسپیوں سے آشفتہ! بیش کریں اس کی ہر لمحہ کسک ہے اور اضطراب تڑپ ہے اور گریہ بے اختیار! اور پھر بات بات پر بگڑ بیٹھنا کہ سینکڑوں خوشامدیں بھی قابو میں نہیں لا سکتیں اور ہزاروں جتن ہیچ ہیں۔

چین! آہ یہ لفظ تو اس کے لئے عنقا ہے اور بالکل بے معنی

اللہ! اتنی سی جان! اور اتنی مصیبتیں اس قدر شورشیں اتنی الجھنیں! کہ نہ یک لمحہ قرار ہے اور نہ ذرہ بھر فرصت۔

سکوت نیم شب میں یہ خلل ڈال دیتا ہے اور سکون سحر میں رخنہ اندازی اتنا کھرا ہے کہ ذرہ بھر بھی تو زمانے کے نشیب و فراز کا اندازہ نہیں

اس کی فتنہ سامانی نے کائنات میں تہلکہ مچا رکھا ہے انسان کا دشمن ازلی ہے تو عندلیب کوشنو! اس کے دست تعدی سے بے چین پیہا بے قرار ہے اور شایا ننھی سی موسیقار شایا بر شگال کی پر کیف صبح بھی تو اسے قرار نہیں لینے دیتی۔

لیکن اس قدر وارفتہ خاطر ہونے پر بھی سب کو پیار ہے اس کی بے وفائیوں کے باوجود سب اس کے والہ و شیدا ہیں اور معمولی سے معمولی خواہش پوری کرنے کو دست بستہ تیار۔

معبود! اگر یہ ستم گر باوفا ہوتا تو یہ فریفتگی نہ معلوم کہاں سے کہاں پہنچ جاتی

لیکن ان کمزوریوں کے باوجود حد سے بڑھ کر خوددار ہے اور ذرا سی ٹھیس لگنے سے ہستی تک سے منہ موڑنے کو تیار۔

پھر دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت اسے منا نہیں سکتی اس کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑے جوڑنا کسی کے بس کی بات نہیں

اللہ! اگر یہ نہ ہوتا تو کیا ہوتا؟ شاید حیات ایک گلشن شاداب ہوتی جسے نہ خوف صیاد ہوتا اور نہ خزاں کا دھڑکا

اس وقت نہ کوئل فریادرس ہوتی نہ بلبل شیدا مضطرب

آہ! تب حیات کیسا روح پرور خواب ہوتی پر کیف اور کبھی نہ فراموش ہونے والا خواب!

☆☆☆☆☆

گریہ پیہم

اف! یہ نہ دریافت کرو کہ اس پر کیف اور حسین رات میں اداس کیوں ہوں ایسے وقت میں جب کہ کائنات کو ماہ تاباں بقعہ نور بنا رہا ہے مجھے ہر طرف تاریکی ہی تاریکی کیوں نظر آتی ہے؟

افسردہ دلوں کے لئے تو تاریک بداماں راتیں بھی ویسی ہی ہیں جیسے شب ہائے جلوہ ساماں

میری روح! آہ وہ تو گم کردہ راہ مسافر کی طرح آوارہ ہے شوریدہ لہروں کی طرح بے چین ہے اور محو نغماں جھونکوں کی طرح بے اختیار

تو پھر جب روح کو قرار نہ ہو تو لطف حیات کیا اور اس محسور کن ماحول کا اثر کیسا؟

یہ پوچھنا بیکار ہے کہ ایسی پرسرور رات میرے دل کے خوابیدہ نغموں کو بیدار کیوں نہیں کر دیتی؟ آہ دل پژمردہ اس کے تار شکستہ ہو چکے ہیں اور نغمے خاموش! اس میں نہ آرزوئیں ہیں اور نہ نئی نئی امنگیں

یہ نہ پوچھو! کہ بہار کی اس چمکیلی صبح میں افسردہ کیوں ہوں؟ اٹھکیلیاں لیتے ہوئے جھونکے دل میں خوشی کی لہریں کیوں نہیں پیدا کر دیتے اور اولین شعاع آفتاب، شادابی حیات عطا کرنے سے معذور ہے اور شفق کے کناروں سے بکھرتی ہوئی تاریں اپنے حلقہ دام میں کیوں نہیں لے لیتیں۔

آہ! مجھے تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ ہوا کے جھونکے سرد آہیں بھر رہے ہیں۔ شعاع آفتاب حامل رنج قلبی ہے اور شفق کی سرخی یہ گہری گہری سرخی! میرے بڑھتے ہوئے الم کی تاب نہ لا کر دل فگار۔

یہ نہ کہو کہ مسرور ستارے میری شوریدگی پر ہنس رہے ہیں چاند میری حالت کا تمسخر اڑا رہا ہے اور زریں مسکراہٹوں والا آسمان خندہ زن

آہ نہیں! ستارے تو باسی پھولوں کی طرح مرجھا جاتے ہیں شاید مجھے مضطرب دیکھ

کرخود بھی اداس اداس ہیں چاند خاموش ہے اور آسمان ساکت!

اطمینان قلبی اور مسرت رفتہ! اف یہی چیزیں تو مجھ سے چھین لی گئیں۔ وقت کی ظالم انگلیوں نے نوچ کر فضا میں منتشر کر دیں اب دل حزیں پر بار الم ہے اور ناتواں روح پر افسردگی کا بوجھ

☆☆☆☆☆☆

اپنی "محبت" سے

کاش! موت کے بھیانک ہاتھ تمہیں مجھ سے علیحدہ نہ کر دیتے۔ تمہارے مقدس وجود کو لے کر وادی فنا میں پرواز نہ کر جاتے اور دنیا وسیع و روشن دنیا کو میری نگاہوں میں تاریک نہ بنا دیتے۔

اس وقت ہاں اس صورت میں! نہ تن کا تعلق جان سے بعید ہوتا نہ طالب اپنے مطلوب سے دور!

تب تم اپنی ضیا پاش نگاہوں سے میری طرف دیکھ کر مسکراتیں۔ اپنی محبت بھری آنکھوں سے مجھے حیات نو عطا کرتیں۔

اور میں تمہارے مقدس قدموں کو آنسوؤں سے دھوتی اپنی تشنگی کو اس طرح بجھاتی! اور محبت کے قیمتی آنسوؤں سے اپنی عاقبت "محمود" کرتی

دہر کے بڑھتے ہوئے تفکرات مجھے گھن کی طرح ختم کر رہے ہیں کاش! میں اپنا تھکا ہوا سر تمہاری گود میں رکھ سکتی میٹھے میٹھے سانسوں میں کشاکش حیات بھول جاتی

تمہارے مقدس لبوں سے شیریں اور تسکین دہ الفاظ سنتی اور اک فردوسی دنیا میں گم ہو جاتی جہاں نہ یہ آلام ہوتے اور نہ تفکرات

یاس و الم کے حصار نے مجھے ہر طرف سے محیط کر لیا میں بالکل بے دست و پا ہوں اور یہ نا قابل برداشت بوجھ اٹھانے کے نا قابل

کاش! میں تمہارے مقدس سایہ عاطفت میں ہوتی تا کہ نہ ان غموں کا احساس ہوتا اور نہ دکھوں کی کچھ پروا! پرسش حال میں خلوص کے نغمے ہوتے اور پیاسی روح کے لئے باران رحمت!

تن کو جان مل جاتی اور طالب کو مطلوب اور پھر میں تمہاری رہبری میں سفر حیات طے کرتی قدم قدم پر یہاں کی لذتوں سے لطف اندوز ہوتی اور مسرتوں سے مسرور

اللہ! اس وقت ہر صفحہ حیات نہ معلوم کیسا افسانوی ہوتا اور حاصل عشرت ہائے گوناگوں۔

فردا سے

حسین و پر اسرار فردا! تیرا تصور میرے لئے باعث تقویت ہے اور موجب سکون قلب جب اوراق ماضی الٹتے الٹتے طبیعت پریشان ہو جاتی ہے یا حال کی پیچیدہ کڑیاں اور تحیر زا واقعات بے حال کر دیتے ہیں تو میری افسردہ نگاہیں تجھے آسمانی خلاؤں میں ڈھونڈتی ہیں فضا کی گہرائیوں میں تلاش کرتی ہیں۔

اور تو من موہنی فردا! میری دنیائے تخیل پر اس طرح چھا جاتی ہے جیسے پہلی شعاع آفتاب سے جھیل کا پانی جگمگا اٹھے۔

جب زندگی ہر طرف سے رنج و ملال میں گھر جاتی ہے اور کوئی صورت چھٹکارے کی نظر نہیں آتی۔ حیات اک بے رونق صبح کی طرح معلوم ہوتی ہے اور برہمی مزاج فطرت کا شکار۔ تو اس وقت اے متاع صبر و قرار! تو تکالیف کے ان کالے کالے بادلوں سے نفوذ کرتی ہے۔ امیدوں کے کارواں لئے ہوئے اور طمانیت قلب کی پھوار بن کر۔

ایسے وقت میں بھی جب قوم کی عظمت ماضی کا احساس قلب کو مجروح کر دیتا ہے۔ فکر مستقبل روح کو برماتا ہے اور ابنائے وطن کی پستی کا تصور حاوی بر دماغ و دل۔ تو تو اے فردائے درخشاں! وقت کے دھندلے اور تاریک سائے سے اس طرح نزول کرتی ہے جیسے سطح آب پر رقصاں ستارہ سحر۔

محض تیرا ہی بھروسا ہے کہ اک پر کیف مستقبل شعاع امید بن کر آتا ہے اور دل پژمردہ کو مسرور و شاداب کر دیتا ہے تیری ہی آمد بیداری قوم کی حامل بن کر آتی ہے اور ارتقائے قوم کا پیغام بصیرت افروز لیکن ان تمام خوبیوں کے باوجود! اے فردائے پنہاں! میں یہ سوچ کر متوحش ہو جاتی ہوں اور اس تصور سے لرزہ بر اندام! کہ آنے والی صبح کے روپ میں وقت کون سی کروٹ لے گا۔

مصائب کے تیروں کی بوچھار لے کر آئے گا۔ یا کیف و مسرت کے انبار آہ! مجھے

نہیں معلوم! کہ تو کون سے رنگ میں تسلط بر کائنات کرے گی؟ ظلمت بداماں بن کر یا پر کیف وجلوہ سامان۔

کس قدر راز سربستہ ہے تیری ہستی اے فردائے ہمہ تسکین! اور کیسی حامل صبر و سکوں۔

☆☆☆☆☆

سرسراتے ہوئے جھونکو!

سرسراتے ہوئے جھونکو! تم اس قدر آشفتہ نوا کیوں ہو؟ بردباری کی جگہ بے قراری نے کیوں لے لی؟ تمہارے تصورات کی فلک بوس چٹانیں مسمار ہو کر رہ گئیں یا تمناؤں کے گزرتے ہوئے قافلے راستہ بھول گئے۔

نہیں تو پھر یہ غضب جھونکو! تم اس قدر پریشان کیوں ہو رہے ہو؟

وہ ناز بھری اٹھکیلیاں کہاں کھو کر رہ گئیں اور وہ ننھی ننھی کلیوں کے ساتھ معصومانہ شرارتیں! جب وہ گھبرا کر اپنی حیران حیران سی آنکھیں وا کر دیتی ہیں۔

تم اپنے دل پسند کھیلوں سے اس قدر بیزار کیوں ہو گئے ہو کہ دیوانوں کی طرح اونچی اونچی پہاڑیوں سے ٹکرا رہے ہو اور گرجنے والی موجوں سے الجھ رہے ہو۔

آخر ہستی سے اس قدر نفرت کیوں؟ اور یہ بڑھتا ہوا جوش و الم کہیں تمہارا کوئی حسین خواب تو ان پہاڑیوں میں دفن نہیں یا شوریدہ موجوں کی آغوش میں کوئی سہانی آرزو ڈوب کر رہ گئی۔

محو گریہ جھونکو! اس قدر ملول ہونے سے کیا فائدہ! کیا پہاڑیاں ان شیریں خوابوں کو اگل دیں گی یا موجیں نگلی ہوئی آرزوؤں کو سطح سمندر پر لا ڈالیں گی؟

رفتہ و گزشتہ باتوں کو دہرانے سے کیا فائدہ اور ازمنہ ماضیہ کے اوراق پلٹنے سے کیا حاصل؟ تم شدت الم سے لڑکھڑا رہے ہو۔ غروب آفتاب کی آخری کرن کی طرح! جو شام کی آغوش میں کانپا کرتی ہے۔

لیکن یہ بڑھتی ہوئی شوریدگی آخر کب تک؟ یہاں کا تو ذرہ ذرہ بر نہ آنے والی خواہشوں کا شاکی ہے اور غنچہ غنچہ شرمندہ تکمیل آرزوؤں سے نالاں۔

عنان صبر تو ہاتھ سے دنیا ہی کفر ہے اور ناامیدیوں کا سب سے بڑا سبب! فطرت تو نہ معلوم کس کس طرح امتحان لیا کرتی ہے خواہ اس میں پورے اترو یا منزل اولین پر ہی تھک کر بیٹھ رہو۔

اس لئے اے موالم جھونکو! اس قدر پژمردہ خاطر نہ ہو خرام ناز اور اٹھکیلیوں کی جگہ درد و ناشکیبائی کچھ زیبا نہیں معلوم ہوتی۔

جو لمحہ موج حوادث سے ہنستے کھیلتے گزر جائے وہی غنیمت ہے اور وجہ سکون و قرار۔

☆☆☆☆☆

میدان حرب

آلودگی کا رزار تمام دہر پر مسلط ہوگئی پر سکون زمین کا چپہ چپہ خون معصومیت سے گلرنگ ہے اور ذرہ ذرہ انسان کی سفا کی کا شاکی ہر طرف اندھیری رات کی سی خاموشی ہے اور موت کا بڑھتا ہوا سکوت، پر خوف ولرزہ خیز سکوت!

کبھی کبھی سمندر کی آہ و بکا زمین پر سے گزر جاتی ہے یا پر پھڑ پھڑاتے ہوئے پرندے فضا کو مرتعش کر دیتے ہیں اور سب خاموشی ہے۔ شہر خموشاں کی سی دہشت ناک خاموشی

کائنات افسردہ و ساکت ہے اور فرشتہ موت کے گہرے گہرے سانسوں سے کہر آلود! جیسے جنگ کے دیوتا نے اپنی خونخوار انگلیوں سے اس کی نبض تھام رکھی ہو۔

میدان جنگ کی وسعت بڑھتی جاتی ہے ہر لمحہ ترقی پذیر ہے ستاروں نے یہ خونچکاں داستانیں سن کر آنکھیں بند کر لیں۔ چاند کو یہ دردانگیز افسانے زرد سے زرد تر کر رہے ہیں اور ہوا پر خوف کہانیاں سن کر دیوانوں کی طرح سر ٹکرا رہی ہیں۔

کائنات وحشت و بربریت انسان کا شکار ہے اور دق کے مریض کی طرح نیم جان ہوا کے جھونکے کسی دل شکستہ کی طرح چلا رہے ہیں۔ آسمان کی آنکھوں سے کسی سیلابی ندی کی طرح آنسو پھوٹ پڑے اور زمین! خون غلطیدہ زمین پر دردالتجائیں کر رہی ہے۔

لیکن انسان! ظالم و بے رحم انسان آج جاہلیت کی روایات دہرا رہا ہے۔ زندگی کی عبارات اس کے لئے بے معنی ہے اور چشم حسمگین میں بجلیوں کے سے پیچ و تاب!

☆☆☆☆☆

افق تقدیر

زندگی حسب معمول گزر رہی ہے اس کی مسلسل یکسانیت نے مجھے وحشت زدہ کر دیا اور بے پناہ تسلسل نے روح کی گہرائیوں میں غرق۔

اللہ! زندگی ہے یا کوئی لق و دق صحرا! یہاں نہ شجر سایہ دار ہے اور نہ قیام کی کوئی جگہ ہر آنے والا دن اپنے نامعلوم راستہ کی طرف چلا جاتا ہے بے تحاشا بھاگتا جاتا ہے بغیر کوئی نقش پا چھوڑے نظروں سے غائب ہو جاتا ہے کہکشاں کی بعید ترین روشنی کے پار!

جیسے کوئی خزاں زدہ پتہ وسیع اور دھندلی خلا میں کھو جائے

ستارے شب بھر آسمانی بلندیوں پر جھلملاتے ہیں اور ان کی نیلگوں گہرائیوں میں شب بھر کے لئے پوشیدہ ہو جاتے ہیں۔

کھلی ہوئی پنکھڑیاں ماہتاب کی زریں شعاعوں کو جذب کرتی ہیں اور حدت آفتاب سے مرجھا کر گر جاتی ہیں۔

لیکن اللہ یہ حیات! مجھے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ناکامیوں کی آماجگاہ ہے اور ہیبت ناک خوابوں کا مجموعہ

بیچاری کے آنسو آنکھوں میں تھرتھرا رہے ہیں کسی برق زدہ درخت کی طرح روح پاش پاش ہے اور خیالات فضاؤں میں آوارہ!

مشرق کی طرف سے آفتاب منور ہو چلا سنہرے اور قرمزی بادل فضاؤں میں تیر رہے ہیں جیسے تقدیر کے فرشتے زندگی کے مسئلے کو سلجھا رہے ہوں۔

نسیم سحر سمندری موجوں سے سرگوشیاں کر رہی ہے جیسے حیات کے موضوع پر روشنی ڈال رہی ہو۔

افق کی سرخی دمبدم بڑھتی جاتی ہے مالک! کہیں نوشتہ تقدیر تو نہیں پڑھا جا رہا، مسئلہ تقدیر تو نہیں حل ہو رہا۔

اداس اداس نگاہیں مشرق کی طرف تک رہی ہیں افق تقدیر پر اپنا ساحل تلاش کرتی ہیں۔ ستارہ سحر کے ابھرنے کی منتظر ہیں اور اس کی بڑھتی ہوئی درخشانی کی آرزومند!

☆☆☆☆☆

انسان

انسان! جسے اشرف المخلوقات ہونے کا شرف حاصل ہے جسے فرشتوں نے سجدہ کیا اور مالک دو جہاں نے زمین کا حکمران بنایا

جس نے سینکڑوں پیچیدہ مسائل اپنی کمزور انگلیوں سے سلجھا کر رکھ دیئے سمندر کو اپنا تابع فرمان بنایا اور ہوا کو فرماں بردار۔

جو کتاب مقدس کو سینے سے لگائے ہوئے تھا۔ مذہب کا محافظ تھا اور راہ طریقت پر رواں جس نے حقائق و معارف کے مشکل سوال چٹکیوں میں حل کر دیئے اور معصومیت سے ملائک کا مقابلہ کرتا تھا۔

زمین نے افتخار سے اسے اپنی وسیع آغوش میں بٹھایا اور آسمان نے ضیا پاش نگاہوں سے عقیدت کے پھول برسائے۔

پر آہ! وہی انسان آج اپنی وجہ ہستی اور مقصد نمود بھول چکا ہے۔ جہل، عناد، اور کبر و نخوت نے اس پر غلبہ کرلیا آشتی و آزادی کے تختے کو اس نے جنگ و غلامی میں بدل دیا۔

اس سے روح انسانیت چھن گئی۔ اس کی جگہ ایک پیکر فریب و حسد ہے اور مجسمہ ظلم و ستم، بردباری و پاکیزگی پر آج تشدد و بربریت حاوی ہے ہلاکو کا استبداد اور چنگیز کا جور و ظلم دہرایا جا رہا ہے اور زمانہ جاہلیت کی بھولی بسری دہشت انگیزیوں کی طرف رجوع ہے۔

آہ انسان! قدرت نے اسے ایک بہت بڑا عطیہ دیا تھا لیکن اس نے اس کی قدر نہ کی۔ اس سے جائز فائدہ نہ اٹھایا اور اشرف المخلوقات ہوتے ہوئے بھی ارزل المخلوقات ہو کر رہ گیا۔

آج انسانیت اس کے ہاتھوں نالاں ہے اور اس کی چیرہ دستیوں پر انگشت بدنداں اس کی معصومیت مصیبت میں بدل گئی اور مذہب پر مادیت چھا رہی ہے۔

☆☆☆☆☆

پوشیدگی

شہر کے عالیشان محلات سے دور! ان فلک بوس عمارتوں سے بہت دور! اک خستہ ویران سا گاؤں آباد ہے۔

یہاں کے حیات پرور نظاروں اور سکون بخش سیر گاہوں سے کہیں دور! اک خاموش اور کہنہ سا گاؤں بس رہا ہے۔

پر رونق بازاروں اور زرق برق پوشاکوں سے تاجدار امکان دور اک ٹوٹے ہوئے کھنڈر میں چند فلاکت زدہ روحیں سانس لے رہی ہیں۔

کشاکش حیات کا دیوانہ وار مقابلہ کر رہی ہیں اور آہ کے شعلوں کو اشکوں سے بجھا رہی ہیں۔

صرف بگولے کارواں در کارواں چکر کاٹتے ہیں یا ہوا آہیں بکھیرتی رہتی ہے اس کے علاوہ نہ وہاں کبھی زر کی جھنکار سنی گئی اور نہ آسودگی کی پکار

صرف سرمایہ داری کے کچلے ہوئے انسان ہیں۔ جو ابھرنے کی ناکام کوشش میں ہر بار لڑکھڑا کر گر جاتے ہیں یا بربط ہستی کے شکستہ تار ہیں جنہیں حسرتوں نے نکما کر دیا۔

اس کے سوا نہ لکشمی دیوی کی کرم فرمائی ہے اور نہ مایا دیوی کا سایہ عاطفت

تم ان سے کتنی ہی نفرت کرو۔ کتنا ہی کترا کر دور بھاگو لیکن اگر تمہیں حیات کی تہہ تک پہنچنے کی آرزو ہے تو دیکھو اور غور کرو کہ تمہارے دھتکارے ہوئے انہیں غریبوں کی آہوں میں راز حیات پوشیدہ ہے ان کی اشک آلودہ آنکھوں میں تھرتھرا رہا ہے اور دل پژمردہ کی دھڑکن میں نہاں۔

راز حیات! جس کے لئے تم اس قدر سرگرداں ہو اسے غریب کی جھونپڑی میں ڈھونڈو۔ اس کے نالوں میں تلاش کرو اور اس کے افسردگی میں تیرتے ہوئے دل میں جھانک کر دیکھو۔

☆☆☆☆☆

شاعر

طلوع آفتاب کی زریں کرنیں پہاڑی چوٹیوں کو جگمگا رہی ہیں۔ قرمزی اور سنہری بادل دوش نسیم پر اڑتے پھرتے ہیں اور دھوپ کے سائے گیہوں کے کھیتوں پر متحرک ہیں۔

صبح کا روح پرور وقت ہے اور منظر ایسا حیات بخش! جیسے فضا میں کوئی عمر خیام کی رباعیات پڑھ رہا ہو لحن داؤدی سے اور دھیرے دھیرے۔

ایسے پر کیف سمے میں شاعر فکر و سخن میں مستغرق ہے اور دنیا و مافیہا سے بے خبر! اسے ایک لمحہ فرصت نہیں کہ دریچہ سے جھانک کر اپنے دل پسند ماحول سے لطف اندوز ہو سکے۔ نیچر پرست ہوتے ہوئے بوقلموئی نیچر سے بھی کچھ قوت حاصل کرے۔

اور اب جبکہ کوہستان کے دامن میں آفتاب غروب ہو رہا ہے افقی بادلوں کو خونی رنگت دیتا اور کائنات کو الوداعی نگاہوں سے تکتا۔

مغرب کی سرد ہوا پتوں کو سرسرا رہی ہے اور سارسوں کے جھنڈ آسمان پر اڑتے ہوئے جا رہے ہیں۔ منظر مسرور کن ہے اور پرسکون! لیکن فطرت کا پجاری شاعر اپنے تخیلات کی دنیا میں کھویا ہوا ہے جیسے کائنات اور اس کی دلفریبیوں سے بے نیاز ہو اور گرد و پیش کے ماحول سے بیگانہ۔

پھر اس لمحے نکھرے ہوئے آسمان پر تارے ڈبڈبا رہے ہیں جیسے نیل کے دریا میں چاندی کی مچھلیاں تیر رہی ہوں۔ سیاہ بادلوں کے ٹکڑے ادھر ادھر اڑتے پھرتے ہیں اور رات کی مشکیں نسب شہزادی آگے بڑھ رہی ہے آہستہ آہستہ اور خرام ناز سے! مگر شاعر تو خواب فراموشی میں غرق ہے خیالات کے تلاطم خیز سمندر کی لہروں میں کھویا ہوا ہے اور امواج تخیل میں بہہ رہا ہے۔

فکر شعر، اسے اتنی بھی تو مہلت نہیں دیتی کہ جس منظر کی پرستش کے لئے اس قدر بے قرار تھا اسے محض ایک نظر تو دیکھ لے۔

اے کاش!

اے کاش! میں اس قابل ہوتی اور اس سعادت کے لائق! کہ اپنے قلب کو گہرائیوں تک چیر کر ایک کشتی بناتی۔ اسے اپنے شبنمی آنسوؤں سے سجاتی۔ معصوم آرزوؤں کا بادبان لگاتی اور تمناؤں کے پتوار سے بڑھاتی۔

اور پھر اس ننھی سی کشتی کو تمہارے مقدس قدموں سے مس کراتی نجات اخروی حاصل کرنے کے لئے اور فلاح دارین سے فیض یاب ہونے کو۔

کیسا حیات بخش ہوتا وہ وقت! جب تمہارے پاک وجود سے میری بے جان کشتی حرکت میں آجاتی اور خود بخود آگے بڑھنے لگتی۔ بادمخالف کی مخالفت کی پروا کئے بغیر اور بادموافق کی موافقت سے بے نیاز۔

اے کاش! پھر میں اپنے اس سرمایہ حیات کو دور لے جاسکتی۔ بہت دور! ان غیر مرئی مقدس وادیوں میں لے جاتی جو افق کے اس پار آباد ہیں جہاں فرشتوں کی سی پاک روحوں کا مسکن ہے اور ان کے گرد دائمی مسرتوں کے حصار۔

جہاں پھولوں میں کانٹے نہیں ہوتے بلکہ ان کے لبوں پر ایک ضوفشاں مسکراہٹ چھائی رہتی ہے اور جہاں حیات فانی کی تاریکیوں سے مقابلہ نہیں کرنا پڑتا بلکہ اک ابدی روشنی ہر چار طرف چھائی رہتی ہے۔

اور وہاں! اس مقدس سرزمین میں میں اپنا عرصہ حیات صرف کر دیتی تمہارے قدموں کے نیچے اپنی جنت تلاش کرتے کرتے وقت گزار دیتی! مسرور اور شاد! اے کاش میں اپنے حرماں نصیب دل کی کشتی بنا سکتی اور تمہارے مقدس سائے میں اسے ساحل مراد پہنچاتی اک ہلکی اور فردوسی جنبش سے! جسے سفید سفید بادل روئی کے گالوں کی طرح اڑتے پھرتے ہیں۔

کاش! اے کاش! میں اپنی اس آرزو کو پایہ تکمیل تک پہنچا سکتی! حیات فانی کی سب سے بڑی تمنا پوری کر سکتی۔

تسلط خزاں

خزاں پھر مسلط برسر کائنات ہے فضا میں ایک دہشت ناک خوف سانس لے رہا ہے پرندے آشیانوں میں ساکت ہیں اور غنچے ٹہنیوں پر خاموش سرسبز پتے فرط الم سے زرد زرد پڑ گئے ہیں کسی الم رسیدہ کے رخ پر ملال کی طرح زرد زرد۔

خزاں کے دست تعدی کا شکار پتے فضا میں اڑتے ہیں۔ ان کی کھڑ کھڑاہٹ سے اک اداس سا راگ پیدا ہو رہا ہے جیسے غم کی دیوی اپنا ستار بجا رہی ہو۔

آہ! جور و استبداد کے سرد پنجے آگے بڑھتے ہی جاتے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے دنیا کے تمام شیاطین مل کر اپنے منحوس پر پھڑ پھڑا رہے ہوں۔

ہوا سسکیاں بھرتی ہوئی چل رہی ہے اور میں نگاہ یاس سے اس اداس منظر کا مشاہدہ کر رہی ہوں دل کسی بچھڑے ہوئے پرندے کی طرح سہما ہوا ہے اور روح بیمار کی کراہ کی طرح اداس اداس۔

خزاں کے دست تعدی نے سینکڑوں قلب کھلنے سے پیشتر ہی مرجھا دیئے۔

سمندر دم توڑتے ہوئے مریض کی طرح سانس لے رہا ہے لہریں ساحل سے ٹکرا ٹکرا کر آہ و زاری کرتی ہیں آسمان بے رونق ہے اور زمین کا چہرہ زرد زرد! جیسے نبض کائنات میں دوران خون تھم گیا ہو۔

میری اشکبار آنکھیں اس منظر کی تاب نہیں لا سکتیں اس زہریلے ماحول میں دم گھٹا گھٹا جاتا ہے اور صدائے درد میں کانپتی ہوئی آواز فضا میں لہرا رہی ہے۔

اف یہ خزاں! یہ بے رونق و افسردہ کن خزاں!

☆☆☆☆☆

کشتی طوفاں زدہ

وقت کے تلاطم خیز سمندر پر ایک پرکاہیدہ کی طرح بہہ رہی ہے ہر شوریدہ اور پر غضب لہر اسے نگلنے کو تیار ہے اور سمندر کی گہرائیاں اپنی آغوش میں لینے پر کمر بستہ! اس پر بھی زندگی کی طوفان زدہ کشتی بڑھتی جا رہی ہے کسی طلسمی کشش کے زیر اثر آگے کو کھینچ رہی ہے لرزاں و خیزاں! جیسا کہ قطرہ شبنم ہوا کے جھونکوں سے کانپ رہا ہو۔

امواج وقت کی حرکات مدو جزر اسے پنپنے نہیں دیتیں اور طوفان حیات لمحہ بہ لمحہ اپنی گرفت تیز کر رہا ہے اس پر بھی لہراتی اور بل کھاتی کشتی بڑھ رہی ہے ناہموار چٹانوں سے ٹکر کھا کھا کر بچ رہی ہے۔

نکھرے ہوئے آسمان پر ڈبڈباتے ہوئے تارے ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے اس میں مچھلیاں تیر رہی ہوں لیکن وہ تو مسرور ہیں اور کسی فراموش نہ ہونے والے خواب میں محو۔

فضاؤں میں بادل تیرتے پھرتے ہیں خوشنام اور دلفریب بادل! ہاتھوں میں ہاتھ لئے ناچتے چلے جاتے ہیں۔ شعر و لطافت کی دنیا میں بہہ رہے ہیں لیکن آہ یہ کشتی! زندگی کی طوفان زدہ کشتی! اس کا کہیں ٹھکانا نہیں ساحل دور ہے اور طمانیت کہیں بعید۔

تو مالک! کوئی جھاگ بہاتی لہر اس کا خاتمہ کیوں نہیں کر دیتی۔ حشر تک کے لئے ان گہرائیوں میں کیوں نہیں چھپا دیتی تا کہ یہ ہمیشہ کے لئے آسودگی خواب حاصل کر سکے اور کھویا ہوا سکون۔

☆☆☆☆☆

خاتون

ایک زہد شکن تصویر تھی اور ملائک فریب چہرہ! محبت کا مجسمہ تھا اور حسین پیکر! اس کے دل میں ایک جہان مروالفت آباد تھا۔ وہ کائنات کی وجہ ہستی تھی اور دہر کی تخلیق کا باعث۔

وہ سب کچھ تھی لیکن کچھ نہ ہونے کے برابر! اس پر ذلت ونکبت وارد کی گئی۔ زندہ دن کیا گیا اس کا نرم ونازک جسم شعلوں کو چٹایا گیا اور آہنی زنجیروں میں جکڑا گیا۔

ستم پرستم! کہ اس کی آغوش میں پروان چڑھنے والوں نے اسے اسیر کیا ذلیل و خوار کیا اور کہیں بھی پناہ نہ لینے دی۔

اس کے نالے فرشتوں کے دل دہلا دیتے عرش عظیم تھرتھرا اٹھتا اور بوڑھی دنیا کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگتے۔

لیکن مرد! ظالم و بے رحم مرد کا دل نہ پسیجتا! وہ اسے نگاہ رعونت سے دیکھتا اس کی بیچارگی پر مسخر ہوتا اور اس کی آہوں کا مذاق اڑاتا یہ سب کچھ تھا لیکن ٹوٹے ہوئے دل کو جوڑنے والا کوئی نہ تھا اور نہ کوئی اس کی مہر، الفت، وفا اور خاموشی کی داد دیتا۔

لیکن تا بہ کے! یہ حالت جمود اور عالم بے کسی آخر کب تک رہتا فطرت کو اپنی اختراع فاتقہ کی بے بسی کا احساس ہوا اور شدت سے!

چنانچہ اس غم زدہ کی اشک شوئی کے لئے ایک انسان مکمل بھیجا گیا جس نے اسے اپنے مقدس دامن میں پناہ دی مرد کا ''نصف بہتر'' بنایا اور آبگینہ ثانی۔ جنت کو اس قدموں کے نیچے رکھ کر اسے ارفع و اعلیٰ بنایا اور اس کی پاکیزگی پر مہر یقین ثبت کر دی۔

یہ تھا اس کے صبر کا میٹھا پھل اور قرنوں کے مظالم کا بدلا۔

☆☆☆☆☆

موسیقی

اللہ ! یہ موسیقی کیا ہے؟ روح کائنات ہے یا شادابی حیات! دنیائے لطافت یا پاکیزگی کا نچوڑ۔

اکثر تاریک راتوں میں جب ازمنہ ماضیہ کی یاد مجھے بےقرار کر دیتی ہے۔ ماضی کے پراسرار افسانے شمع زندگی بنتے ہیں اور دل افسردہ کو اپنی سہانی یاد سے جگمگانے لگتے ہیں۔

تو میری روح دہر کی ہنگامہ آرائیوں سے بیزار ہو جاتی ہے یہاں کے ماحول سے اچاٹ ہو جاتی ہے اور ستاروں سے آگے والے جہانوں میں پرواز کرنے کو از خود رفتہ۔

اس وقت! موسیقی کا کوئی سحر انگیز نغمہ ہوتا ہے کوئی جادو اثر گیت ہوتا ہے جو مجھے عالم خواب سے دنیائے حقیقت میں لے آتا ہے۔ روح کو از سر نو تازگی عطا کرتا ہے جس طرح بارش کا پہلا چھینٹا پڑتے ہی پہاڑی نالوں میں زندگی جاگ اٹھتی ہے۔

سمندر کی گہرائی دیکھ کر مجھے حیرت ہوتی ہے کائنات کی وسعت پر تحیر اور فلک بوس پہاڑوں کی بلندی پر تعجب۔

لیکن یہ اس قدر دیرپا نہیں ہوتی اور نہ ان کیفیات کی حامل! جو تیرے لئے میرے دل کی گہرائیوں میں پیدا ہوتی ہیں تیری مدبھری جھنجھناہٹ خوابیدہ روح کو جگا دیتی ہے اور مطلع حیات کو کچھ دیر کے لئے ہر قسم کے تفکرات سے پاک کر دیتی ہے کاش! تیری مقدس اور لطیف آواز میرے لئے وجہ تسکین بنی رہے میری روح کو ہمیشہ بیدار رکھے متبسم اور رقصاں

☆☆☆☆☆

مسرت سے

مجھے سینکڑوں بار کسی معمولی سے واقعہ پر دھوکا ہوا کہ شاید تجھے مجھ پر ترس آ گیا تو مجھے مل گئی ہے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ساتھ دینے پر آمادہ ہے۔

لیکن آہ! خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا۔ تو تو اب بھی مجھ سے اتنی ہی دور ہے جیسے کسی بچے سے قوس قزح۔

اور میرے خواب! میرے سنہرے خواب شرمندہ تعبیر جیسے چاند کی کرن بادلوں میں کھو جاتی ہے یا پانی کی لہر مچل کر مٹ جاتی ہے۔

بعض مرتبہ میرا افسردہ دل خود بخود مطمئن ہو جاتا اسے کھوئی ہوئی طمانیت مل جاتی اور روحانی خوشی اور میں اس خیال میں کھو جاتی کہ شاید تو مجھے دنیا کے تفکرات سے چھڑانے آئی ہے۔

لیکن آہ! یہ اطمینان ایسا برق آسا ہوتا کہ میری آرزوئیں خاک میں مل کر رہ جاتیں امیدیں مایوسی میں تبدیل ہو جاتیں اور پر نشاط لمحوں پر بڑھتی ہوئی اداسی کا غلبہ ہو جاتا۔

میں تجھے ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک گئی لیکن آہ! آج تک تیرے گرد پا کو بھی نہیں پہنچ سکی اور میری ہر سعی ناکام ہو کر رہ گئی۔

باد سحر کے خوشگوار جھونکوں میں نغموں کی معصومیت میں اور شبنم کی نزاکت میں تجھے ڈھونڈا لیکن بے سود۔

لڑکھڑاتی ہوئی کرنوں میں متبسم لبوں پر اور لمحات خوش آئند میں تیری تلاش کی پر آہ! تو تو وہاں بھی نہیں تھی۔

میری امیدوں کے آسمان کی سطح پر ایک ستارہ بھی چمکتا نظر نہیں آتا۔

مسرت! آہ میں تجھے کیونکر پاؤں تیرے حسین چہرے کی جھلک کیونکر دیکھوں؟

☆☆☆☆☆

سنسناہٹ

رات تاریک ہے! کسی کے سوئے ہوئے نصیب کی طرح تاریک! ہر طرف اک سنسناہٹ طاری ہے لرزہ خیز اور روح کو کپکپا دینے والی سنسناہٹ۔

کبھی کبھی درخت سرد ہوا سے کانپنے لگتے ہیں یا نیلا آسمان اوپر سے جھانک لیتا ہے۔

اور یہ سنسناہٹ ظلمت بداماں سنسناہٹ جو دم بدم بڑھتی ہی جاتی ہے میرا دل خود بخود متفکر ہو رہا ہے کسی غیر معمولی بوجھ تلے دبا جاتا ہے اور روح رنج والم کی گہرائیوں میں تیر رہی ہے جیسے کسی طلسمی اثر سے مرجھائی جا رہی ہو۔

جاڑے کی افسردہ و خاموش رات ہے پھول سردی سے بے جان ہو چکے ہیں اور سوکھی ہوئی ٹہنیاں بہار کا ماتم کر رہی ہیں۔

اس پر یہ سنسناہٹ! کسی جناتی سایہ کی طرح رقصاں سنسناہٹ

صنوبر اور دیوار کے درخت چپ چاپ کھڑے ہیں ہر طرف خاموشی و تاریکی کی حکمرانی ہے کبھی کبھی پہاڑی کے دامن میں الو کی آواز آجاتی ہے اف! اس کی یہ منحوس اور ڈراؤنی آواز!

جو سنسناہٹ کو پہلے سے بھی زیادہ سنسان کر دیتی ہے فضا میں تہلکہ مچ جاتا ہے اور روح پر خوف و ہراس طاری ہو جاتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اہرمن و شیطان مل مل کر آہ و زاری کر رہے ہوں، ماحول کو اور بھی وحشت ناک اور رات کی ساعتوں کو تاریک تر بنا رہے ہوں۔

☆☆☆☆☆

پژمردگی

بہار کا پر کیف اور روح پرور موسم آ پہنچا۔ کائنات از سر نو زندہ ہو رہی ہے۔ درختوں نے ماتمی لباس اتار پھینکا اور موجیں زریں خواب دیکھنے میں محو ہیں۔

عندلیب خوش آئند آواز میں ملہار گاتی ہے پھول خنداں ہیں اور کلیاں متبسم دہر کا ذرہ ذرہ مسرور ہے اور چپہ چپہ گل پوش۔

شعریت سے لبریز ماحول ہے اور نشاط آفریں مناظر! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زمین و آسمان مل کر ایک شعر بن گئے ہیں۔

لیکن ایک افسردہ دل کے لئے بہار کی خوشگوار ہوائیں اور خوشبو میں ڈوبی ہوئی فضائیں بھی ویسے ہی ہیں جیسے خزاں کا بھیانک ماحول اور روح کو خاکستر دینے والے جھونکے۔

اس کے لئے پرسرور نغمے بھی غم آلودہ نوحوں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔ حسین و کیف آگیں شب چہار دہم ہے۔ کائنات ایک بقعہ نور بن رہی ہے۔ چرغ نیلوفری پر ستاروں کی کانپتی ہوئی تنویر ہے اور دہر کسی بت گر کے خواب کی تعبیر۔

کبھی کبھی فرحت بیز ہوا پتوں کو سرسرا دیتی ہے یا آبشار کے سریلے نغمے روح پر وجد طاری کرتے ہیں۔

لیکن وہ پژمردہ ہستی جس کے لئے دہر میں کوئی دلچسپی ہی نہ رہی ہو۔ شب ماہ کو بھی شب سے زیادہ وقعت نہیں دیتی۔ ماہتابی شعاعیں اس کے دل کی گہرائیوں کو روشن کرنے سے معذور ہیں اور ستاروں کی شوخ نگاہیں اس کی افسردگی زائل کرنے سے مجبور!

☆☆☆☆☆

میں نہیں جانتی

میں نہیں جانتی! کہ وہ گمشدہ شے کیا ہے۔ وہ کھوئی ہوئی آرزو کون سی ہے؟ جس کی پیہم جستجو میرے قلب حزیں کو بے قرار کر رہی ہے نا معلوم بے چینیوں میں مبتلا کئے ہوئے ہے۔

اس نا معلوم شے کو روش روش تلاش کیا لیکن بیسیوں مرتبہ کائنات کے ذرہ ذرہ میں ڈھونڈا اور چپہ چپہ چھان مارا اگر وہ آج تک نہیں ملی۔

بلبل کے نغموں، نوشگفتہ غنچوں کی مسکراہٹ ستاروں کی شوخی اور باد سحر کے جھونکوں میں اسے بار بار تلاش کیا مگر لاحاصل! آہ! یہ تو محض ایک سعی ناکام تھی!

طلوع آفتاب کی زریں کرنیں اس کا پتا نہ دے سکیں وہ تو رات کی تاریکی میں بھی نہ تھی اور نہ ہی حسین چاندنی میں موسیقی سے معمور سکون میں اسے پانے سے معذور رہی۔

تو مالک! وہ نا معلوم سی شے کیا ہے اور کہاں ہے؟ جس کے نہ ہونے کا مجھے اس قدر احساس ہے وہ بربط دل کا چھینا ہوا نغمہ! جس نے روح کے تاروں کو ساکت کر دیا اور افسردہ۔

اور یہ آرزو! جو میرے دل و دماغ کو پریشان کئے ہوئے ہے میں اس سے نا واقف ہوں۔ قطعی ناواقف!

خالق! یہ کیسی بے پایاں خلش ہے جس نے میری روح کو اس طرح بے قرار کر دیا جیسے پرسکوت ساز کے سینہ میں کوئی نغمہ متلاطم ہو۔

مجھے تو اسی چیز کی تلاش ہے اسی آرزو کے بر آنے کی تمنا ہے اور اسی غیر مرئی شے کا تجسس! جسے میں نہیں جانتی جس کا وجود میں بھی شک ہے اور حقیقت و صداقت کا یقین نہیں۔

☆☆☆☆☆

فرشتہ

لوگ کہتے ہیں کہ آسمانی بلندیوں پر فرشتے آباد ہیں۔ کلیوں سے بڑھ کر معصوم پھولوں سے زیادہ حسین اور قوس وقزاح سے کہیں خوش رنگ پروں والے فرشتے! جو عالم لایموت کی مقدس فضا کو اپنے پاک وجود سے اور بھی جگمگا دیتے ہیں چرغ نیلوفری کے تقدس مآب ماحول کو ایک قدسی رنگ میں رنگ دیتے ہیں۔

لیکن ان فرشتوں جیسی پاکیزگی ایک اور شے میں بھی ہے جس میں کلیوں کی معصومیت اور پھولوں کا حسن ہے اور قوس وقزح کی سی دل فریبی

یہ ہستی قدرت کی اکرار فاقہ ہے اور بہترین عطیہ! صانع قدرت کی قابل تعریف صناعی ہے اور مصور فطرت کی سب سے اچھی تصویر۔

یہ بچہ ہے جو انسانی آرزوؤں کی شاندار تعبیر بن کر آتا ہے اور نا امیدی کے کفر سے بچنے کی تلقین یہ لڑکھڑاتا ہوا ننھا فرشتہ! ملائک آسمانی سے کسی صورت سے کم نہیں۔

جب ماہ چہاردہم اپنی پوری طاقت سے جگمگاتا ہے تو ہزاروں نگاہیں اس کا طواف کرنے کو بے تابی سے اٹھ جاتی ہیں اس کا حسن سب کو ششدر کر دیتا ہے اور سادگی مرعوب

مگر چاند کی خوبصورتی بچے میں بھی موجود ہے اور اس کی سادگی بچے کی فطرت میں پوشیدہ پھولوں کو اپنی شگفتگی پر ناز ہے اور باد صبا کو اپنی اٹھکیلیوں پر فخر

لیکن یہ شگفتگی اور یہ خرام تو ایک اور ہستی میں بھی موجود ہے اور مع اپنی تمام وکمال خصوصیات کے لمحہ بہ لمحہ ترقی پذیر۔

قدرت کی تمام رعنائیاں بچے میں مجتمع ہیں اور تمام لطافتیں اس فرشتہ ارض میں موجود۔

☆☆☆☆☆

سوز ناتمام

اس دہر میں سچی خوشی عنقا ہے اور مسرت روحانی نایاب..... میں یہاں کی غیر مطمئن زندگی سے گھبرا گئی ہوں اس کی شورشوں سے تنگ آ چکی ہوں اور بڑھتی ہوئی الجھنوں سے اکتا گئی ہوں۔

یہاں کے لوگ جب مسکراتے ہیں تو ان کی پھیکی ہنسی میں غم کی جھلک نمایاں ہوتی ہے۔ان کی روشن آنکھوں میں افسردگی کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا ہے اور مژمردہ روحیں اور بھی جھکی جھکی جاتی ہیں۔

مالک! میں یہاں کی لامتناہی جدوجہد سے پریشان مجھے سکون کی جستجو ہے سچی اور ابدی خوشی کی تلاش ہے۔

ندی ڈوبتے ہوئے آفتاب کے پیچھے پیچھے بھاگ رہی ہے۔آسمان کے نیلے نیلے سمندر پر ستارے پھولوں کی طرح کھل رہے ہیں اور میری زندگی اک بے رونق صبح کی طرح سوگوار ہے۔خیالات فضاؤں میں آوارہ ہیں اور روح درد کے مضراب سے چور چور! آہ! اس دہر میں مسرت حقیقی عنقا ہے اور ابدی خوشی نایاب! میرا ناتواں جسم، حیات کے تفکرات برداشت کرنے کے ناقابل ہے اور روح رنج والم کی گہرائیوں میں تیرتی ہوئی روح! وہ اس طرح کانپ رہی ہے جیسے کوئی کشتی تیز دھارے پر لرزاں ہو۔

ساعت موت

قافلوں کے اونٹوں کی مدھم صدائے جرس آہستہ آہستہ ختم ہو جاتی ہے۔ دن بھر کے تھکے ماندے میور شام کو آشیانوں کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں اور تیرتے ہوئے جہاز آخر کار ساحل پر آ لگتے ہیں۔

لیکن اے موت! تیری آمد کا کوئی خاص لمحہ مقرر تو وقت پر بھی حاوی ہے۔

بہار کی چمکیلی صبح ہو یا خزاں کی بھیانک دوپہر! تجھے اپنے کام سے کام ہے۔ افسردہ سی سپہر ہو کیا پرسکون شام! حتیٰ کہ شب تاریک بھی تو تیری آمد میں حائل نہیں ہو سکتی۔

برستے ہوئے بادل۔ کائنات کو جل تھل کر رہے ہوں یا تشنہ لب زمین ایک قطرہ آپ کو ترس رہی ہو۔ دہر گل پوش و شادماں ہو یا افسردہ خزاں رسیدہ!

تیرے لئے قسم کی قید نہیں تو تو موسم پر بھی فوقیت رکھتی ہے

سمندر کی پرسکون سطح پر تجھ سے چھٹکارا نہیں نہ ہی پیپل کے سایہ دار درخت کی چھاؤں میں راحت ہے اور میدان کارزار کی تو باگ دوڑ ہی تیرے ہاتھ میں ہے۔

تجھ سے کہیں پناہ نہیں تیری عقاب جیسی آنکھیں کہیں پوشیدہ نہیں رہنے دیتیں اور تیرے دروخوفناک ہاتھ! وہ معانقہ کے لئے ہر وقت تیار ہیں اور ہر لمحہ آمادہ۔

اوراق کیلنڈر

کیلنڈر کا آخری ورق دیوار پر سرسرا رہا ہے ایک اور دن شب یلدا کی تیرگی میں تبدیل ہو جائے۔ پھر یہ بھی ماضی کا ایک بھولا ہوا افسانہ بن جائے گا اور پھر لوٹ کر نہ آنے والا وقت! ہر آنے والی شب عمر فانی کا ایک روز گھٹا دیتی ہے جیسے خزاں کے زرد پتے ٹہنیوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر گر جاتے ہیں۔ غیر مرئی وادیوں میں منتشر ہو جاتے ہیں اور پھر نظر نہیں آتے۔ ہر رات! ایک دن منتظر کائنات سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ کسی دیوانے کی بے معنی چیخ کی طرح! جو فضا میں کھو کر رہ جاتی ہے۔

لیکن ان سے وابستہ واقعات! کیا حساس دل انہیں بھی اس قدر جلد فراموش کر دیتے ہیں کیا وہ صفحہ دل سے بھی اسی طرح محو ہو جاتے ہیں۔

نہ معلوم چوبیس گھنٹوں میں دنیا کہاں سے کہاں پہنچ جاتی ہے اور کیسے کیسے واقعات رونما ہوتے ہیں۔ کئی نئی نئی آرزوئیں پیدا ہوتی ہیں اور کتنی ہی قابل تکمیل کو نہ پہنچ کر دم توڑ دیتی ہیں۔

کتنے ہی ارادے ایسے ہیں جو ساحل مراد تک نہیں پہنچ سکتے اور کتنے ہی ارمان زندہ رہنے کی جدوجہد میں مصروف ہیں۔

معبود! طلوع آفتاب سے وقت غروب تک کتنی تبدیلیاں ہو جاتی ہیں شاخ حیات سے سینکڑوں گل ٹوٹتے ہیں اور بے اندازہ پھوٹتے بھی رہتے ہیں۔ مذاہب مادیت میں بدل جاتے ہیں اور بہار پر خزاں غلبہ پا لیتی ہے۔

کئی منصور دار پر چڑھ جاتے ہیں اور بہت سے سرمد درجہ شہادت کو..... حسین معصومیت کا سکہ دہر پر بٹھا دیتے ہیں اور یزید شکار معصیت ہوتے ہیں نہ معلوم کس قدر خلیل نذر آتش ہو جاتے ہیں اور نمرود بہ کیف کردار رسید! کئی کلیم ساحل تک جا پہنچے ہیں اور فرعون غرق نیل۔

مالک! نہ معلوم کتنی روحیں اک روز جنگ کے دیوتا کی بھینٹ چڑھتی ہیں سسکتے اور

تلملاتے دم توڑ دیتی ہیں اور میدان کارزار مدفن ارمان بن جاتا ہے۔

اوراق کیلنڈر! کوئی چاہے تو انہیں چشم زدن پھاڑ کر پھینک دے نگاہوں سے اوجھل کر دے اور پردہ دنیا سے نہاں۔

لیکن اس کے وقت کو کیا وہ تو اب بھی سبک رفتار فاختہ کی طرح محو پرواز ہے۔ اپنی جانستانیوں سے کائنات کو زیروزبر کر رہا ہے اور بڑھتے ہوئے مظالم کا شکار۔

کیلنڈر کا آخری ورق بھی اب نوچ کر پھینک دیا جائے گا۔ اس کے بعد یہ دن بھی اک بھولا بسرا خواب ہو کر رہ جائے گا۔ ایام گزشتہ کی طرح! جو کفن آفتاب میں لپٹ کر کھو گئے۔ اور اس کے بعد سال نو کا نیا ورق! لیکن اس وقت دنیا کس حال میں ہوگی۔ تقدیر کی اندھی اونٹنی کہاں قیام کرے گی اور وقت! ظالم و بے پروا وقت! کونسی کروٹ لے گا۔

میں بے قراری سے منتظر ہوں کہ دنیا کن معنوں میں سال کا استقبال کرے گی۔ اس وقت کائنات سکون پذیر ہوگی یا شاعر کے دھڑکتے ہوئے دل کی طرح مضطرب۔

سال نو

رات اپنے بہار آفریں سانس بکھیرتی مسلط دہر ہو چکی ہے۔ مرتعش فضا میں نغمات چنگ ورباب تیر رہے ہیں جیسے شفق زاروں میں مصروف پرواز فرشتے کے پر پھڑ پھڑا رہے ہوں۔

بوڑھا وقت، سال نو سے ہم آغوش ہونے کو آگے بڑھ رہا ہے۔

میں بے قرار دل اور آشفتگی سے اس منظر کا مشاہدہ کر رہی ہوں۔ غلامی کی بندشوں میں جکڑی ہوئی روح زار زار ہے اور خیالات فضاؤں میں چکر کاٹ رہے ہیں۔

میری اداس نگاہیں دنیائے تخیل کی سیر کرنے لگتی ہیں جہاں قبل از وقت مرجھائی ہوئی مادر ہند محو گریہ ہے اس کی کنول جیسی آنکھوں سے آنسو گر رہے ہیں کسی ٹوٹی ہوئی مالا کے دانوں کی طرح۔

دہر سے ناتواں جسم اس طرح لرز رہا ہے جیسے تاریکی میں کوئی سایہ کانپ رہا ہو۔

ذرہ ذرہ پر فردوسی جنبش طاری ہے اور آسمان سے باران انبساط جاری۔

لیکن مجھے تو یہ افسوس ہوتا ہے کہ جگمگاتے ہوئے تارے متبسم چاند لرزاں پتے اور قصاں سبزہ .... ہماری گرتی ہوئی حالت کا تمسخر اڑا رہے ہیں .... مادہ کسی چوٹ کھائی ہوئی ناگن کی طرح بے چین ہے اور اس کی روح جو کبھی کوہ وقار تھی اور چٹان کی طرح خوددار۔ اب احساس کے نولوں سے پاش پاش ہو رہی ہے۔

گزرے ہوئے وقت کے قدموں آہٹ مجھے چونکا دیتی ہے دور کہیں سے گھنٹی کی آواز سال نو کا اعلان کر رہی۔ رات کی مشکین نسب شہزادی اس کی پیشوائی کو بڑھ رہی ہے۔ طمانیت قلبی کی لہریں ہیں اور مسرت کا دور دورہ۔

میں اپنے خزاں رسیدہ پتے کانپتے ہوئے لبوں کی پکار سنتی ہوں ..... یہ سال نو ہمارا نیا سال نہیں آتش کدہ غلامی میں سلگنے والوں کی اس سے لطف اندوز ہونے کا سال نہیں۔

سال گزشتہ کا بھولا دہر سے اس طرح غائب ہو چکا ہے جیسے چاند کی کرن پر وہ سحاب میں کھو جائے یا پانی کی کوئی لہر مچل کر مٹ جائے۔

اور میں پر یاس نگاہوں سے آسمان کی طرف تکنے لگتی ہوں جس کی سیاہ سطح پر ستارہ سحر چمک رہا ہے۔

روح سے خطاب

اے میری روح تو کیوں رنجیدہ ہے.....؟

کیا تجھے میری کسی کمزوری کا علم ہے.....؟

تیرے آنسو مجھے تکلیف پہنچاتے ہیں اور مجھے غم کا احساس دلاتے ہیں۔ مجھے اپنی غلطی کا اس وقت تک احساس نہیں ہوتا جب تک کہ تو مجھے نہیں پکارتی۔

میرے پاس تو کچھ بھی نہیں سوائے چند الفاظ کے، الفاظ جو تیرے غم کی ترجمانی کرسکیں۔ تیری تمناؤں کا اظہار کرسکیں۔ اور تیرے خوابوں کا تذکرہ کرسکیں۔

میری روح میری طرف دیکھو۔ میں نے اپنی ساری زندگی تیری تعلیمات کو سننے میں گزار دی ہے۔ غور تو کر میں کن مصائب مبتلا ہوں۔

تیرے دل تخت پر راج کر رہا تھا لیکن اب وہ غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیا گیا ہے۔

کبھی صبر میرا ساتھی تھا لیکن آج وہ میرا دشمن بن چکا ہے۔

کبھی میری جوانی امیدوں کی آماجگاہ تھی لیکن آج تغافل کا شکار ہوگئی ہے۔

میری روح..... کیا تو سرتاپا طلب ہے۔

کیا تو مجھے کچھ بھی نہیں دے سکتی۔

میں نے مسرتیں اپنے اوپر حرام کر لی ہیں اور زندگی کی لطافتوں سے منہ توڑ لیا ہے۔

میں ان راستوں پر بھٹک رہا ہوں جن پر چلنے کا تو نے حکم دیا تھا۔

میرے ساتھ انصاف کر یا پھر موت کو طلب کرتا کہ وہ میری ان تکالیف کا خاتمہ کر دے۔

انصاف تیری سب سے بڑی خوبی ہے تو میرے ساتھ انصاف کر ورنہ مجھے موت کے حوالے کر دے۔

میری روح مجھ پر رحم کر۔

تو نے مجھ پر محبت کا بوجھ رکھ دیا ہے۔ جس کے اٹھانے کی مجھ میں تاب نہیں۔

تو طاقتور ہے..... محبت کی طرح

اور میں کمزور ہوں۔

کیا کمزور اور طاقتور کی یہ جنگ کبھی ختم نہ ہو سکے گی۔

میری روح مجھ پر رحم کر۔

تو نے مجھے وہ تقدیر دکھائی ہے۔ جس تک رسائی میری طاقت سے باہر ہے۔ تو اور تقدیر دونوں پہاڑوں پر جلوہ گر ہیں۔ مصیبت اور میں وادی کی گہرائیوں میں پڑے ہوئے ہیں۔

کیا اس بلندی اور پستی کا اتحاد کبھی ہو سکتا ہے؟

میری روح مجھ پر رحم کر۔

تو نے مجھے حسن کا جلوہ دکھایا تھا۔ لیکن فوراً ہی اسے چھپا لیا۔

تو اور حسن دونوں روشنی میں رہتے ہیں۔

بے کسی اور میں تاریکی کا خاتمہ کر سکے گی؟

میری روح تیری عظمت تک رسائی فنا کے بعد ہی ہو سکتی ہے۔

لیکن میں اس امید کیسہارے کیوں کر زندگی بسر کروں۔ جب تک میں اس زندگی کا اسیر ہوں۔ جب تک میرے جسم میں یہ زندگی موجود ہے۔

میری روح یہ سوال میرے لئے سخت پریشان کن ہے۔

تجھے بقاء کی طرف پہنچنے کی جلدی ہے۔

لیکن میرا یہ جسم آہستہ آہستہ تباہی کی طرف جا رہا ہے تو اس کا انتظار نہیں کر سکتی۔

اور وہ تیز نہیں چل سکتا۔

یہی تو ہے میرا سب سے بڑا المیہ کہ

تو آسمانی کشش کے سہارے بلندیوں پر پہنچتی جارہی ہے۔ اور میں زمین کی کشش میں پھنس کر زمین پر گر چکا ہوں۔

تو مجھے نہیں اٹھا سکتی میں تجھ تک خود نہیں پہنچ سکتا

میری روح تکلیف دہ بات تو یہی ہے۔

تو عقل و دانش کی دولت سے مالا مال ہے۔

لیکن میں فہم و شعور کی قوت سے بھی محروم ہوں۔

تو مجھ پر توجہ نہیں دے سکتی۔ اس لئے میں تیری ہدایت پر کام نہیں کر سکتا۔

میری روح میری پریشانی کی وجہ یہی ہے۔

رات کے سناٹے میں تو اپنے محبوب کے پاس آتی ہے کہ اس کے قرب کی لذت حاصل ہو۔

لیکن میرا نحیف و نزار جسم کشتہ امید و بیم بنا رہتا ہے۔

یہ بات اے میری روح سخت تکلیف دہ ہے۔

میری روح مجھ پر رحم کر۔

یہ دنیا ہماری

اے گم شدہ روحوں کے خدا تو جو خود دیوتاؤں میں کھویا ہوا ہے۔ میری آواز سن۔
ہاں ہماری پاگل آوارہ روحوں کی نگرانی کرنے والے میرے الفاظ پر توجہ صرف کر

-

میں ایک نامکمل ہستی ہوں لیکن ایک کامل قوم سے تعلق رکھتا ہوں۔
میں انسانیت کے منتشر عناصر کا مجموعہ ہوں۔ میں ایک ایسی کامل دنیا میں رہتا ہوں جس کے قوانین اور ضابطے مکمل اور جن کے تصورات دائرہ تحریر میں آسکتے ہیں۔

اے مالک انکی نیکیاں گنی ہوئی اور گناہ تلے ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ لاتعداد ایسی چیزیں جو شام کے دھندلے میں گناہ اور ثواب سے ماورا ہیں۔ شائع اور درج کی جاتی ہیں۔

یہاں رات کے چال چلن موسمی تغیرات میں تقسیم کیے جاتے ہیں اور انہیں خوب جانچ تول کر کڑے اصولوں کی زنجیر میں جکڑا جاتا ہے۔

کھانا پینا، ستر پوشی، دوسرے کام کرنا..... کھیلنا گانا ناچنا اور گھڑیال بجتے ہی چپ چاپ سو جانا۔

صرف ایک مقرر رشدت کے ساتھ غور و فکر کرنا افق کے ایک خاص ستارہ کے طلوع ہونے پر غور و فکر کا سلسلہ بند کر دینا۔

ایک زیر لب تبسم کے ساتھ اپنے پڑوسی کو لوٹ لینا۔ ہاتھ کو شان سے ہلا کر خیرات کرنا، کسی کی جان بوجھ کر تعریف کرنا دوسروں پر انتہائی چالاکی سے الزام عائد کرنا، کسی شخص کی زندگی کو ایک ہی لفظ میں بتا دینا اور جب دن بھر کا کام ختم ہو جائے تو نہایت عیاری سے ہاتھ دھو لینا۔

ایک مضبوط ارادے کے ساتھ محبت کرنا۔ ہوشیاری سے کسی کو خوش کرنا۔ بن ٹھن

کر خدا کی عبادت کرنا۔ تپاک سے شیطان کے ساتھ اتحاد کرنا اور پھر سب کچھ بھول جانا۔

سوچ سمجھ کر کسی چیز کی تمنا کرنا۔ خندہ پیشانی سے ملول ہو جانا اور پیالہ خالی کر دینا کہ اسے کل پھر بھرا جائے۔

اے خدا یہ تمام چیزیں پہلے ہی سے سوچی ہوئی ہوتی ہیں۔ بڑی احتیاط کے ساتھ پیدا کی جاتی ہیں اور بڑے اہتمام سے ان کی نگہداشت کی جاتی ہے۔ حکومت کے قوانین کی آڑ میں ان کا تحفظ ہوتا ہے۔ مختلف ذرائع سے پاسبانی کی جاتی ہے اور آخر کار طے شدہ طریقے کے مطابق انہیں ذبح کر کے دفن کر دیا جاتا ہے۔ اور ان کی خاموشی قبروں پر بھی جو انسانی دل میں جاگیریں ہوتی ہیں، نشان لگا دیئے جاتے ہیں۔

اے خدا یہ ہے ہماری کائنات، ہماری متمدن اور مہذب دنیا جو عجائبات سے بھری ہوئی ہے۔

یہ قادر مطلق کے باغ کا پختہ ثمر ..... اور اس کی بہترین تمنا۔

مگر اے خدا میں یہاں کیوں ہوں.....

میں جو ناکام خواہشوں کا ناقص بیج ہوں۔

ایک آوارہ طوفان ہوں۔

ایک ٹوٹے پھوٹے سیارے کا ٹکڑا جو ہواؤں میں پریشان ہے اور جو نہ مشرق کی تلاش کرتا ہے اور نہ مغرب کو۔

اے گمشدہ روحوں کے خدا ..... تو جو دیوتاؤں کے ہجوم میں گم ہے، بتا میں یہاں کیوں ہوں۔

شاعر کی موت

رات اپنے تاریک بازو کائنات پر پھیلا چکی تھی۔ فضا پر سناٹا تھا۔ برف گر رہی تھی ۔لوگ اپنے مکانوں محلوں اور جھونپڑیوں میں گھسے ہوئے تھے۔ راستے ویران اور سڑکیں سنسان تھیں۔

شہر سے باہر ایک تواحی بستی میں دوسرے مکانات سے الگ ایک ٹوٹی پھوٹی جھونپڑی میں ایک نوجوان اپنی زندگی کے آخری سانس لے رہا تھا۔ اس کے قریب ہی طاق پر ایک کڑوے تیل کا ایک دیا ٹمٹما رہا تھا۔ جیسے وہ اپنے مالک کی حالت کا آئینہ دار ہو۔

یہ نوجوان شاعر تھا۔ جس نے مختصر سی زندگی میں بہت سے تجربات حاصل کر لئے تھے۔ یہ نوعمر انسان یہ محسوس کر چکا تھا کہ وہ وقت دور نہیں جبکہ وہ زندگی کے آرام و مصائب سے آزاد ہو جائے گا۔ وہ موت کا اس طرح منتظر تھا جیسے موت اس پر کوئی احسان کرنے والی ہے۔ اس کے زرد چہرہ پر امید کی جھلک تھی۔ اس کے ہونٹوں پر ایک یاس انگیز مسکراہٹ تھی اور اس کی آنکھوں سے صبر اور سکون ظاہر ہو رہا تھا جیسے اسے دنیا سے کوئی شکایت نہ ہو۔

وہ ایک شاعر تھا جو دولت مندوں کے اس عظیم شہر میں فاقہ کشی کی موت مر رہا تھا۔ وہ اس مادی دنیا میں اس لئے آیا تھا کہ اس انسان کے دل میں اپنے روح پرور نغموں سے زندگی کی امنگ اور آگے بڑھنے کا حوصلہ پیدا کرے۔ اس کی روح عظیم تھی شعور کی دیوی نے اسے دنیا میں بھیجا تھا تا کہ وہ انسان کی روح اور اس کے باطن کو منور کرے۔ انسان کے قلب کو گندگی سے پاک کرے۔ لیکن آہ وہ اس خودغرض دنیا سے واپس جا رہا تھا۔ اس دنیا کو الوداع کہہ رہا تھا۔ مگر اسے الوداع کہنے والا کوئی نہ تھا۔ اس دنیا کے خودغرض لوگوں سے اسے ایک مسکراہٹ بھی نہ مل سکتی تھی۔

وہ مر رہا تھا۔ کڑوے تیل کے چھوٹے سے چراغ کے علاوہ اس کے پاس اور کوئی

نہ تھا۔ وہ اکیلا تھا، تنہا..... وہ رو رہا تھا۔ اس کے سرہانے کوئی نہ تھا۔ اردگرد بھی کوئی نہ تھا۔ سوائے کاغذ کے چند ٹکڑوں کے جن پر اس کا پیغام لکھا ہوا تھا۔ جب اس کے جسم میں بالکل طاقت نہ رہی تو اس نے اپنا ایک ہاتھ بڑی مشکل سے سیدھا کیا اور اوپر اٹھا لیا اور جھونپڑی کی چھت کی طرح مایوس نظروں سے دیکھنے لگا جیسے اس کی آنکھیں چھت سے پار بادلوں سے آنکھ مچولی کرتے ہوئے ستاروں کو دیکھنا چاہتی ہوں۔

پھر وہ کمزور آواز میں بڑبڑایا۔

آ..... اے حسین موت ..... اے پیاری موت آجا۔ میری روح تیری منتظر ہے۔ ادھر آ..... میرے قریب آجاؤ اور زندگی کی ان زنجیروں کو توڑ کر پھینک دو۔ جن کی بندش اور جن کے بوجھ سے میں تھک چکا ہوں۔ آ پیاری موت..... آجا اور مجھے میرے پڑوسیوں سے علیحدہ کر دے۔ جو مجھے پاگل اور دیوانہ سمجھتے ہیں اس لئے کہ میں ان کو فطرت کا پیغام سناتا ہوں۔ جلدی کر۔ انہوں نے محض اس لئے مجھے تاریکی میں دھکیل دیا کہ میں غریب اور کمزور پر رحم کرتا ہوں جبکہ یہ سرمایہ پرست چاہتے ہیں کہ ان کمزوروں کو زیادہ سے زیادہ ستایا جائے۔

آ..... اے فیاض موت! مجھے اپنے بازوؤں میں چھپا لے۔ اس لئے کہ میرے ساتھیوں کو میری ضرورت نہیں۔ آ، اے موت مجھے گلے لگا لے۔ آ اے پیاری موت! میرے ان ہونٹوں کو اپنے ہونٹوں سے چوم لے۔ جنہیں ماں کے ہونٹوں کا لمس حاصل نہ ہو سکا۔ جنہوں نے کسی حسین پیشانی کو بوسہ نہیں دیا جو کسی محبوبہ کی انگلی کی حرارت سے نا آشنا ہیں۔ اے پیاری موت آجا مجھے اپنے ساتھ لے چل۔

اس وقت مرنے والے شاعر کے سرانے ایک فرشتہ نظر آیا جو غیر معمولی حس

کا مالک تھا۔ اس کے ہاتھوں میں حسین للّی کے پھولوں کا حسین ہار تھا۔

فرشتہ نے شاعر کو اپنی آغوش میں لے لیا اور اس کی آنکھیں بند کر دیں تا کہ وہ اس مادی دنیا کو زیادہ نہ دیکھ سکے۔ جو کچھ دیکھے صرف روح کی آنکھوں سے فرشتے نے اس کے ہونٹوں کا ایک طویل بوسہ لیا جس نے اس کے ہونٹوں کو غیر فانی مسکراہٹ بخش دی۔

اور پھر وہ جھونپڑی ہمیشہ کے لئے خالی ہو گی اور وہاں کاغذ کے چند ٹکڑوں کے سوا جن پر شاعر نے اپنا آخری پیغام لکھا تھا کچھ بھی باقی نہ رہا۔

دن گزرتے رہے۔

سینکڑوں برس بعد جب اس شہر کے لوگ ناقدردانی، جہالت اور ناواقفیت کی تکلیف دہ نیند سے بیدار ہوئے انہوں نے شہر کے سب سے خوبصورت باغ میں اس شاعر کا مجسمہ نصب کیا۔ اس کے نام پر عمارات بنائی گئیں۔ ادارے کھولے گئے اور لوگ ہر سال دھوم دھام سے اس شاعر کی برسی منانے لگے۔ جس کے پیغام نے انہیں آزادی علم اور عرفان کی دولت سے مالا مال کیا تھا۔

آہ انسان کی ناواقفیت کتنی ظالم ہے۔

دو بچے

شاہی محل کے سامنے ہزاروں آدمی جمع تھے۔ ان کی نگاہیں محل کی بالکنی کی طرف متوجہ تھیں چہروں سے غیر معمولی مسرت ظاہر ہو رہی تھی۔

نقارے پر چوب پڑی۔ مجمع میں ہلچل مچ گئی۔ ہر شخص اچانک اچک کر بالکنی کی طرف دیکھنے لگا۔

پھر چوب داروں کی گرجدار آوازیں سنائی دینے لگیں۔ وہ بادشاہ ظل اللہ عالم پناہ کے جلوہ نما ہونے کا اعلان کر رہے تھے۔ ہر شخص اپنی اپنی جگہ جم کر کھڑا ہو گیا۔ بالکل ساکت۔

بالکنی کے نصف حصہ میں جو پردہ پڑا ہوا تھا اسے حرکت ہوئی پھر چوبدار آگے بڑھے۔ انہوں نے پردہ اٹھایا۔

بادشاہ سلامت زندہ باد کے نعرے بلند ہوئے۔ بادشاہ سلامت مسکراتے ہوئے آگے بڑھے۔ بالکنی کے اوپر آ کر انہوں نے مسکراتے ہوئے عوام کے اس ہجوم پر نظر ڈالی۔ پھر ہاتھ کے اشارے سے سب کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ سب لوگ اپنی اپنی جگہ ساکت و جامد حالت کھڑے ہو گئے۔

بادشاہ سلامت مجمع سے مخاطب تھے۔

میری عزیز رعایا!!

ولی عہد کی پیدائش کے مبارک موقع پر میں آپ کو اور اس خوش نصیب ملک کو مبارک باد دیتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ میرا بچہ میرے عظیم خاندان کا نام روشن کرے گا۔ میرا خاندان ایک عظیم خاندان ہے۔ میرے خاندان نے ماضی میں معتدر ذی قدر عالی مرتبت حکمران پیدا کئے ہیں۔

میرا بچہ ماضی کی عظیم روایا تکا علمبردار ہو گا اور اپنے بزرگوں کے نقش پدم پر چل کر خاندان کی صدیوں پرانی روایات کی آبیاری کرے گا۔ اس بچہ سے اس ملک کا

مستقبل وابستہ ہے۔ اس لئے اے میری عزیز رعایا! جاؤ اور مسرت بھرے گیت گاؤ۔

بادشاہ سلامت واپس چلے گئے اور عوام خوشی کے نعرے بلند کرتے اور مسرت بھرے گیت گاتے ہوئے واپس ہوئے۔ بڑی دیر تک محل والوں کے کانوں میں ان کے مسرت بھرے گیتوں کی آواز آتی رہی۔ وہ اس نئے آمر کا استقبال کر رہے تھے۔ جو آگے چل کر ان کی گردن پر رکھے ہوئے جوئے کی نگرانی کرے گا۔ وہ کمزوروں پر زیادہ سختی کرے گا۔ ان کی کمزوری سے ناجائز فائدہ اٹھائے گا۔ ان کی روح کو کچل دے گا۔ اپنے اس شاندار ماضی کا استقبال کرنے کے لئے وہ لوگ مسرت بھرے گیت گا رہے تھے اور نئے حکمران کی صحت کے لئے جام پر جام نوش کر رہے تھے۔

ٹھیک اسی وقت اس شہر میں ایک بچہ عالم وجود میں آیا۔ اس وقت جبکہ لوگ ولی عہد کی پیدائش کی خوشی میں گیت گا رہے تھے اور آسمان پر فرشتے ان کی کم عقلی کا ماتم رہے تھے۔ ایک پرانے ویران کھنڈر میں ایک بیمار اور نحیف ونزار عورت انتہائی مایوسی کے عالم میں اپنے ننھے منے بچہ کی طرف دیکھ رہی تھی۔ جس نے اس دنیا میں ابھی چند ہی سانسیں لی تھیں۔ یہ عورت سخت بیمار تھی اور کئی دن سے بھوکی تھی۔

دنیا اسے نظر انداز کر چکی تھی۔ سب اسے بھول گئے تھے۔ بادشاہ نے ابھی کچھ دن پہلے کسی ملک پر حملہ کیا تھا۔ اس عورت کے شوہر کو بھی جنگ میں شریک کیا گیا تھا اور ایک اجنبی دشمن کی تلوار نے اس کا پیارا شوہر ہمیشہ کے لئے اس سے جدا کر دیا۔ اب وہ تنہا تھی۔ دنیا اسے بھول چکی تھی۔ اس لئے قدرت نے اسے ایک ننھا منا سا تھ دے دیا تھا تا کہ یہ بچہ اسے روٹی کے لئے کام کرنے سے بھی چند دن کے لئے روک دے

۔

جب ہجوم کے گانے کی آوازیں آنی بند ہو گئیں، بدنصیب عورت نے بچہ کو اپنے کمزور بازوؤں پر اٹھالیا۔ اس کے چہرہ کو دیکھنے لگی۔ پھر ایک دم رونے لگی جیسے وہ

اپنے آنسوؤں سے دھوکر بچہ کو پاک صاف کرنا چاہتی ہو۔ پھر بھوک کی وجہ سے مردہ آواز میں بچہ سے مخاطب ہوئی۔

''تو اپنا آسمانی گھر چھوڑ کر میری بدنصیبی میں شریک ہونے کے لئے کیوں آ گیا۔ تو نے مقدس ماحول کو ترک کر دیا تو فرشتوں کا ساتھ چھوڑ کر انسانوں کی ایک مصیبت زدہ زمین پر کیوں آ گیا۔ سازمین پر جہاں تکلیف ہے، مصیبت ہے، درد ہے، ظلم ہے۔ جہاں کوئی کسی پر رحم نہیں کرتا۔ جہاں سب لوگ خودغرض اور بے رحم ہیں۔ میں آنسوؤں کے سوا تجھے کچھ نہیں دے سکتی۔ کیا دودھ کی بجائے آنسوؤں سے تیری پرورش ہو سکے گی۔ میرے اس تجھے پہنانے کے لئے کپڑے نہیں۔ کیا میرے ننگے اور سردی سے ٹھٹھرتے ہوئے بازو تجھے گرمی پہنچا سکیں گے؟

ننھے ننھے جانور دن بھر میدانوں میں چرتے ہیں اور رات کو اپنے تھان پر مزے کی نیند سو جاتے ہیں۔ ننھی ننھی چڑیاں دن بھر دانے چگتی ہیں اور رات کو درختوں کی شاخوں میں اطمینان سے بسیرا کر لیتی ہیں۔ لیکن میرے لال میرے جگر کے ٹکڑے بتا۔ میرے پاس تیرے لئے کیا ہے۔ سا ننگے سردی سے ٹھٹھرتے ہوئے بیمار اور کمزور جسم کے سوا۔

پھر اچانک اس نے اپنے بچے کو اپنے خشک اور پچکے ہوئے سینہ سے چمٹا لیا اور اس طرح بھینچنے لگی جیسے کہ وہ اپنے اور اس کے جسم کو بالکل اسی طرح ایک کر دینا چاہتی ہو جس طرح وہ اب سے تھوڑی دیر پہلے تھے۔

پھر اس نے اپنی بخار سے جلتی آنکھیں کھولیں آسمان کی طرف اور بڑبڑائی۔

''میرے مالک میرے بدنصیب ملک پر رحم کر۔''

فوراً ہی گہرے سیاہ بادل چاند کے چہرے سے ہٹ گئے۔ چاند کی کرنیں اس کھنڈر پر بھی پڑنے لگیں۔ جہاں دو لاشیں ایک دوسرے سے چمٹی ہوئی تھیں۔

سننے والے

اے ہوا کبھی تو ہمارے نزدیک سے ہلکے پھلکے میٹھے سروں میں گاتی ہوئی گزرتی ہے اور کبھی آہیں بھرتی ہوا اور روتی ہوئی۔ ہم تیری آوازیں سنتے ہیں لیکن تمہیں دیکھ نہیں سکتے۔ ہم لمس کو محسوس کرتے ہیں مگر تیری شکل و شباہت سے قطعاً ناواقف ہیں۔ تم محبت کے اس سمندر کی طرح ہو جو ہماری روحوں کو اپنے اندر سمیٹ لیتا ہے لیکن انہیں ڈوبنے کبھی نہیں دیتا۔

تم پہاڑوں کی چوٹیوں کی تھی سیر کرتی ہو اور وادیوں میں بھی گھومتی پھرتی ہو۔ کھیتوں اور چراگاہوں میں تمہارا دور دورہ ہے۔ تمہاری پرواز میں قوت ہے اور تمہارے نزول میں آہستگی اور نزاکت ہے اور تمہارے انتشار میں بھی حسن ہ۔ تم اس رحم دل بادشاہ کی طرح ہو جو مظلوموں پر لطف و کرم کی نظر رکھتا ہو اور گستاخوں اور باغیوں کے لئے سخت دل ہو۔

موسم خزاں میں جب تم وادیوں میں آہیں بھرتی پھرتی ہو تو تمام درخت تمہارے نزول میں آہستگی اور نزاکت تمہارے انتشار میں بھی سن ہے۔ تم اس رحم دل بادشاہ کی طرح ہو جو مظلوموں پر لطف و کرم کی نظر رکھتا ہو اور گستاخوں اور باغیوں کے لئے سخت دل ہو۔

موسم خزاں میں جب تم وادیوں میں آہیں بھرتی پھرتی ہو تو تمام درخت تمہارے صدائے بازگشت بن جاتے ہیں۔ موسم سرما میں جب بالکل باغی ہو جاتی ہو تو سارا نظام فطرت تمارے ساتھ مل کر بغاوت کر دیتا ہے۔

موسم گرما میں تم نیند سے بیدار ہوتی ہو اور تمہاری بیداری سے تمام باغ دراغ جاگ اٹھتے ہیں۔ موسم گرما میں تم خاموشی کے پردے کے پیچھے چھپ جاتی ہو اور تمہارے سکوت سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ سورج اور اس کی گرمی کے تیزوں نے تمہیں موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔

خزاں کے موسم میں واقعی آہیں بھرتی ہو یا برہنہ درختوں کا مذاق اڑائی ہو کا ور سرما میں کیا تم واقعی ناراض ہو جاتی ہو یا برف سے ڈھکی ہوئی راتوں میں محو رقص ہو۔

اور موسم بہار میں تم واقعی مضمحل اور کمزور ہو جاتی ہو۔ پھر ان موسموں میں جوانی میں بچھڑے اپنے محبوب کی یاد میں افسردہ دل ہو جاتی ہو؟

موسم سرما میں کیا تم واقعی مر جاتی ہو یا پھلوں کے دل میں۔ انگوروں کی آنکھوں میں یا گندم کے خوشوں میں محو خواب ہو جاتی ہو؟

تم شہر کی گلیوں میں چکر لگا کر بیماریوں کے جراثیموں کو کہیں دور لے جاتی ہو۔ پہاڑیوں کی جوٹیوں سے تم پھولوں کی خوشبوؤں سے لدی ہوئی آتی ہو۔ اس طرح عظیم روح جو زندگی کی صعوبتوں کو برداشت کرتی ہے بالآ ایک دن مسرت سے بھی ہمکنار ہو جاتی ہے۔

تم گلاب کے پاس کھڑی ہو کر سرگوشیاں کرتی ہو جو وہ سمجھتا ہے۔ وہ اکثر ان سے تکلیف محسوس کرتا ہے لیکن بعد میں مسرت سے بھی لذت آشنا ہوتا ہے۔ انسانی روح کا بھی یہی حال ہے۔

کبھی تم ٹھہر جاتی ہو اور کبھی ادھر ادھر ٹہلنے لگتی ہو۔ انسان کے ذہن کا بھی یہی حال ہے جب تک وہ کام کرتا ہے زندہ رہتا ہے جس وقت کام کرنا چھوڑ دیتا ہے مر جاتا ہے۔

تم اپنے نغمے پانی کی سطح پر لکھتی ہو اور پھر انہیں مٹا دیتی ہو۔ شاعر بھی جب کوئی تخلیقی کام کرتا ہے تو وہ بھی اسی طرح کرتا ہے۔

مغرب کی طرف سے تم محبت کی طرح گرم آتی ہو اور شمال کی طرف سے تم موت کی طرح سرد آتی ہو۔ مشرق کی طرف سے تم روح کے لمس طرح نرم و نازک محسوس ہوتی ہو۔ کیا تم وقت کی طرح تلوان المزاج اور تغیر پذیر ہو یا پھر کیا تم کرہ ارض کے چاروں کونوں میں پیغام رسانی کرتی ہو۔

تم صحراؤں میں شدید غصے کا اظہار کرتی ہے۔ معصوم اور بیگناہ کاروانوں کو اپنے

پاؤں تلے روندکر ریت کے پہاڑوں تلے انہیں دفن کر دیتی ہو۔ کیا تم وہی ہلکی پھلکی یا دنسیم ہو جو آمد سحر کے وقت کانپتی ہوا ور پتوں، شاخوں اور وادیوں میں جہاں پھول اس کے استقبال کے لئے چھلکتے ہیں اور گھاس اس کے سانس کے نشے سے جھومتی ہے والوں کی طرح دبے پاؤں سیر کرتی ہو؟

تم ہماری آہوں، ہماری سانسوں اور ہماری مسکراہٹوں کو کدھر لے جاتی ہو؟ تم ہماری روحوں کی متحرک قندیلوں کے ساتھ کیا سلوک کرتی ہو؟ کیا تم انہیں زندگی کے افق سے کہیں پار لے جاتی ہو؟ کیا تم انہیں کسی تاریک غار کی قربان گاہ میں لے جا کر موت کے گھاٹ اتار دیتی ہو۔

رات کے سکوت میں دل اپنے تمام اسرار تمہارے سامنے کھول دیتا ہے۔ صبح کے وقت تمہارا نرم و نازک لمس دلوں کو نیند سے بیدار کرتا ہے۔ کیا تمہیں اس امر کی کوئی آگہی ہے کہ دل نے کیا محسوس کیا اور آنکھ نے کیا دیکھا؟

رنج و غم کا مارا دل اپنے افسردہ گیتوں کی ایک یتیم اپنے دل کے ٹکڑوں کی اور ایک مظلوم اپنی آہوں کی صدائے بازگشت تمہارے پروں کے سپرد کر دیتا ہے۔ وطن سے بچھڑے ہوئے اجنبی کی آرزوئیں ہمدردی اور دوستی سے محروم شخص کے دل کا بوجھ اور ایک مجبور عورت کی مایوسیاں اور ناکامیابی سب تیرے دامن میں سمٹ جاتی ہیں۔

کیا تم یہ تمام چیزیں محفوظ رکھتی ہو یا زمین کی طرح سب کچھ اپنے اندر دفن کر لیتی ہو اور خود پیدا کر کے خود ہی نگل جاتی ہو؟

کیا تم آہوں اور چیخوں کی سنتی ہو؟ کیا تمہیں ان آہوں اور سسکیوں کا علم ہے یا پھر تمہاری عادت بھی ان متکبروں کی سی ہے جو اپنے سامنے پھیلے ہوئے ہاتھ نہیں دیکھ سکتے اور نہ ہی غریبوں کی پکار انہیں سنائی دیتی ہے؟

اے تمام سننے والوں کی زندگی؟

کیا تم سنتی ہو؟

دو شہر

ایک دن زندگی مجھے اپنے پروں پر بٹھا کر کوہ جوانی پر لے گئی۔ پھر اس نے مجھے نزدیک بلا کر پیچھے کی طرف دیکھنے کا اشارہ کیا۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو مجھے عجیب و غریب شہر نظر آیا۔ اس شہر سے مختلف رنگوں کا دھواں اٹھ رہا تھا اور آہستہ آہستہ پر چھائیوں کی طرح حرکت کر رہا تھا۔ ایک خفیف سے بادل نے پردہ ڈال کر اس شہر کو میری آنکھوں سے اوجھل کر دیا۔ تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد میں نے زندگی کو مخاطب کر کے کہا۔ ''یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں زندگی۔''

زندگی نے جواب دیا۔ ''یہ ماضی کا شہر ہے اسے اچھی طرح دیکھو اور اس پر غور کرو۔''

میں اس عجیب غریب کو دیکھتا رہا مجھے اس میں بے شمار چیزیں نظر آئیں۔ مجھے اس میں بڑے بڑے ہال نظر آئے جو انسان نے عظیم کاموں کے لئے تعمیر کئے تھے اور اب نیند کے پروں کے نیچے اپنی دیو قامتی کا ثبوت دے رہے تھے، وہاں گفتار کے مندر تھے جن کے اردگرد بیک وقت مایوسی میں چیختی ہوئی وحیں بھی اور امید درجا سے مسرور روحیں بھی دکھائی دیں۔ پھر مجھے وہ معبد بھی دکھائی دیئے جن کو یقین نے تعمیر کیا تھا اور شک اور بے یقینی نے مسمار کر دیا ہوگا ان بادلوں کے پیچھے مجھے بلندی فکر کے مینار بھی دکھائی دیئے جو بھکاریوں کی طرح اپنے بازو پھیلائے ہوئے تھا۔ پھر مجھے حرص و آز کے راستے بھی دکھائی دیئے جو وادیوں میں دریاؤں کی طرح پھیلے ہوئے تھے پھر میری نظر اسرار کے ان گوداموں پر جا پڑی جن پر اخفاء کے سنتری پہرہ دے رہے تھے۔ جن پر کہیں کہیں انکشاف کے چوروں نے نقب زنی کی تھی۔ میں نے ان میناروں کا بھی مشاہدہ کیا جن کو شجاعت نے تعمیر کیا تھا۔ مگر خوف و ہراس نے ان کو ڈھا دیا تھا۔ میں نے خوابوں کے مندروں کو بھی دیکھا جن کو نیند نے سجایا تھا مگر بیداری نے انہیں برباد کر دیا تھا۔ میں نے کمزوری اور ناتوانی کی

جھوپڑیاں بھی دیکھیں اور گوشہ نشینی اور نفس کشی کے معبدوں کا بھی مطالعہ کیا۔ میں نے علم کی درسگارہوں میں حکمت کی شمعیں جلتی دیکھیں اور جہالت و بے علمی کی تاریکیاں بھی دیکھیں۔ میں نے محبت کے میخانے بھی دیکھے۔ جہاں محبت کرنے والے شراب محبت سے سرشار ہوتے تھے۔ ان کے پاس ہی میں نے ان کی کم مائیگی کو بھی دیکھا جو ان پر ہنس رہی تھی۔ میں نے زندگی کا پورا تھیٹر ملاحظہ کیا۔ جہاں زندگی کئی کھیل دکھا چکی تھی جن کو موت نے لاتعداد المیوں میں تبدیل کر دیا تھا۔

یہ ماضی کا شہر ہے جو ہمیں دور دکھائی دیتا ہے لیکن دراصل اتنا دور نہیں۔ یہ شہر گو ہمیں دھندلا سا دکھائی دیتا ہے مگر نظر آتا ہے ہم اسے سیاہ بادلوں کے پردوں کے پیچھے سے ہی دیکھ سکتے ہیں۔

اس کے بعد زندگی نے مجھے ایک دفعہ پھر مخاطب کیا اور کہنے لگی۔ ''اب میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔ ہم نے یہاں بہت توقف کیا ہے.....''

اور میں نے پوچھا۔ ''اے زندگی اب ہم کدھر جا رہے ہیں؟''

زندگی نے جواب۔ ''اب ہم مستقبل کے شہر کی طرف جا رہے ہیں۔''

میں نے کہا۔ ''اے زندگی اب مجھ پر رحم کھاؤ۔۔ میں بالکل تھک گیا ہوں۔ میرے پاؤں زخمی ہو چکے ہیں اور اب آگے چلنے کی مجھ میں ذرا سکت نہیں رہی۔''

لیکن زندگی نے کہا۔ ''اے میرے دوست! قدم بڑھاتے چلو۔ راستے میں پاؤں توڑ کر بیٹھ جانا بزدلی ہے۔ ہمہ وقت ماضی کے شہر کی طرف تکتے رہنا سراسر حماقت ہے۔ دیکھو وہ سامنے مستقبل کا شہر ہے۔ جو ہمیں اپنی طرف بلا رہا ہے.....!!!

میں اور دانائی

رات کے سکوت میں دانائی میرے کمرے میں داخل ہوئی اور میرے سرہانے آ کھڑی ہوگئی۔ وہ ایک شفیق ماں کی طرح تکتی رہی۔ پھر اس ماتا کی ماری نے میرے آنسو پونچھے اور کہنے لگی۔

''میں نے تمہاری روح کی آہیں سن لی ہیں اور میں تمہیں صرف تسلی دینے آئی ہوں۔ اس لئے اب اپنے دل کی دروازوں کو کھول دو تا کہ میں اسے نور سے معمور کردوں۔ تم صرف ایک دفعہ استدکرو میں تمہیں سچائی کی راہ سے آشنا کردوں گی۔''

میں نے اس کے حکم کی تعمیل کی اور پوچھا۔

''اے دانائی اور دانشمندی کی روح مجھے صرف اتنا بتادے کہ میں کون ہوں اور اس حیرت و استعجاب سے بھرپور جہان میں کس طرح آ پہنچا ہے؟ یہ عظیم امیدیں کیا ہیں؟ ان ضخیم کتابوں کے ڈھیروں کی حقیقت کیا ہے؟ اور ان مختلف صورتوں اور شکلوں کی اصلیت کیا ہے؟ اور پھر ان تغمات کا مطلب کیا ہے جن کو ہم اتنی آرزوؤں کے ساتھ منظم کر کے خوشیوں کے ساتھ رقم کرتے ہیں؟ یہ افسردہ اور خش کن نتائج فکر کیا ہیں جو میری روح سے ہم آغوش ہوتے ہیں اور میرے قلب و نظر کا احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ یہ کس کی آنکھیں ہیں جو مجھے تک رہی ہیں اور میری روح کی عمیق ترین گہرائیوں کی چیر کر گزر جاتی ہیں اور بہ ایں ہمہ میرے دکھ درد اور رنج والم سے نا واقف ہیں؟ ان آوزوں کی حقیقت کیا ہے جو میری گزرتی ہوئی زندگی کا ماتم کرتی ہیں؟ اور میرے بچپن کی مسرتوں کے گیت سناتی ہیں؟ اور پھر یہ جوانی کیا ہے جو میری آرزوؤں سے کھیلتی ہے اور میرے مذبات کا مذاق اڑاتی ہے اور کل کو فراموش کر کے آج کی کم مائیگی پر قانع ہے بڑی مستعدی سے مستقبل کے مقابلے کے لئے خود کو مسلح کرتی ہے؟

یہ ہولناک دنیا کیا ہے جو میرے ساتھ گھومتی ہے اور میں نہیں جانتا کہ وہ مجھے کس

اجنبی اور ان دیکھی دنیا کی طرف کھینچے لئے جارہی ہے۔

اس زمین کی حقیقت کیا ہے جو ہمہ وقت حرص و آز کا منہ کھولے ہر چیز کو نگلے جارہی ہے؟ یہ انسان کون ہے جو قسمت کے انعامات پر قانع ہو کر زندگی کے ایک ایک لمحے کو ترستا ہے اور موت اس کے سامنے کھڑی اس کا مذاق اڑاتی ہے؟ اس انسان کی ہستی کیا ہے جو خوشی کا ایک لمحہ زندگی بھر کی توبہ اور پشیمانی کے عوض خرید کرتا ہے اور پھر اپنے خوابوں سمیت ہمیشہ کی نیند سو جاتا ہے اور پھر وہ بھی تو انسان ہی ہے جو جہالت کی لہروں پر سوار ہو کر تاریکیوں اور ظلمتوں کی طرف سرگرم ہے؟

''اے دانائی اس سب باتوں کے اسرار مجھ پر منکشف کردے۔''

یہ سن کر دانائی نے لب کشائی کی اور کہنے لگی۔

''تم انسان دنیا کی ہر چیز تو خدا کی آنکھوں سے دیکھتے ہو لیکن دوسرے جہاں کے اسرار و رموز کو سمجھنے کے لئے انسانی فکر و نظر سے کام لیتے ہو۔ یہ انسان کی جہالت کا کرشمہ ہے۔

تم باہر کھیتوں میں گھوم کر دیکھو کہ شہد کی مکھی حسین و معطر پھولوں پر منڈلا کس طرح شہد جمع کرتی ہے اور باز کس چابکدستی سے اپنا شکار پر جھپٹتا ہے؟ شیر خوار بچے کا مطالعہ کرو اور دیکھو کہ وہ آگ کے شعلوں سے کس طرح مسرور ہوتا ہے اور اس کی ماں گھر کے کام کاج میں مصروف ہوتی ہے۔ تمہارے لئے بہتر ہے کہ تم شہید کی مکھی سے سبق حاصل کرو۔ اپنا وقت باز کی حرکات کے مطالعہ میں ضائع نہ کرو۔ شیر خوار بچے کی طرح گرمی بخشنے والی آگ سے مسرور ہونا سیکھو اور ماں کو گھر کا کام کاج کرنے دو۔ اس عالم رنگ و بو میں جو کچھ تم دیکھتے ہو وہ سب تمہارے لئے تھا اور اب بھی تمہارے لئے ہے۔

یہ ضخیم کتابوں کے ڈھیر، یہ اجنبی صورتیں اور یہ حسین و جمیل خیالات جو تمہارے ارد گرد گھومتے ہیں ان روحوں کی پرچھائیاں ہیں جن کو تم نے پہلے دیکھا ہے اور وہ

الفاظ جو تمہارے لبوں سے ادا ہوتے ہیں اس زنجیر کی کڑیاں ہیں جو تمہیں اور تمہارے بھائیوں کی جکڑ ہوئے ہیں اور وہ افسردہ اور خوش کن نتائج فکر وہ بیج ہیں جو تمہارے ماضی نے تمہاری روحوں کے کھیتوں میں بوئے تھے اور تمہارا مستقبل اس سے نفع اٹھائے گا۔

اور وہ جوانی جو آج تمہاری آرزوؤں سے کھیلتی ہیں۔ گل تمہارے دل کے دروازے کو کھول کر اسے روشنی سے معمور کر دے گی اور زمین جو اپنا منہ کھول کر انسان اور اس کی بنائی چیزوں کو نگل جاتی ہے ہماری روحوں کی جسم کی قید و بند سے نجات بھی تو دیتی ہے۔

اور وہ دنیا جو تمہارے ساتھ گھومتی ہے وہ تمہارا اپنا دل ہے جو بجائے خود ایک دنیا ہے اور انسان جس کو اتنا کمزور اور حقیر سمجھتے ہو وہ خدا کے نور کا پرتو ہے جو اس دنیا میں رنج و غم برداشت کر کے مسرت کی حقیقت سے ہمکنار ہوتا ہے اور جہالت سے جنگ آزما ہو کر علم و فراست حاصل کرتا ہے۔"

"آگے بڑھتے چلو اور کہیں مت رکو۔ تمہارا مقام ہر مقام سے آگے ہے بڑھتے رہنا ہی ترقی ہے اس لئے آگے چلو اور زندگی کے راستے میں پڑے ہوئے کانٹوں اور پتھروں کی قطعاً پرواہ نہ کرو۔"

علم و عقل

جب عقل تمہیں اپنی طرف پکارے تو اس کی بات دھیان سے سنو۔ اس باتیں سن کر اپنے آپ کو پوری طرح مسلح کرلو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عقل سے بڑھ کر کوئی رہنما پیدا نہیں کیا اور نہ عقل سے بڑھ کر کوئی زیادہ موثر ہتھیار ہے جس وقت عقل تمہارے دل کی گہرائیوں سے ہمکلام ہوتی ہے تو وہ تمہیں حرص و آز سے بچالیتی ہے۔ عقل ایک نہایت ہی خوش فکر واعظ ہے۔ ایک باوفا رہبر ہے اور ایک دانشور وکیل ہے۔ عقل تاریکی میں قندیل بن کر تو رافشاں رہتی ہے۔ غم و غصہ تاریکی پھیلاتا ہے۔ اس لئے ہوش سے کام لو اور جذبات کی بجائے ہمیشہ عقل کو چراغ راہ بناؤ۔

لیکن ایک بات نہایت ضروری ہے۔ عقل کے ساتھ علم کا ہونا لازمی امر ہے کیونکہ عقل علم کی مدد کے بغیر کچھ نہیں کرسکتی۔ یہ دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں۔ عقل و علم کے بغیر بالکل ویسی ہے جیسے کوئی مفلس بے گھر پھر رہا ہو اور اسی طرح عقل کے بغیر ایسا ہے جیسے ایک مکان ہو لیکن اس کا کوئی محافظ نہ ہو۔ یہاں تک کہ اگر عقل دستگیری کے لئے مستعد نہ ہو تو محبت انصاف اور نیکی جیسی ارفع اور برتر چیزیں بھی بیکار ہو کر رہ جاتی ہے۔

عقل کے بغیر ایک عالم و فاضل کی حیثیت بالکل اس سپاہی کی سی ہے جو ہتھیاروں کے بغیر میدان جنگ کی طرف چل کھڑا ہو۔ ایسا سپاہی میدان جنگ میں کچھ نہ کر سکے گا اور اس کا غصہ قوم و ملت کی زندگی کو اس طرح تلخ کردے گا جس طرح ایلوے کا ایک دانہ صاف و پاکیزہ پانی کے گھڑے کو کڑوا بنا دیتا ہے۔

عقل و علم جسم اور جان کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جس کے بغیر روح ایک بے جان ہوا ہے اور روح کے بغیر جسم مٹی کے پتلے کے علاوہ اور کچھ نہیں۔

عقل علم کے بغیر ناقابل کاشت کھیت کی مانند ہے اور اس انسانی جسم کی طرح ہے جسے نشوونما کی ضرورت ہو۔

عقل کی مال تجارت کی طرح منڈی میں خرید و فروخت نہیں ہو سکتی کیونکہ مال تجارت کا تو یہ حشر ہوگا کہ جتنی اس کی فراوانی ہوگی۔ اسی لحاظ سے اس کی قیمت گھٹتی جائے گی۔ لیکن اس کے برعکس عقل جتنی وافر ہوگی اتنی ہی اس کی قدر و قیمت بڑھتی جائے گی۔ لیکن عقل مال تجارت کی طرح بکنا شروع ہو بھی جائے تو پھر سوائے دانشوروں اور معاملہ فہم لوگوں کے اور کوئی اس کا خریدار نہ ہوگا۔

ایک بیوقوف اور کم فہم آدمی کو اپنے اردگرد سوائے حماقت کے اور کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ اسی طرح ایک پاگل سوائے پاگل پن کے اور کچھ نہیں دیکھ سکتا۔ کل کا واقعہ ہے۔ میں نے ایک بے وقوف کو کہا کہ اپنے گردوپیش بیوقوفوں کا شمار کرو۔ وہ ہنس کر کہنے لگا۔ ''یہ کام بہت دشوار سا ہے۔ بیوقوفوں کے شمار میں بہت وقت لگے گا۔ اس سے کہیں بہتر ہوگا کہ عقلمندوں کو گن لیا جائے۔''

اگر تم اپنی قدر و قیمت کو سمجھ سکو تو تم کبھی فنا نہ ہوگے۔ عقل تمہاری زندگی کا منبع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں عقل و خرد بخشی ہے تا کہ اس عظیم انعام کی وجہ سے تشکر و امتنان کے اظہار کے لئے نہ صرف تم اس ذات بے ہمتا کے حضور میں اپنا سر جھکاؤ بلکہ اس روشنی میں اپنی کمزوریوں اور لامحدود قوتوں کا ادراک بھی کر سکو۔

اگر اپنی آنکھوں میں تم تنکا دیکھنا پسند نہیں کرتے تو ایسے ہی جذبات کا اظہار اپنے ہمسائے کے لئے بھی ہونا چاہئے۔

اپنے اعمال و کردار پر اپنے حریف کے نقطہ نظر سے نکتہ چینی کرو کیونکہ جب تک تم اپنی آرزوؤں، خواہشوں اور اپنے ضمیر کی آوازوں پر محتسب بن کر نہ بیٹھو گے تم اپنے آپ کو صحیح حدود میں پابند نہ رکھ سکو گے۔

ایک دفعہ ایک دانشور سے میں نے ایک پر حکمت بات سنی تھی اس کا کہا تھا۔

دنیا میں سوائے حماقت کے ہر روگ قابل علاج ہے کسی بے وقوف کو نصیحت کرنا اور کسی احمق کو وعظ کہنا اتنا ہی بیکار اور بے فائدہ ہے جتنا سطح آب پر کچھ رقم کرنے کی

کوشش کرنا حضرت عیسیٰؑ اندھوں، کوڑھیوں اور جذامیوں کا علاج کرتے تھے۔ لیکن بیوقوفی اور حماقت کا علاج ان کے پاس کوئی نہ تھا۔"

جب کوئی مسئلہ حل طلب ہو تو اس معاملے کے ہر پہلو پر غور کیا کرو۔ پھر تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ اس میں کون سی غلطی ہے اور وہ غلطی کب اور کہاں سے شروع ہوتی ہے۔

جب گھر کا شاندار پھاٹک کشادہ ہو تو اس امر کا خیال بھی رکھو کہ اس کے بغلی دروازے بھی تنگ نہ ہوں۔

جس وقت زندگی میں کوئی مفید اور کارآمد موقع آئے تو سا سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرو کیونکہ جو شخص ایسے موقع سے فائدہ نہیں اٹھاتا اس کی مثال ایسی ہے کہ وہ موقع کو اپنے ساتھ ضرور دیکھتا ہے لیکن اس کے استقبال کے لئے آگے قدم نہیں بڑھاتا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف کوئی برائی منسوب نہیں ہو سکتی۔ اس نے ہمیں عقل و خرد اور علم و فضل سے مسلح کر دیا ہے تا کہ ہم زندگی کی راہوں پر غلط کاریوں اور تباہیوں کے گڑھوں سے بچ کر چلیں۔

یقیناً وہ لوگ خوش نصیب ہیں جن پر اس ذات باری تعالیٰ نے علم و فضل کی بارشیں کی ہیں۔

انسان دیوتا

عروس بہار آئی اور اپنے لاتعداد مظفر پیاں لائی اور ندی، نالوں اور دریاؤں کی زبانی گنگنانے لگی۔ گلہائے رنگا رنگ میں مسکرانے لگی۔ انسان کی روح مسرتوں سے ہمکنار ہوگئی۔ اور اس کا دامن سے قناعت سے بھر گیا۔

پھر دفعتاً فطرت کی آنکھیں پھر گئیں اور وہ شدید غصے اور خفگی کا اظہار کرنے لگی اس نے خوبصورت شہر کو نیست و نابود کر دیا اور انسان کو فطرت کی مسکراہٹ اس کی شیریں لبی اور مہر و محبت ایک خواب سا نظر آنے لگی۔

صرف ایک گھنٹے میں ایک خوفناک اور اندھی قوت نے سب کچھ تباہ و برباد کر دیا۔ جس کی تعمیر میں صدیاں لگ گئیں تھیں۔ ہیبت ناک موت نے انسانوں اور حیوانوں کو اپنے آہنی پنجے میں جکڑ کر ہلاک کر دیا۔

آگ کے ہلاکت بار شعلوں نے انسانوں اور ان کے ساز و سامان کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ایک گھٹا ٹوپ اندھیری رات نے زندگی اور اس کے حسن را کھ کے کفن میں لپیٹ لیا۔ غصے میں بھرے ہوئے عناصر فطرت نے انسان اس کے مکانوں، اس کی صنعت و مصنوعات کو تباہ و برباد کر کے را کھ کا ڈھیر بنا دیا۔

ان ہولناک اور تباہ کن زلزلوں اس بربادی اور ہلاکت کے درمیان جو زمین کی گہرائیوں سے پیدا ہوئی تھی، روح تھوڑے سے فاصلے پر دور کھڑی انسان کی کمزوریوں اور کم مائیگی اور فطرت کی ہمہ گیر فطرت اور قدرت پر غور کر رہی تھی۔ پھر روح نے ذہین تہوں میں اوپر ایتھر کے ذروں میں انسان کے چھپے ہوئے دشمن پر غور کیا۔ اسے ہر طرف سے روتی ہوئی ماؤں اور بھوکے بچوں کی چیخ و پکار سنائی دی اور ان کے غم میں شریک ہوگئی۔ اب وہ عناصر فطرت کی بہمیت اور انسان کے ادنیٰ حیثیت پر غور کرنے لگی اور تصور ہی تصور میں سوچنے لگی کہ ابھی کل کی بات ہے کہ انسانوں کے بچے اپنے گھروں میں آرام سے سو رہے تھے لیکن آج وہ بالکل بے گھر

ہیں اور مارے مارے پھر رہے ہیں۔ اپنے تباہ شدہ شہر کا منظر دیکھ کر رو رہے ہیں۔ اب ان کی امیدیں مایوسی میں تبدیلی ہو چکی ہیں۔ ان کی خوشیوں کی جگہ رنج و غم نے سنبھال لی ہے۔ ان کی پر امن زندگی کا راز بن چکی ہے۔ یہ جانکا مناظر دیکھ کر روح ان دل شکستہ لوگوں کے غم میں شریک ہو گئی جو اس وقت یاس و الم کے آہنی پنجوں میں گرفتار تھے۔

اور جس وقت افسردہ اور پژمردہ روح قانون فطرت اور اس کی انصاف پسندی پر کھڑی غور کر رہی تھی تو سرگوشی کے لہجے میں سکوت و خامشی کے کانوں میں کہنے لگی" اس تمام کارگاہ ہستی کے پیچھے ایک عقل کا ہاتھ تھوڑی دیر میں پھر حرکت میں آئے گا اور اس بربادی اور ہلاکت کو گلزار میں تبدیل کر دے گا اور حسن کی دلفریبیاں چاروں طرف پھیل جائیں گی۔"

آگ، زلزلے اور طوفان کا زمین کے ساتھ وہی تعلق ہے جو نفرت حسد اور برائی کا انسانی دل سے ہے جس وقت انسانیت کا کائنات کو آہ بکا سے بھر دیا تھا۔ میرے تخیل نے میرے ذہن پر وہ تمام سانحے تمام المیے اور تعزیریں منعکس کر دیں جو گزشتہ زمانوں کے سٹیج پر پیش ہو چکی ہیں۔

میں نے نظر اٹھا کر انسان کی گزشتہ تاریخ کے اوراق کو دیکھا۔ میں نے دیکھا کہ کہیں تو وہ فتح و نصرت کے مینار نصب کر رہا تھا اور کہیں محلوں۔ شہروں اور معبدوں کی تعمیر میں مصروف تھا۔ پھر میں نے دیکھا کہ زمین نے غصے میں ایک انگڑائی لی اور اپنے سینے پر بنی ہوئی تمام تعمیروں کو ایک ہی جنبش سے اپنی لپیٹ میں لے لیا اور اپنی گہرائیوں میں دفن کر دیا۔

میں نے طاقتور اور جوشیلے انسانوں کو ناقابل تسخیر قلعوں کی تعمیر کرتے دیکھا اور عظیم فن کاروں کو ان قلعوں کی دیواروں پر نقش و نگاری میں مصروف دیکھا اور اسی اثناء میں زمین نے ایک جمائی ہی لی اور منہ کھول کر جو کچھ ہنر مند ہاتھوں اور روشن

دماغوں نے تخلیق کیا تھا، چشم زدن میں نگل گئی۔

میں نے دیکھا کہ زمین ایک خوبصورت اور سجی ہوئی دلہن کی طرح ہے جسے افرائش حسن کے لئے انسان کے بنائے لعل و جواہر کی ضرورت نہیں۔ اس کے پاس اپنے سرسبز کھیتوں کی چادریں اپنے ساحلوں کی سنہری ریت اور پہاڑوں کے سینوں میں محفوظ قیمتی پتھر ہیں وہ اسی دولت پر قناعت کرتی ہے۔

پھر میں نے انسانوں کی قوت تخلیق کی شان وشوکت دیکھی۔ میں نے اسے تباہی و ہلاکت کے سامنے عناصر فطرت کا مذاق اڑاتے دیکھا۔ وہ ایک ناقابل تسخیر دیوں کی طرح کھڑا زمین کی ہنسی اڑا رہا تھا۔

روشنی کے ایک بلند اور محکم مینار کی طرح وہ بابل، نینوا، پامیر اور بومپیائی کے کھنڈرات اور ویرانوں میں کھڑا تھا اور اپنی ابدیت کے گیت گا رہا تھا۔

تنہائی

میری خلوت سے ایک اور خلوت ہے۔ اور اس خلوت میں بسنے والا میری تنہائی کو ایک بارونق منڈی اور میری خاموشی کو منتشر آوازوں کا ایک مجموعہ سمجھتا ہے۔

میں اتنا کم سن اور بے سمجھ ہوں کہ عالم بالا کی اس خلوت تک پہنچ نہیں سکتا۔ اور اس کے سائے میری راہ روکے کھڑے ہیں لیکن میں جا نہیں سکتا۔

میرے اس گرانبار عنصر سے پرے میرا آزاد عنصر ہے جس کی روشنی میں میرے خواب برسرِ پیکار ہیں اور میری امیدوں کی ہڈیاں کھڑ کھڑا رہی ہیں۔

میں ابھی کم سن ہوں اور اس آزاد عنصر تک پہنچنے کے لئے بہت رسوا کیا گیا ہوں۔

اور میں آزاد عنصر کیونکر پرواز کر سکتا ہوں جب تک کہ میں اپنے محکوم عنصر کو ہلاک نہ کر دوں یا جب تک کہ لوگ آزاد نہ ہو جائیں۔

میری نغمہ سنج پیتاں ہوا میں کیونکر پرواز کر سکتی ہیں تاوقتیکہ میری جڑیں اندھیرے میں پژمردہ نہ ہو جائیں۔

میرا شاہین آفتاب کی بلندی تک کیونکر پہنچ سکتا ہے جب تک کہ میرے چھوٹے بچے اس آشیاں کو خیرباد نہ کہہ دیں جسے میں نے اپنی چونچ میں تنکے اٹھا اٹھا کر بنایا ہے۔

آخری پہرہ

بہت رات گزرے جب صبح کی پہلی کرن نے ہوا پر سانس لیا۔

پیش رو،

جو اپنے آپ کو ایک ان سنی آواز کی صدائے بازگشت کہتا ہے۔ اپنی خواب گاہ سے نکل کر اپنے مکان کی چھت پر چلا گیا۔ وہ چھت پر کافی دیر تک ساکت کھڑا رہا اور سوئے ہوئے شہر کو دیکھتا رہا۔ پھر اس نے اپنا سر اٹھایا۔ گویا سونے والوں کی بیدار روحیں اس کے گرد جمع ہوگئی ہیں اور اس کے اپنے لب کھولے اور بولا۔

میرے دوستو اور میرے ہمسایو اور تم جو روزانہ میرے دروازے سے گزرتے ہو۔

میں تم سے سوتے میں مخاطب ہونا چاہتا ہوں۔

میں تمہارے خوابوں کی وادی میں بے کھٹکے اور نہتا پھروں گا۔ کیونکہ تم بیداری کے عالم میں غافل ہو اور تمہاری صداؤں سے گراں بار کان بہرے ہیں۔

میں نے مدتوں تم سے محبت کی اور خوب کی۔

میں نے تم میں سے ایک ایک کے ساتھ اس طرح محبت کی گویا وہ ایک سب کچھ ہے اور سب سے اس طرح محبت کی گویا وہ اب ایک ہیں اور اپنے دل کی فصل بہار میں تمہارے باغوں میں گایا گیا اور اور جب دل کا موسم آیا تو میں تمہارے خرمنوں کو دیکھا گیا۔

مجھے تم سب سے محبت تھی ہاں مجھے تم سب سے محبت ہے۔

قوی ہیکل..... بالشتے..... کوڑھی..... مقدس پیشوا.....

اور اس سے بھی جو پہاڑوں پر ناچ کر اپنے دن گزار دیتا ہے۔ تم تو اناؤ.....!

میں نے تم سے محبت کی۔ گو تمہارے آہنی سموں کے نشان میری جلد پر بدستور

ہیں۔

اور تم ناتوانو.....!

میں نے تم سے محبت کی۔ گو تم نے میرا عقدہ مجھ سے چھین لیا اور میرا صبر و تحمل اکارت گیا۔

اور تم مالدارو.....!

میں نے تم سے پیار کیا۔ گو تمہارے شہد کا ذائقہ میرے منہ میں تلخ ہو گیا۔

اور تم نادارو.....!

میں نے تم سے محبت کی۔ گو تم میرے خالی ہاتھ کی شرم جانتے تھے۔

تم شاعرو.....!

بھدی بانسری اور اندھی انگلیوں والے شاعرو.....!

میں نے اپنی نفس پرستی کی خاطر تم سے بھی محبت کی۔

اور تم عالمو.....!

میں نے تم سے پیار کیا جو ہمیشہ ان میدانوں میں جہاں سے کوزہ گر مٹی لاتے ہیں۔ بوسیدہ کفن جمع کرتے رہے ہو۔

اور تم دیوتاؤں کو پوجنے والو! یہ دیوتا خود تمہاری اپنی خواہشیں ہیں۔ میں نے تم سے بھی محبت کی۔

اے پیاسی عورت.....!

جس کا جام ہمیشہ لبریز رہا۔ میں نے تمہاری فطرت کو پہنچانا اور تم سے پیار کیا۔

اور اے بے چین راتوں والی عورت!

میں نے تم پر رحم کھا کر تم سے محبت کی!

تم باتونیو.....!

میں نے تم سے یہ کہتے ہوئے، محبت کی کہ زندگی کو اپنے متعلق بہت کچھ کہنا ہے۔

اور تم گونگو.....!

میں نے تم سے اپنی دبی زبان میں یہ کہتے ہوئے محبت کی کہ اس خاموشی میں وہ کچھ نہیں کہنا جو میں لفظوں میں سننا چاہتا ہوں۔ اور اے منصفو اور نقادو۔

میں نے تم سے محبت کی۔ حالانکہ جب تم نے مجھے سولی پر چڑھتے دیکھا تو تم نے کہا۔ دیکھو اس کا خون کتنے ترنم سے بہہ رہا ہے اور اس کی سفید جلد پر خون کا نشان کتنا بھلا معلوم ہوتا ہے۔

اے جوانو! اور بوڑھو!

بید، مجنوں اور شاہ بلوط کے درختو۔

میں نے تم سے محبت کی..... لیکن واحسرتا تم نے میرے دل سے محبت کی فراوانی دیکھ کر مجھ سے منہ پھیر لیا۔

تم ایک پیالے میں سے محبت کے گھونٹ پینا چاہتے ہو لیکن ایک متلاطم دریا سے سیر ہونا نہیں چاہتے۔

تم محبت کی خفیف صدا سننے کے خواہشمند ہو۔

لیکن جب محبت نعرہ لگاتی ہے تو تم اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لیتے ہو۔

اور چونکہ مجھے تم سے محبت تھی تم نے کہا کہ اس کا دل بہت نرم اور درد آشنا ہے اور یہ شخص دیکھ بھال کر رستے پر نہیں چلتا۔

یہ ایک متاج کی محبت ہے جو شاہانہ صیافتوں میں شریک ہوتا ہوا بھی روٹی ٹکڑے چنتا ہے۔

یہ ایک کمزور کی محبت ہے کیونکہ طاقتور ہمیشہ طاقتوروں سے محبت کرتا ہے۔

اور چونکہ تم سے مجھے بے پایاں محبت تھی تم نے کہا یہ ایک اندھے شخص کی محبت ہے جسے نہ تو کسی کا علم ہے اور نہ کسی کی بدصورتی کا احساس ہے۔

اور یہ ایسے بدذوق کی محبت ہے جو سرکے شراب کی طرح پی جاتا ہے۔

اور یہ ایک گستاخ اور خود پسندی کی محبت ہے۔

آخر ایک اجنبی سے ماں اور باپ ..... بہن اور بھائی کا رشتہ کیونکر ہو سکتا ہے۔

تم نے یہ اور بہت سی دوسری باتیں بھی کہیں منڈی میں بارہا تمہاری انگلیاں میری جانب اٹھیں اور تم نے طنزیہ پیرائے میں کہا۔ دیکھو وہ جاتا ہے سدا جوان اور بے رتا جوان۔ جو عین دوپہر کے وقت ہمارے بچوں سے کھیل کھیلتا ہے اور شام کو ہمارے بزرگوں کی صحبت میں بیٹھ کر دانشمندی اور فہم و ذکاوت کا روپ دھار لیتا ہے۔

اور میں نے کہا کہ میں انہیں سب سے زیادہ پیار کروں گا۔ ہاں بہت زیادہ۔

میں اپنی محبت کی ظاہری نفرت میں چھپا لوں گا اور اپنے نرم جذبات پر تلخی کا پردہ ڈال لوں گا۔

میں آہنی نقاب پہن لوں گا اور اس سے مسلح ہو کر اور زرہ بکتر لگا کر ملوں گا۔

پھر میں نے تمہارے زخموں پر اپنا بھاری ہاتھ رکھ دیا اور رات کے طوفان کی مانند میں تمہارے کانوں میں گرجا۔

مکان کی چھت پر سے میں نے اعلان کیا کہ تم گندم نما جو فروش ہو۔

غلط منطقی ..... فریب کار ..... جھوٹے اور خالی زمین کے بلبلے ہو۔

تم میں سے جو کوتاہ اندیش ہیں میں نے انہیں اندھے چمگادڑ کہہ کر بد دعا دی۔

اور جو دنیاوی مفاد سے زیادہ گھرے ہوئے ہیں انہیں بے روح چھچھوندر کہا۔

اور تم میں جو فصیح باتیں کرتے تھے انہیں کانٹے دار زبانیں کہا۔

اور جو پتھریلے لبوں والے سادہ لوح اور بے سلیقہ لوگ ہیں۔ میں نے کہا یہ مردہ ہیں اور یہ بار بار مرنے سے کبھی نہیں تھکتے۔

اور جو دنیوی علم کی تلاش میں سرگرداں تھے میں نے انہیں مقدس روح کا باغی

قرار دیا۔

اور جو روح سے ہمکنار ہونا چاہتے ہیں انہیں سائے کے شکاری کہا۔

اور وہ جو اپنے جال پایاب پانیوں میں ڈالتے ہیں۔ اپنے سائے کے سوا کچھ نہیں شکار کرتے۔

اس طرح طرح میرے ہونٹوں نے مظاہر تمہیں مطعون کیا۔ لیکن میرا دل خون کے آنسو روتا تھا اور اس نے تمہیں آمیز ناموں سے پکارا۔

یہ محبت کے لئے میری بھوک ہی تو تھی۔ جو چھت پر جوش میں تھی جبکہ میری اپنی محبت خاموشی میں دو زانو ہو کر تم سے معافیاں مانگ رہی تھی۔

لیکن وہ دیکھو معجزہ!

یہ میرا بہروپ تھا جس نے تمہاری آنکھیں کھول دیں اور بظاہر میری نفرت نے تمہارے دلوں کے دروازے وا کر دیئے۔

اور اب تم مجھ سے محبت کرتے ہو۔

تم ان تلواروں کو چومتے ہو جو تمہارے سینوں میں پیوست ہو جاتے ہیں کیونکہ زخمی ہو کر تم سے مطمئن ہو جاتے ہو اجب تم نے اپنا ہی لہو پیا ہو تو تمہیں نشہ ہو جاتا ہے۔

ان پروانوں کی طرح جو شعلے پر مرمٹنے کے لئے بیتاب ہوتے ہیں۔ تم میرے باغ میں ہر روز جمع ہوتے ہو اور اپنی قسمت کے جامے کو تار تار ہوتے دیکھ کر اپنے متحیر چہرے اٹھا کر اور سحر زدہ آنکھوں سے میری طرف دیکھتے ہو، اور دبی زبان سے ایک دوسرے کو کہتے ہو۔ اس میں خدائی نور دکھائی پڑتا ہے اور اس کے کلام میں ازمنہ قدیم کے پیغام بروں ایسی تاثیر ہے۔ اس نے ہماری روحوں کو بے نقاب کر دیا ہے اور ہمارے دلوں کے قفل توڑ ڈالے ہیں اور اس عقاب کی طرح جو لومڑوں کے طور طریقوں سے خواب واقف ہوتا ہے اس کو ہمارے سب ڈھنگ

معلوم ہیں۔

ہاں سچ تو یہ ہے کہ میں تمہارے طور طریق جانتا ہوں لیکن ایسے ہی جیسے عقاب اپنے بچوں کی حرکات کو بخوبی سمجھتا ہے اور میں اپنے راز کھول دینا چاہتا ہوں لیکن میں اپنی ضرورت میں تمہارے نزدیک رہنا چاہتا ہوں۔ مجھے تمہاری قربت مرغوب مگر میں دور دور رہنے کا بہانہ کرتا ہوں۔

میں تمہاری محبت کے مدوجزر سے واقف ہوں پھر بھی میں اپنی محبت کے طوفان کی نگہبانی کرتا ہوں۔

یہ کہہ چکنے کے بعد پیش رو نے اپنے چہرے کو اپنے دونوں ہاتھوں سے ڈھانپ لیا اور زار زار رو دیا کیونکہ وہ اپنے دل میں جانتا تھا کہ جو محبت عریاں ہو کر رسوا ہو جائے اس کا مرتبہ اس محبت سے بہت بلند ہوتا ہے جو چھپ چھپا کر کامرانی سے ہمکنار ہونا چاہتی ہے اور وہ شرمسار ہو گیا۔

لیکن یکا یک اس نے اپنا سر اٹھایا اور جیسے کوئی خواب سے بیدار ہو گیا ہو اس نے اپنے بازو پھیلائے اور کہا۔

رات ختم ہوئی..... ہم رات کے بچے مر جائیں گے۔

جب صبح صادق کی روشنی پہاڑیوں پر اچھلتی ہوئی آئے گی تو ہماری ہی راکھ میں سے ایک عظیم تر محبت پیدا ہو گی وہ محبت سورج پر قہقہہ زن ہونے والی محبت ہو گی .....اور لافانی۔

درویش بادشاہ

لوگوں نے مجھے بتایا کہ پہاڑوں کے درمیان ایلکنج میں ایک نوجوان تنہا رہتا تھا جو کبھی ان دریاؤں کے پار ایک وسیع ملک کا تاجدار تھا۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ وہ اپنی مرضی سے تاج و تخت اور اپنے پر عظمت مالک کو خیر باد کہہ کر اس جنگل میں آبسا ہے۔

اور میں نے کہا میں اس شخص کی تلاش کروں گا اور اس کے دل کا راز معلوم کروں گا کیونکہ وہ شخص جس نے تاج و تخت چھوڑا ہو یقیناً ایک سلطنت سے زیادہ حیثیت کا مالک ہوگا۔

اسی دن میں نے اس جنگل کی راہ لی جہاں وہ رہتا تھا اور میں نے اس کا کھوج پالیا۔ (وہ سرو کیا یک درخت کی چھاؤں میں بیٹھا تھا۔) اس کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی۔ عصائے شاہی کی طرح۔ میں یوں آداب بجا لایا۔ جیسے میں کسی بادشاہ کا آداب بجالاتا۔ اس نے میری طرف رخ پھیرا اور نرم لہجے میں کہا "تم اس پرسکون جنگل میں کیوں آئے ہو کیا تم ان ہرے بھرے درختوں کی چھاؤں میں اپنے آپ کو ڈھونڈ رہے ہو یا اس دھندلکے میں گھر واپس جا رہے ہو۔"

میں نے جواب دیا "میں صرف تمہیں دیکھنے آیا ہوں کیونکہ میں یہ معلوم کرنے کا تمنائی ہوں کہ تم نے جنگل کے لئے حکومت کیوں چھوڑ دی؟"

اس نے کہا "میری کہانی مختصر ہے کیونکہ یہ بلبلا بہت جلد ٹوٹ گیا۔ یہ واقعہ یوں ہوا۔"

ایک دن میں اپنے محل کے دریچے میں بیٹھا تھا۔ میرا وزیر اور ایک غیر ملک کا سفیر میرے باغ میں ٹہل رہے تھے۔ جب وہ میرے دریچے کے قریب پہنچے تو وزیر اپنے متعلق کہہ رہا تھا "میں بادشاہ کی طرح ہوں..... مجھے بھی تیز شراب کی پیاس ہے..... مجھے بھی وقت اور تقدیر کے کھیلوں کا شوق ہے..... میں بھی

اپنے آقا کی طرح پر جوش مزاج رکھتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وزیر اور سفیر درختوں میں غائب ہو گئے لیکن چند منٹوں میں وہ واپس آ گئے اب کی بار وزیر میرے متعلق باتیں کر رہا تھا۔ "میرا آقا..... بادشاہ سلامت میر طرح ایک نشانچی ہے ..... وہ بھی میری طرح موسیقی کا رسیا ہے ..... اور دن میں تین بار غسل کرتا ہے۔"

تھوڑی دیر بعد اس نے سلسلہ کلام جاری رکھا۔

"اسی دن شام کو میں ایک لبادہ پہن کر محل سے نکل آیا کیونکہ ان لوگوں کا حکمران بننا مجھے گوارہ نہ تھا۔ جو میرے عیوب اختیار کریں اور میری نیکیوں کو اپنی طرف منسوب کریں۔"

اور میں نے کہا واقعی یہ ایک انوکھی اور حیران کن بات ہے۔"

اور اس نے کہا "نہیں میرے دوست تم نے میری خاموشیوں کے دروازے کو کھٹکھٹایا اور تمہیں کیا ملا بہت ہی کم، آخر کون ہے جو حکومت کو اس جنگل کی خاطر چھوڑ دے۔ جہاں کے موسم ایک نہ ختم ہونے والے رقص و نغمے میں سرمست رہتے ہیں۔ بہت سے لوگ ہو گزرے ہیں جنہوں نے تنہائی اور اکیلے میں اپنی صحبت کا خود لطف اٹھانے کے لئے خود سے کم تر چیز کے لئے اپنی حکومت چھوڑ دی۔ بے شمار عقاب ہیں جو عالم بالا کو چھوڑ کر چھچھوندروں کے ساتھ آ کر رہتے ہیں کہ وہ زمین کی نہ کا راز پا سکیں۔ ایسے لوگ بھی ہیں جو عریانی کی دنیا کو ترک کر دیتے ہیں اور اپنی روحوں کو ڈھانپ لیتے ہیں تا کہ دوسرے لوگ بھی ہیں جو عریاں صداقت اور بے نقاب حقیقت کو دیکھ کر شرما نہ جائیں اور ان سب سے بلند تر وہ ہے جس نے غم والم کی دنیا کو خیر باد کہا کہ وہ مغرور اور خود پسند نظر نہ آئے۔"

پھر وہ اپنی چھڑی کا سہارا لیتے ہوئے اٹھا اور کہا "اب تم اپنے شہر میں جاؤ، اور اس کے دروازے پر بیٹھو اور ان لوگوں پر نگاہ جو وہاں آتے ہیں اور وہاں سے مڑ جاتے

ہیں اور اس شخص کی تلاش کرو جو پیدائشی بادشاہ ہے لیکن مملکت کے بغیر ہے اور اسے اس بات کا احساس ہے اور نہ اس کی رعایا ہی یہ جانتی ہے اور اس پر بھی نگاہ رکھو، جو بظاہر حکومت کرتا ہے لیکن دراصل وہ اپنے ہی غلاموں کا غلام ہے۔"

یہ باتیں کہہ چکنے کے بعد مجھ پر مسکرا دیا اور اس کے ہونٹوں پر ہزار صحیفیں تھیں۔ پھر اس نے رخ پھیرا اور جنگل کی گہرائیوں میں چلا گیا۔

میں شہر کو لوٹا اور اس کے حسب منشا شہر کے دروازے پر بیٹھ کر آنے جانے والوں کو دیکھتا رہا۔ اس دن سے لے کر آج تک بے شمار لوگ ہوئے ہیں۔ جن کے سائے مجھ پر سے گزرے ہیں اور بہت کم ایسے لوگ ہیں جن پر سے میرا سایہ گزرا ہے۔

☆☆☆☆☆

جوانی اور محبت

یہ نوجوان جس کا ذکر میں تمہارے سامنے کر رہا ہوں عین عنفوان شباب میں تھا۔ اس وقت وہ ایک یکہ و تنہا مکان پر اپنی میز پر بیٹھا تھا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ کبھی وہ کھڑکی میں سے منہ نکال کر آسمان پر چمکتے ہوئے ستاروں کو دیکھنے لگتا اور کبھی اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی ایک دوشیزہ کی تصویر پر نظریں جما لیتا اس تصویر کے رنگ اور خدوخال جو کسی عظیم فنکار کا نتیجہ فکر تھے اس کے قلب و نظر میں پوری طرح منعکس ہو چکے تھے اور دنیا و مافیہا اور ابدیت کے تمام اسرار منکشف کر رہے تھے۔

عورت کی تصویر نوجوان کے ساتھ ہم کلام ہونے لگی۔ اب اس کی آنکھیں کانوں میں تبدیل ہو گئیں۔ وہ ہمہ تن گوش ہو گیا اور اس کی باتیں سننے لگا۔ اب وہ ان تمام روحوں کی زبان سمجھ رہا تھا جو اس کے کمرے پر منڈلا رہی تھی۔ اس کا دل اب محبت سے معمور ہو گیا۔

یہ کئی گھنٹوں کا وقفہ ایک خوبصورت خواب کا ایک لمحہ اور ابدی زندگی میں گزرا ہوا ایک سال معلوم ہونے لگا۔

اب نوجوان نے اس تصویر کو اپنے سامنے رکھ لیا اور قلم اٹھا کر اپنے جذبات کو صفحہ قرطاس پر پھیلانے لگا۔

"اے میری محبوبہ وہ عظیم سچائی جو کارگہ فطرت میں کارفرما ہے۔ اسے ایک شخص سے دوسرے ذی روح تک پہنچنے میں کسی قسم کے تکلم کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ سچائی محبت کرنے والی روحوں سے ہم کلام ہونے کے لئے ہمیشہ سکوت و خاموشی سے ہی کام لیتی ہے۔

میں اچھی طرح سمجھتا ہوں کہ ہمارے دلوں کے درمیان رات کی خاموشی پیام رسانی کا بہترین ذریعہ ہے۔ کیونکہ رات کی خاموشی ایک دوسرے کو محبت کے پیام پہنچاتی رہتی ہے اور ہماری مسرتوں کے گیت گاتی رہتی ہے۔ جس طرح دست

قدرت نے ہماری روحوں جسموں میں قید کر دیا ہے اس طرح محبت نے ہمیں الفاظ و تکلم کی پابندیوں میں جکڑ رکھا ہے۔

اے میری محبوبہ! لوگ کہتے ہیں کہ آدمی کے دل میں محبت ایک ایسا شعلہ ہے جو انسان کو فنا کر دیتا ہے۔ جب ہماری پہلی ملاقات ہوئی تو مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے میں تمہیں صدیوں سے جانتا ہوں اور جس وقت ہم ایک دوسرے سے الوداع ہونے لگے تو مجھے مکمل یقین ہو گیا کہ کہ دنیا کی کوئی طاقت ہمیں ایک دوسرے سے الگ نہیں کر سکتی۔

محبت کی پہلی نظر دراصل پہلی نظر نہ تھی۔ جس وقت ہمارے دل کی دھڑکنیں باہم دگر ہم ہوئیں تو ہمارے دلوں نے گویا ابدیت اور روح کی ہمیشگی اور فنا نہ ہونے والی حقیقتوں کی تصدیق کر دی۔

ایسی ساعتوں میں فطرت تمام پردوں کو چاک کر دیتی ہے اور مظلوم کے لئے ایک قائم و دائم انصاف کا پیام دیتی ہے۔

اے میری محبوبہ کیا تمہیں وہ ندی یاد ہے جس کے کنارے بیٹھ کر ہم ایک دوسرے کی طرف محبت بھری نگاہوں سے تک رہے تھے۔ شاید تمہیں اس امر کی حقیقت کی آگہی نہیں کہ اس وقت تمہاری آنکھوں نے مجھے صاف الفاظ میں یہ پیغام دے دیا تھا کہ محبت کے جو جذبات تم میرے لئے رکھتی ہو وہ جذبہ ترحم کر پیدا وار نہیں بلکہ اس کے سوتے انصاف کے چشمہ سے پھوٹے ہیں اور اب میں اپنے اور دنیا کے سامنے اپنی حقیقت کے اعلان کر سکتا ہوں کہ وہ انعام و اکرام جن کا منبع احساس انصاف پر ہو، وہ جو دو سخا اور جذبہ ترحم سے حاصل کئے ہوئے انعامات سے کہیں عظیم اور برتر ہے۔ ”اور وہ جو محض اتفاقات کی پیداوار ہوتی ہے وہ دلدل میں رکے ہوئے پانی کی طرح ہوتی ہے۔“

”اے میری محبوبہ! اس وقت میرے سامنے ایسی زندگی ہے جس کو میں عظمت اور

حسن سے معمور کر سکتا ہوں۔ اس زندگی کی ابتداء ہماری پہلی ملاقات سے ہوئی تھی لیکن یہ ابدیت تک قائم رہے گی۔"

اب میں بالکل تمہارے بس میں ہوں اور تم ان تمام صلاحیتوں کو جو خدا نے ہمیں ودیعت کی ہیں، بروئے کار لا سکتی ہو اور جس طرح سورج کی روشنی حبظورت اور معطر پھولوں کو زندگی بخشتی ہے تم میرے عظیم الفاظ اور کارناموں کو مشہور و شکل عطا کر سکتی ہو۔

"اس طرح میری محبت تمہارے لئے ہمیشہ قائم رہے گی۔"

نوجوان اب کمرے میں ادھر ادھر گھومنے لگا۔ اس نے کھڑکی سے منہ باہر نکال کر دیکھا کہ چاند افق سے طلوع ہو کر آسمان کی وسعتوں اور بہنائیوں میں نرم و نازک نور پھیلانے میں مصروف ہے۔

یہ دیکھ کر اب پھر وہ اپنی میز پر جا بیٹھا اور لکھنے میں مصروف ہو گیا۔

"اے میری محبوبہ! مجھے معاف کرنا۔ اب تک میں تمہیں صیغہ واحد حاضر میں اک دیگر جسم و جان سمجھ کر ہی ہم کلام ہوتا ہوں حالانکہ تم میرے وجود کا ایک حصہ ہو اور بہترین حصہ ہو آج تک میں اس راز کو نہ سمجھ سکا تھا اس لئے اے میری محبوبہ! مجھے معاف کر دینا۔"

☆☆☆☆☆

پہلی نظر

یہ ساعت شراب زندگی اور بیداری کے درمیان حد فاصل قائم کرتی ہے۔ یہ وہ اولین شعلہ جو دلوں کی اندرونی زندگی کو روشن کرتا ہے۔ یہ پہلا طلسمی نغمہ ہے جو دل کے نقرئی تاروں سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ وہ مختصر سی ساعت ہے جو روح کے سامنے زمانوں کو پر اسرار داستانیں منکشف کرتی ہے اور آنکھ کے سامنے شب کے کارناموں اور ضمیر مصروفیتوں کو پیش کرتی ہے۔ فطرت کے ابدی اسرار کو بے نقاب کرتی ہے اس ساعت میں محبت کی دیوی چاہت کا بیج بوتی ہے۔ محبوب کی نگاہیں اس بیج کو محبت کے کھیت میں کاشت کرتی ہیں۔ یہ بیج پیار کی آب و ہوا میں پھلتا پھولتا ہے اور پھر روح اس فرمن سے فائدہ اٹھاتی ہے۔

محبوب کی پہلی نظر وسیع سمندروں پر گھومتی منڈلاتی ہوئی اس روح کی طرح ہے جس وقت زمینوں آسمانوں کی آفرینش ہوئی اور جس وقت خدا نے ''کن'' کہا اور سب کچھ وجود میں آ گیا۔

☆☆☆☆☆

شادی

اس مقام پر محبت زندگی کو مطرب شب کو مدد سے ان نغمات اور گیتوں کا لباس پہنا دیتی ہے جو دن کی روشنی میں گائے جاتے ہیں ۔ یہاں پہنچ کر محبت سب پردے چاک کر دیتی ہے اور دل کی گہرائیوں کو بقعہ نور بنا دیتی ہے اور پھر اس کے بعد خوشیوں اور مسرتوں کا ایک ایسا لاثانی جہان پیدا ہو جاتا ہے جہاں روح حقیقت سے ہمکنار ہو کر سرمدی گیت گاتی ہے ۔

شادی اور مناکحت دو روحوں کو ہم آہنگ کرتی ہے تا کہ ایک تیسری روح معرض وجود میں آئے ۔ دو جسموں کی یہ وابستگی ہجر و فراق کے امکانات کو یک قلم ختم کر دیتی ہے ۔ اتنا ارفع اعلیٰ اتصال ہے جو دو روحوں اور دو جسموں کو ایک دوسرے میں تحلیل کر دیتا ہے ۔ شادی سونے کی وہ انگشتری ہے جس کی ابتداء پہلی نظر سے ہوتی ہے لیکن وہ ابدیت تک قائم رہے گی ۔ یہ وہ باران رحمت ہے جو پاکیزہ آسمانوں سے زمین پر اس لئے نزول کرتا ہے کہ روحانی کھیتوں کو سیراب کر کے انہیں ثمر ور کر دے ۔

محبوب کی پہلی نگاہ انسانی قلب و نظر میں محبت کا بیج بوتی ہے ۔ پہلا بوسہ شجر زندگی کی شاخ پر پہلا پھول ہ اس لحاظ سے شادی دو محبت کرنے والوں کے لئے پہلے پھول کا پہلا ثمر ہے ۔

☆☆☆☆☆

پہلا بوسہ

محبت کی دیوی کے ہاتھ سے تیار کردہ آب حیات کا یہ پہلا گھونٹ ہے۔ یہ پہلا گھونٹ شک و بے یقینی کی زندگی جو روح کو پروردہ اور دل کو افسردہ کرتی ہے اور اعتماد و ایقان کی زندگی کے درمیان جو دلوں کو خوشی و مسرت سے معمور کرتی ہے ایک حد فاصل ہے۔ یہاں سے زندگی کا پہلا نغمہ شروع ہو جاتا ہے۔ یہ زندگی کی صداقت کے ڈرامے میں پہلی کردار نگاری ہے۔ یہ وہ معاہدہ ہے جو پرانی اجنبیت اور مستقبل کی چاہت کو یک جا کرتا ہے۔ پہلا بوسہ جذبات کی خاموشی اور اس سے پیدا شدہ نغمات کی ایک کڑی ہے۔ پہلا بوسہ وہ عظیم لفظ ہے جسے چار ہونٹوں نے مل کر ادا کیا اور پھر انہوں نے دل کو تخت تسلیم کیا۔ محبت کی بادشاہت کا اعلان کیا اور پھر اس کے سر پر وفا شعاری کا تاج رکھا۔ پہلا بوسہ گویا گلاب کے ہونٹوں پر بادِ نسیم کی نرم و نازک انگلیوں کا وہ حسین لمس ہے جو بیک وقت مبہ تسکین دل بھی ہے اور روح افزاء بھی۔

پہلا بوسہ بلا شبہ اس طلسم ارتعاش کی ابتداء ہے جو محبت کرنے والوں کی اس کائنات کے زمانو مکان کے قیود سے نکال کر خوابوں اور الہاموں کی دنیا میں لے جاتا ہے۔

یہ گویا وہ معطر پھولوں کا اتصال ہے جو اپنی خوشبوؤں کی آمیزش سے پاک تیسری روح کی تخلیق کا باعث بنیں گے۔

جس طرح محبوب کی پہلی نظر انسانی دل کے کھیت میں ایک بیج کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسی طرح پہلا بوسہ شجر زندگی شاخ پر پہلا پھول ہے۔

☆☆☆☆☆

انسان اور فطرت

ایک دن صبح سویرے میں ایک کھیت میں بیٹھا فطرت سے باتیں کر رہا تھا۔ ابھی تک عام لوگ نیند کی چادر اوڑھے آرام سے سو رہے تھے۔ میں سبز گھاس پر لیٹا کئی سوالوں پر غور و فکر کر رہا تھا۔ کیا حقیقت حسن ہے؟ اور کیا حسن حقیقت ہے؟ میرا تخیل مجھے اس دنیا سے کہیں دور لے گیا اور اس نے مادیت کے پردے میری نظروں سے ایک دم ہٹا دیئے جو میری اصلیت کو چھپائے ہوئے تھے۔ میری روح میں بالیدگی پیدا ہو گئی اور میں فطرت اور اس کے اسرار کے قریب تر ہو گیا۔

میرے کان فطرت کی زبان سے آشنا ہو گئے۔

میں انہیں خیالوں میں غرق گھاس پر لیٹا غور و فکر میں مصروف ہو گیا کہ اتنے میں بادِ نسیم کا ایک ہلکا سا جھونکا درختوں اور شاخوں سے ہوتا ہوا میرے پاس سے گزر گیا۔ میں نے اس جھونکے کو ایک بھولے بھٹکے یتیم بچے کی طرح آہیں بھرتے سنا۔

"اے بادِ نسیم تو آہیں کیوں بھرتی ہے؟" میں نے پوچھا۔

بادِ نسیم نے جواب دیا۔ اس لئے کہ میں شہر سے لوٹ کر آ رہی ہوں۔ جس کی سڑکیں سورج کی گرمی کی وجہ سے ابھی تپ رہی ہیں۔ مختلف بیماریوں کے جراثیم نرم و نازک اور پاکیزہ لباس کے ساتھ چمٹ گئے ہیں۔ کیا تم اب بھی آہیں بھرنے کا طعنہ دیتے ہو؟"

پھر میں نے پھولوں کے اشک آلود چہروں کی طرف دیکھا وہ بھی آہستہ آہستہ سسکیاں لے رہے تھے۔

"اے حسین و جمیل پھولو! کیوں روتے ہو؟" میں نے سوال کیا۔

ایک پھول نے اپنا نرم و نازک سر اوپر اٹھایا اور سرگوشی کے لہجے میں کہنے لگا۔

"ہم اس لئے روتے ہیں کہ ابھی کوئی شخص آئے گا اور ہمیں توڑ کر لے جائے گا۔ پھر ہمیں

شہر کی منڈی میں فروخت کردے گا۔"

پھر ایک دوسرے پھول نے کہا "جب شام کے وقت ہم مرجھا جائیں گے تو کوئی ہمیں اٹھا کر کوڑے کرکٹ کے ڈھیر پر پھینک دے گا۔ ہم اس لئے روتے ہیں کہ انسان کا ظالم ہاتھ ہمیں جلاوطن کردیتا ہے۔

پھر میں نے ندی کو بیوہ کی طرح آہ زاری کرتے سنا جو اپنے اکلوتے بچے کی موت پر ماتم کررہی ہو۔ "اے پاکیزہ پانی کی پیاری ندی بھلا تو کیوں روتی ہے؟" میں نے ہمدردی سے سوال کیا۔

یہ سن کر ندی نے کہا "میں اس لئے روتی ہوں کہ انسان نے مجھے شہر جانے پر مجبور کردیا ہے۔ وہ مجھے گندی نالیوں میں ڈال کر میری پاکیزگی کو ملوث کرتا ہے اور میری صفائی قلب کو نجاست سے پلید کرتا ہے۔"

اور پھر میں نے پرندوں کو بھی آہیں بھرتے سنا۔ اور میں نے پوچھا کہ اے پیارے پرندو! تمہیں کیا دکھ ہے؟ تم کیوں آہیں بھرتے ہو؟ ان میں سے ایک پرندہ اڑ کر آیا اور میرے نزدیک آکر درخت کی شاخ پر بیٹھ گیا اور کہنے لگا۔

ابن آدم ابھی مہلک ہتھیاروں سے مسلح ہو کر اس کھیت میں آپہنچے گا اور ہم پر اس طرح حملہ آور ہوگا جیسے ہم سچ مچ اس کے دشمن ہیں اس وقت ہم ایک دوسرے کو الوداع کہہ رہے ہیں کیونکہ ہم نہیں جانتے کہ آج شام کو ہم میں سے کون کون صحیح سلامت گھر لوٹے گا اور کون کون موت کا شکار ہو چکا ہوگا۔ ہم جہاں جاتے ہیں، موت ہمارا پیچھا نہیں چھوڑتی۔"

اب پہاڑیوں کے پیچھے سورج طلوع ہو رہا ہے اور درختوں کی چوٹیوں پر اپنی سنہری کرنیں بکھیر رہا ہے۔ میں نے اس سراپا حسن کی طرف دیکھا اور کہا۔

"جس چیز کو دست فطرت نے جنم دیا ہے۔ انسان اس کو برباد کیوں کرتا ہے۔"

☆☆☆☆☆

موسیقی

میں اپنی محبوبہ کے پاس بیٹھا اس کی باتوں کا لطف اٹھا رہا تھا۔ یکا یک میری روح لامحدود خلاؤں میں جہاں کائنات ایک خواب اور جسم ایک تنگ و تاریک قید خانہ نظر آتا ہے، گھومنے لگی۔

میری محبوبہ کی مسحور کن آواز میرے دل کی گہرائیوں میں اترنے لگی۔ اے میرے دوست یہ بھی ایک نغمہ ہے۔ میں نے یہ نغمہ اپنی محبوبہ کی سانسوں اور ان الفاظ میں سنا جو ابھی زیر لب تھے۔

میں نے اپنی قوت سماعت کے ذریعے اپنی محبوبہ کے دل کا مشاہدہ کر لیا۔

اے میرے دوستو! موسیقی روحوں کی زبان ہے۔ اس کے نغمات شوخ شنگ بادنسیم کر طرح ہیں۔ جو دل کے تاروں میں محبت کا ارتعاش پیدا کرتے ہیں۔ جب موسیقی کی نرم و نازک انگلیاں جذبات کے دروازے پر دستک دیتی ہیں تو وہ ان تمام یادوں کو تازہ کر دیتی ہیں جو اس سے پہلے ماضی کے پردوں میں چھپی ہوئی ہوتی ہیں۔ موسیقی کی افسردہ لہریں افسوس ناک واقعات کی یاد دلاتی ہیں اور طربیہ سریں مسرت و خوشی کے لمحات کو تازہ کرتی ہیں۔ کبھی یہ سریں کسی عزیز و اقارب کے سانحہ ارتحال کی یاد دلاتی ہیں اور کبھی یہی سریں ہماری مسکراہٹ کا باعث بنتی ہیں۔

روح موسیقی کی جان ہے اور دل اس کا ذہن ہے۔ جس وقت خدا نے انسان کو پیدا کیا تو اس نے موسیقی کی زبان بھی عطا کی جو باقی زبانوں سے مختلف تھی۔ شروع کا انسان جنگلوں میں گیت گاتا رہا۔ موسیقی کی عظمت و شان کے گیت سن کر بادشاہوں کے دل جنگلوں کی طرف کھینچنے لگے اور بہتوں نے اپنے تخت چھوڑ کر جنگل کی راہ لی۔

ہماری روحیں نرم و نازک پھولوں کی طرح ہیں جن کا وجود تقدیر کی ہواؤں کے رحم و کرم پر ہے وہ صبح کے وقت بادنسیم کے سامنے کانپتی ہیں اور جب شبنم پڑتی ہے تو اپنی

گردنیں جھکا لیتی ہیں۔

پرندوں کے نغمے انسان کو نیند سے بیدار کرتے ہیں۔ اور اس ابدی عقل کی تسبیح میں شریک ہونے کی دعوت دیتے ہیں جن سے پرندوں کے نغمے پیدا کئے۔

یہ نغمات سننے کے بعد ہم اپنے آپ پرانی کتابوں سے مخفی اسرار اور ان کے معانی پوچھنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

جب پرندے گاتے ہیں تو کیا وہ باغیچوں، کھیتوں اور پھولوں کی آوازیں دیتے ہیں؟ یا وہ درختوں اور پودوں سے مصروف تکلم ہوتے ہیں۔ اور یا پھر کیا وہ ندیوں کی صدائے بازگشت ہیں؟ انسان باوجود اپنے علم و فضل کے یہ سمجھنے سے قاصر ہے کہ پرندے کیا کہتے ہیں۔ نہ وہ سمجھ سکتا ہے کہ ندی کیا گنگناتی ہے۔ وہ یہ بات سمجھنے کے قابل نہیں ہے کہ سمندر کی لہریں ساحل سے بار بار لپٹ کر کیا سرگوشیاں کر رہی ہیں۔

انسان اپنی عقل و خرد اور فہم و ادراک کے باوجود یہ نہیں جان سکتا کہ بارش کے قطرے درختوں کے پتوں سے ہمکنار ہو کر یا کھڑکیوں کے شیشوں پر دستک دے کر کیا گفتگو کرتے ہیں۔ وہ یہ راز بھی سمجھنے سے قاصر ہے کہ بادِ نسیم پھولوں کے کانوں میں کیا پیغام سناتی ہے۔

لیکن انسان کا دل ان تمام جذبات اور ان آوازوں کے تمام تر معانی اور مطالب کو اچھی طرح سمجھتا ہے جو اس کے دل کی گہرائیوں میں وارد ہوتے ہیں۔ حقیقت کل بعض اوقات اس کے ساتھ ایک پراسرار زبان میں ہم کلام ہوتی ہے۔ روح اور فطرت دونوں ایک دوسرے کے انداز تکلم کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ وہ اکثر ہم کلام ہوتے ہیں لیکن انسان چپ چاپ اور خاموشی حیرت زدہ ہو کر ان کی طرف تکتا رہتا ہے۔

کیا بعض اوقات انسان ان آوازوں کو سن کر رو نہیں کر دیتا اور کیا اس کے یہ آنسو اس کے فہم و ادراک کی فصاحت کا اظہار نہیں ہوتے؟

وجالی موسیقی!

روح محبت کی دختر!

تلخ وشیریں جام!

انسانی قلوب کا خواب اور رنج والم کا ثمر

مسرت کا پھول جذبات کی شگفتگی اور خوشبو۔

محبت کرنے والوں کی زبان اور منکشف اسرار

چھپی ہوئی محبت کے آنسوؤں کی ماں

شاعروں، موسیقاروں اور فنکاروں کا وجدان

الفاظ کے انتشار میں وحدت فکر

حسن کی دولت سے محبت بخشنے والی

اعلیٰ دلوں کو خوابوں کی دنیا عطا کرنے والی

سپاہیوں کی حوصلہ افزائی کرنے والی روحوں کو قوی تر بنانے والی بحر ترحم وشفقت

اے موسیقی!

تمہاری گہرائیوں میں اپنے قلب ونظر ڈبو دیتے ہیں

تو نے ہمیں کانوں کے ذریعے دیکھنا اور دلوں کے ذریعے سننا سکھایا ہے

☆☆☆☆☆

مرشد کا فرمان

دو ہفتے کے بعد وہ سخت بیمار پڑ گیا اور اس کے چاہنے والوں کا ایک بے پناہ ہجوم اس کی تیمارداری کے لئے اس کے گھر پر جمع ہونے لگا۔ جب یہ ہجوم باغ کے دروازے پر پہنچا تو لوگوں نے دیکھا کہ ایک پادری اور ایک ڈاکٹر اس کے کمرے سے باہر نکل رہے تھے اور اس کا ایک عزیز شاگرد بھی ان کے ساتھ ہے۔ شاگرد نے نزدیک آ کر ہجوم کو مخاطب کرتے ہوئے بتایا کہ ان کا محبوب راہی ملک بقاء ہو چکا ہے۔ یہ منحوس اعلان سن کر لوگ آہ زاری کرنے لگے لیکن اس کا شاگرد خاموش کھڑا رہا۔ اس کی آنکھ نے ایک آنسو تک نہ گرایا۔

''میرے بھائیو اور ہم وطنو! اس محبوب کی موت کی خبر آپ تک پہنچ چکی ہے۔ لبنان کا وہ غیر فانی مفکر اور دانشور اس وقت ابدی نیند سو رہا ہے۔ اس کی پاکیزہ روح بہشت کی روحوں سے جا ملی ہے اور اس وقت ہمارے سروں پر منڈلا رہی ہے۔ اس کا ماتم نہ کرو اس لئے رونے دھونے کی ضرورت نہیں اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر چکی ہے۔ اور اب دنیا کے رنج و محن سے بالکل آزاد ہے۔

وہ اس مادی دنیا میں جا چکا ہے۔ جہاں کوئی آزار اور صعوبت نہیں ہے۔ اب وہ ایسے مقام پر ہے جہاں ہماری آنکھیں اسے دیکھ نہیں سکتیں ہمارے کان اس کی آواز نہیں سن سکتے۔ اس وقت وہ روحوں کی دنیا میں آباد ہے جہاں کے رہنے والے اس کے انتظار میں تھے۔ وہ اب ایک نئی کائنات میں علم و فضل کے موتی رول رہا ہے۔ وہ ایسی کائنات ہے جس کے حسن و جمال کی اسے ہمیشہ کشش رہی اور جہاں تکلم اور انداز گفتگو کے لئے وہ ہمیشہ کوشاں رہا۔

اس نے اپنی زندگی میں عظیم کام انجام دیئے اور عمر بھر سوچتا رہا اور غور و فکر میں مصروف رہا اسے محنت و مشقت میں آرام ملتا تھا۔ اسے محبت سے والہانہ لگاؤ تھا۔ اس کے نزدیک کام اور محنت مہر و محبت کی نشانی اور عشق کی مشہور شکل تھی۔

اس کی روح ہمیشہ پیاسی رہی۔ اسے صرف کام اور بیداری میں ہی استراحت ملتی تھی۔ اس کا دل محبت کرنے والا دل تھا جو ہمیشہ مہربانی اور احسان سے معمور رہا۔

یہ تھا اس کی زندگی کا نمونہ جو اس نے دنیا میں گزاری.....

وہ علم و فضل کا سرچشمہ تھا جو ابدیت کے سینے سے پھوٹتا تھا۔ وہ عقل و خرد کی ایک صاف شفاف ندی تھی جو تا زیست انسانی ذہنوں کی سیراب کر کے انہیں سرسبز کرتی رہی۔

لیکن اب وہ دریا ابدی زندگی سمندر سے جا ملا ہے اس کے لئے آہ زاری مت کرو۔ اس کے ارتحال پر آنسو مت بہاؤ۔

ایک حقیقت ہمیشہ یاد رکھو۔ تمہارے آنسوؤں کے وہی لوگ مستحق ہیں جو زندگی کی بارگاہ میں تو حاضر رہتے ہیں لیکن وہ لوگ اپنے ماتھے کے گاڑھے پسینوں سے زمین کو ثمرور بنانے کے لئے اس پر ایک قطرہ تک نہیں گراتے ایسے لوگ جب مر جاتے ہیں تو ان کے لئے رونا دھونا ضروری ہے۔

لیکن وہ محبوب دانشور تو ساری عمر بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود کے لئے کوشاں رہا اور محنت و مشقت کرتا رہا۔ میرے خیال میں تم میں سے کوئی شخص بھی ایسا نہ ہوگا جس نے اس علم و فضل کے سرچشمہ سے اپنی پیاس نہ بجھائی ہو اس لئے اگر اس کی مہربانی اور احسان کے لئے تم کسی کے تشکر و امتنان کا اظہار کرنا چاہتے ہو تو اس کی اچھائی اور نیک نامی بیان کرو۔ اس کے لئے ماتم اور آہ و بکا کی ضرورت نہیں۔ اگر تم واقعی اس کی تعظیم کرنا چاہتے ہو تو اس کی کتابوں سے جہاں وہ علم و حکمت کے موتی بکھیر گیا ہے۔ خوشہ چینی کرو۔ یہ دولت وہ تمہارے لئے ہی چھوڑ گیا ہے۔

ایک دانشور اور مفکر تم سے کسی چیز کا طالب نہیں ہے۔ اگر تم میں کچھ ہمت ہے تو آگے بڑھ کر اس سے کچھ حاصل کر لو۔ وہ علم و حکمت کی دولت لٹانے آیا تھا۔ اس کی تعظیم و توقیر کا یہی ایک طریقہ ہے۔ اس لئے اس کا ماتم نہ کرو بلکہ اس کی عقل و خرد

کے چشمے سے اپنی پیاس بجھانے کی سعی کرو۔ اگر تم ایسا کر سکو تو اس کی خدمت میں یہ ایک عظیم خراج تحسین ہوگا۔"

اس کے شاگرد کی یہ پر حکمت باتیں سن کر ہجوم منتشر ہو گیا اور اپنے گھروں کو لوٹنے لگا۔ اب لوگوں کے ہونٹوں پر تبسم تھا اور ان کے دل تشکر سے معمور تھے۔

ہجوم منتشر ہو چکا تھا اب وہ بالکل یکہ و تنہا رہ گیا لیکن تنہائی اسے کسی طرح پریشان نہ کر سکتی تھی کیونکہ اس کے مرشد کی آواز اس کے کانوں میں گونج رہی تھی اور جد و جہد جاری رکھنے کے لئے اس کی حوصلہ افزائی کر رہی تھی۔ اس کے سامنے ابھی بہت کام تھا۔ ابھی اس نے اپنے استاد مرشد کا تمام علم و حکمت لوگوں کے دل و دماغ میں راسخ کرنا تھا اور یہ تمام دولت اس نے ان لوگوں میں لٹا دینی تھی جو رضا و رغبت حکمت کے موتی چننے کے آرزومند تھے وہ کئی گھنٹے اس باغ میں اپنے پیر و مرشد کی تحریروں کو پڑھتا رہا۔ جن میں اس نے علم و حکمت کے موتی بکھیر رکھے تھے۔ اس کام میں اسے کئی دن لگ گئے۔

ایک روز وہ شہر بیروت میں گھوم رہا تھا کہ بازار میں اس کے گرد لوگوں کا ایک ہجوم سا جمع ہو گیا۔ وہ وہاں سے چل کر ایک شاہراہ پر کھڑا ہو گیا۔ ہر لحظ کو لوگ اس کے گرد جمع ہوتے گئے پھر وہ لوگوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

اے لوگو! میرے دل کا درخت بار ثمر سے بوجھل ہو رہا ہے۔ تم سب کو دعوت ہے۔ آؤ اور اس دعوت سے فائدہ اٹھا لو اور فائدہ اٹھا لو کہ میرے دل کے بوجھ کو ہلکا کرو۔ میری روح چاندی سونے کے ان خزائن کے بار کے نیچے تھک چکی ہے۔ اے چھپے ہوئے خزانوں کو ڈھونڈنے والو!

آؤ آج اپنی جیبیں بھر لو تا کہ میرا بوجھ ہلکا ہو ..... میرا دل صدیوں پرانی شراب سے لبریز ہے۔ اے پینے والو آج تمہیں کھلی دعوت ہے اپنی تشنہ لبی دور کر لو۔

ابھی کل کا واقعہ ہے میں نے ایک معبد کے دروازے پر ایک امیر آدمی کو دیکھا اس کے دونوں ہاتھ جواہرات سے بھرے ہوئے تھے وہ ہاتھ پھیلا کر پکار پکار کر لوگوں سے کہہ رہا تھا۔ ''مجھ پر رحم کھاؤ۔ یہ جواہرات مجھ سے لے جاؤ۔ ان قیمتی پتھروں نے میری روح کو بیمار کر رکھا ہے۔ اس پتھروں نے میرے دل کو سخت کر دیا وہ مجھ پر رحم کرو اور ان پتھروں کو مجھ سے چھین کر لے جاؤ۔

لیکن کسی راہ گیر نے اس کی طرف توجہ نہ کی۔

میں نے اس شخص کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا اور پھر میں نے خود کو مخاطب کر کے کہا ''کیا اس شخص کے لئے بہتر نہ تھا کہ وہ بالکل مفلس ہوتا۔ وہ بیروت کی گلیوں میں ادھر ادھر بھیک مانگتا پھرتا اور شام کو خالی ہاتھ گھر واپس آجایا کرتا۔''

مجھے دمشق کے ایک امیر اور کشادہ دست شیخ کا واقعہ یاد آ گیا۔ پہاڑ کے دامن میں ایک مقام پر اس کے خیمے نصب تھے۔ وہ ہر شام اپنے ملازموں کو دور دور تک بھیجتا کہ اگر کوئی تھکا ماندہ مسافر ملے تو اس کو اپنے ہاتھ لے آئیں۔ اور پھر گھر میں اس کے کھانے پینے اور آرام کا بندوبست کریں۔ لیکن ماس لق و دق صحرا میں انہیں کوئی مسافر نہ ملتا۔ وہ اپنے آقا کے پاس سے نیل و مرام لوٹتے اور اس شیخ کے گھر کوئی مہمان نہ آتا۔

پھر مجھے لبنان کے حاکم کی دختر کی کہانی یاد آ گئی۔ ایک صبح وہ خواب ناز سے اٹھی۔ وہ ایک قیمتی پیرہن میں ملبوس تھی۔ اس کے بال مشک و عنبر سے معطر تھے اور بدن پر خوشبوئیں جھڑکی ہوئی تھیں۔ وہ اپنے باپ کے باغ میں ٹہل رہی تھی۔ دراصل وہ اپنے عاشق کی تلاش میں تھی۔ شبنم کے موتیوں نے جو گھاس کی مخمل کو مزین کر رہے تھے۔ دراصل وہ اپنے عاشق کی تلاش میں تھی۔ شبنم کے موتیوں نے جو گھاس کی مخمل کو مزین کر رہے تھے۔ اس کیخ پیرہن کے گھیرے کو قدرے مرطوب کر دیا تھا۔ لیکن افسوس کہ کوئی شخص بھی اس کا عاشق بننے کو تیار نہ تھا۔ اس کے باپ کی رعیت کی کوئی

شخص بھی اس کی محبت کا دم بھرنے کو تیار نہ تھا۔

میں اس لڑکی کے حالات پر غور کرنے لگا تو میری روح نے مجھ سے کہا۔

"حاکم کی دختر ہونے کی بجائے اس لڑکی کے لئے کہیں بہتر بات تھی کہ وہ کسی سادہ لوح دہقان کی بیٹی ہوتی۔ سارا دن وہ اپنے باپ کی بھیڑ بکریاں چرایا کرتی اور شام کے وقت چراگاہ سے انہیں باڑے میں ہانک کر لایا کرتی اور دھرتی کی خوشبوؤں اور مانگوروں کے باغوں میں گذریوں کے لباس میں گھومتی پھرتی اور کبھی کبھی موقع پا کر اپنے باپ کی جھونپڑی سے اٹھ کر رات کی خاموشی میں اپنے محبوب کو ملنے چل کھڑی ہوتی اور اس کا محبوب گاتی ہوئی ندی کے کنارے بیٹھا اس کا انتظار کر ہوگا۔"

"اے لوگو! میرے دل کا درخت ثمر سے بوجھل ہو رہا ہے آج تم سب کو دعوت ہے آؤ اس ثمر سے اپنی بھوک دور کر لو میری روح صدیوں پرانی شراب سے معمور ہے اے پینے والو تمہیں کھلی دعوت ہے اپنی تشنہ لبی دور کر لو۔

اے کاش میں ایسا درخت ہوتا جس پر نہ پھول کھلتے اور نہ ہی ثمر دار ہوتا کیونکہ ثمر دری کی صعوبت بے ثمر ہونے کی تلخی سے کہیں زیادہ تکلیف دہ ہے ایک کشادہ دست امیر کا رنج و غم ایک مفلس کی حالت زار سے کہیں زیادہ ہولناک ہوتا ہے .....اور یا پھر میں ایک اندھا کنواں ہوتا جس کو کسی شخص نے اپنے پاؤں تلے روند دیا ہو۔ کیونکہ ایک ٹوٹی پھوٹی بانسری ایک ایسے شخص کے گھر میں پڑے ستار سے کہیں بہتر ہے جس کی انگلیاں زخمی ہو گئی ہوں اور اس کے گھر والے گونگے اور بہرے ہوں۔

اے میری مادر وطن کے بچو! میری باتیں دھیان سے سنو۔ یا تیں اسی محبوب دانشور کی ہیں۔ ان باتوں کے لئے اپنے دلوں کے گوشوں میں تھوڑی سی گنجائش پیدا کر لو اور اپنی روح کے باغ میں علم و حکمت کے بیج کو پھلنے پھولنے کا موقعہ دو کیونکہ یہ

ایک عظیم نعمت ہے۔

سارے ملک میں اس کے شاگرد کی شہرت ہوگئی اور کئی لوگ دوسرے ملکوں سے اس کے استاد مکرم کی باتیں سننے کے لئے اس کے پاس آتے اور اس کی عزت کرتے

۔

حکماء ماہرین قانون و شاعر فلسفی اس کے گرد جمع رہتے اور جہاں کہیں وہ مل جاتا اس سے سوال پوچھتے اور وہ نہایت خوبصورت اور دلکش انداز میں علم و حکمت کی دولت تقسیم کرتا۔

وہ ان کے ساتھ زندگی اور حقائق زندگی کے متعلق گفتگو کرتا اور بیان کرتا کہ انسان سمندر کی جھاگ کی مانند ہے جو پانی کی سطح پر ادھر ادھر تیرتی ہے جب ہوا چلتی ہے تو یہ جھاگ غائب ہو جاتی ہے اور اس طرح غائب ہو جاتی ہے۔ جیسے اس کا کہیں وجود ہی نہ تھا۔ اس طرح ہماری زندگیاں موت کے حوالے ہو جاتی ہیں.....

زندگی بجائے خود زندگی کی حقیقت ہے۔ زندگی کی ابتداء ماں کے رحم ہی سے نہیں ہوتی اور نہ ہی قبر اس کی آخری منزل ہے۔ جن ماہ سال کا ہم یہاں شمار کرتے ہیں وہ ابدیت کی نظر میں زیادہ حیثیت نہیں رکھتے اور یہ مادیت اور اس کی ساری کائنات اس بیداری کے مقابلے میں جس کو عرف عام میں ہم موت کہتے ہیں، محض ایک خواب ہے۔

ایتھر ہمارے دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی ہر آواز کو ہر تبسم اور غم کی ہر سرد آہ کو اپنے ساتھ لے جاتا ہے اور اس کی بازگشت کو قائم رکھتا ہے اور یہ صدائے بازگشت پھر ہر اس بوسے کے ساتھ جس کا منبع مکمل خوشی ہوتی ہے تاثر کا اظہار کرتی ہے۔

فرشتے غم و افسردگی میں بہائے ہوئے ہر آنسو کا حساب رکھتے ہیں اور حسرت و انبساط میں گائے ہوئے محبت کے نغمے کی ان روحوں کے کانوں تک پہنچاتے ہیں جو لامحدود فضاؤں میں منڈلاتی پھرتی ہیں۔

موت کے بعد آنے والی زندگی میں ہم اپنے جذبات کو تاثر دیکھیں گے اور اپنے دل کی دھڑکنوں کو محسوس کریں گے۔ ہم اپنے اندر الوہیت کے پرتو کا مشاہدہ کریں گے اور ان مطالب کا ادراک کر سکیں گے جن کا ذکر آج ہم محض حیرت و مایوسی کی وجہ سے آہانت آمیز الفاظ میں کرتے ہیں۔

وہ کام جن کو ہم آج غلطی سے کمزوریوں سے تعبیر کرتے ہیں کل انسانی ارتقاء میں ایک نہایت ضروری کڑی کی حیثیت سے نظر آئیں گے۔

اور جن ظلم و ستم کو برداشت کرنے کی ہمیں کوئی جزا نہیں ملی وہ جزا کل ہماری عظمت بن کر چمکے گی اور ہماری سربلندی کا اعلان کرے گی اور وہ صعوبتیں جن کو ہم نے خندہ پریشان سے برداشت کیا وہی صعوبتیں کل ہماری کامیابی سہرا بن کر ہمارے سروں کی زینت بنیں گی۔

یہ کہہ کر اس کا شاگرد دن بھر کی محنت کی وجہ سے جسم کو آرام پہنچانے کو سوچنے لگا کہ اچانک اس اس کی نظر ایک نوجوان پر پڑی جو حیرت و استعجاب سے ایک حسین و جمیل لڑکی کو تک رہا تھا۔

اس محبوب مفکر کے شاگرد نے اس نوجوان کو مخاطب کر کے کہا

"کیا تم مختلف مذاہب کی وجہ سے حیرت زدہ ہو۔ کیا تم متضاد ایقان و ایمان کی وادی میں کھو گئے ہو؟ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ لامذہبیت کی آزادی تسلیم و رضا کے قلعہ سے زیادہ مضبوط پناہ گاہ ہے؟"

"اگر معاملہ یہی ہے تو تم حسن کو اپنا مذہب بنا لو اور اس کی پرستش کرو۔ حسن خدا کی صنعت و قدرت کا بہترین مشہور نمونہ ہے۔ ان لوگوں کی طرف دھیان نہ کرو جو محض اپنی طمع نفسانی اور غرور و تکبر کی تسکین کے لئے حسن کے قریب لیجایا جائے گا۔ عورت مرد محبت کا آئینہ ہے اور عورت ہی قلب و نظر کی معلّمہ ہے اور اس کارگاہ ہستی میں تمہاری رہنمائی بھی ہے۔"

ابھی تک مجمع منتشر بھی نہیں ہوا تھا اس نے لوگوں کو ایک دفعہ پھر مخاطب کیا اور کہنے لگا۔

"دنیا میں دو قسم کے لوگ آباد ہیں۔ ایک وہ ہیں جو گزرے ہوئے کل کے ہیں اور کچھ وہ ہیں جو آنے والے کل سے تعلق رکھتے ہیں۔ اے میرے بھائیو! تم کس زمرے سے تعلق رکھتے ہو آج تمہیں ذرا نزدیک سے دیکھوں گا اور معلوم کرنے کی کوشش کروں گا آیا تم روشنی کی دنیا میں رہنے والے ہو یا ظلمت کی کی دیواروں کے باشندے ہو۔ آؤ مجھے بتاؤ کہ تم کیا ہو اور کون ہو؟

کیا تم وہ سیاست دان ہو اور اپنے دل میں کہتے ہو کہ "میں اپنے **ملک** کو اپنے ذاتی مفاد کے لئے استعمال کروں گا۔ اگر یہی بات ہے تو تم سیاست دان ہرگز نہیں ہو۔ تم تو جونک ہو، دوسروں کے جسم و جان کا جوس کر زندگی گزارنا چاہتے ہو اور پھر کیا تم وہ محبِ وطن ہو جو سرگوشی کے لہجے میں خود کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ میں **ملک** و قوم کا خادم ہوں اور یہی خدمت میری عظمت اور سربلندی کی نشانی ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو ایک عظیم شے ہو تم لق و دق صحراء میں سرد پانی کا ایک چشمہ ہو جہاں ہر راہ گیر اپنی پیاس بجھا سکتا ہے۔

یا پھر تم وہ تاجر تو نہیں جو لوگوں کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھا کر چیزوں کی کئی گناہ قیمتیں وصول کرتے ہیں اور دن رات لوگوں کی جیبوں پر ڈاکہ ڈالتے ہیں اگر یہی بات ہے تو تم تاجر تو ہرگز نہیں ہو۔ تم ڈاکو اور راہزن ہو یہ الگ بات ہے کہ قانون کی کوتاہ دستی کی وجہ سے تمہیں قید خانے میں زندگی گزارنے کی بجائے اپنے گھر کا عیش و آرام میسر ہے۔

یا پھر کیا تم ایسے ایماندار آدمی ہو جو ایک باقندے اور دہقان کو اپنی اپنی مصنوعات کا تبادلہ کرنے میں سہولت بہم پہنچاتے ہیں۔ بائع اور مشتری کے درمیان سودا کراتے ہو اور اس عمل سے خود بھی تھوڑا سا فائدہ اٹھا لیتے ہو اور دوسروں کو بھی

فائدہ پہنچاتے ہو۔ اگر تم ایسا کرتے ہوئے تو تم یقیناً ایک جوش اطوار آدمی ہو۔ یہ الگ بات ہے کہ کوئی تمہیں اچھے الفاظ سے یاد کرتا ہے اور کوئی تم پر الزام دھرتا ہے۔

اور یا پھر تم ایسے مذہبی پیشوا تو نہیں ہو جس کے جبہ و عمامہ اور پاکبازی کا سارا انحصار لوگوں کی سادہ لوحی اور اخلاص پر ہو اور صرف ان کی مہربانی اور نیک دلی نے تمہارے سر پر بزرگی کا تاج رکھ دیا ہو لیکن اندرونی طور پر وہ مذہبی پیشوا شیطنت اور بداطواری کا بدترین نمونہ ہوں۔ اگر ایسا ہے تو تم کافر اور لامذہب، اور اس امر سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ تم روزفاقہ کرتے ہو اور ساری رات عبادت میں کھڑے رہتے ہو۔

اگر تم ایک ایسے ایماندار اور مخلص آدمی ہو لوگوں کی نیک دلی سے فائدہ اٹھا کر ملک وقوم کی فلاح و بہبود پر غور کرتا ہے اور جس کی روح حسن کل تک پہنچنے کے لئے ایک قابل اعتماد سیڑھی کا کام دیتی ہے تو تم یقیناً گلشن حقیقت میں سوسن کے ایک پھول کی طرح ہو یہ الگ بات ہے کہ لوگ تمہاری عطر بیزیوں سے فائدہ نہیں اٹھاتے لیکن تمہاری خوشبوئیں ضائع نہیں ہوں گی اور ہوا میں منتشر ہو جائیں گی۔ جہاں ان کا حسن ابدیت تک قائم رہے گا۔

پھر کیا تم اس صحافی کی طرح تو نہیں ہو جو صحافت اصولوں کو منڈی میں لے جا کر انکی بردہ فروشی کرتا ہے اور اپنے جسم و جان کو دروغ بافی اور جسم کی افزائش پر فریفتہ کرتا ہے۔ اگر تم ایسا کرتے ہو تو تمہاری مثال اس گدھ کی طرح ہے جو مردہ لاشوں سے اپنا پیٹ بھرتا ہے۔

اور پھر کیا تم ایسے معلم ہو جس نے تاریخ کا مطالعہ کر کے پرانی عظمتوں سے وجدان حاصل کرنے کی کوشش کی ہو۔ لوگوں کو سربلندی اور نیکی کی تعلیم دیتا ہو اور خود بھی اس تعلیم پر عمل کرتا ہو۔ اگر ایسا ہے تو تمہاری ہر سانس زندگی بخش ہے تمہارا وجود بنی نوع کے زخمی دلوں کے لئے مرہم سے کم نہیں۔

اگر تم حاکم ہو اور اپنے ماتحتوں کو نفرت اور اہانت کی نظر سے دیکھتے ہو اور ہمہ وقت اپنے مفاد کی خاطر ان کی جیبوں پر ڈاکہ ڈالتے رہتے ہو تو خرمن قوم پر تمہاری حیثیت دھڑے اور کٹوتی سے کم نہیں۔

اگر تم ایک ایسے خاوند کی طرح ہو جو اپنی غلطی کو تو قانون کا لبادہ پہنا دیتا ہو لیکن اپنی بیوی کی معمولی سی لغزش کو قابل تعزیر قرار دیتا ہو تو تم ابھی تک ان وحشیوں کی سی زندگی بسر کر رہے ہو جو غاروں میں رہتے تھے اور اپنے جسموں کی برہنگی کو جانوروں کی کھالوں سے ڈھانپتے تھے۔

لیکن اگر تم وفادار رفیق زندگی ہو اور اپنی بیوی کو مونس وغم خوار سمجھتے ہو جو تمہارے غور وفکر وجدان اور کامرانی میں ہمہ وقت شریک رہتی ہے تو تمہاری عظمت اور برتری صبح زندگی میں ہی انصاف عقل وخرد معاملہ فہمی کی انتہائی چوٹیوں کو چوم رہی ہے۔

اگر تم ایک ایسے مصنف کی طرح ہو جو عوام میں کھڑا ہو کر تو اپنے سر کو اونچا رکھنے کی کوشش کرتا ہے لیکن اس کا دماغ پرانے خیالات کے قعر مذلت میں گرا ہوا ہے اور پرانے چیتھڑوں اور از کار رفتہ چیزوں سے ملوث ہو چکا ہے تو تمہارا وجود محض پائین کے ایک گلے سڑے بدبو دار جوہڑ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔

لیکن اس کے برعکس اگر تم ایک سنجیدہ مفکر کی طرح ہو جو اپنے اندرونی جذبات کا محاسبہ کرتا ہے اور پھر غلط کاذب اور بے کار خیالات کو نکال باہر کر کے مفید اور پاکیزہ جذبات کو الگ کر لیتا ہے تو تمہارا وجود بھوکوں کے لئے معیاری طعام مہیا کرے گا اور پیاسوں کی تشنہ لبی کو دور کرے گا۔ اور پھر کیا تم ایک ایسے شاعر کی طرح تو نہیں جو صرف شور وغل کا خوگر ہو۔ لیکن اصلی جذبات سے عاری ہو۔ اگر ایسا ہے تو تمہاری حیثیت ان مسخروں سے زیادہ نہیں جو روتے وقت ہمیں ہنسنے پر مجبور کرتے ہیں اور جب وہ ہنستے ہیں تو ہمیں رونا آتا ہے۔

اگر تم ان خوش قسمت لوگوں میں سے ہو جن کی روحوں کے ہاتھ میں اس ذات

بے ہمتا نے سرمدی نغموں کا ساز دے رکھا ہے تا کہ وہ لوگوں کو زندگی اور حسن زندگی کے قریب لاتے رہیں تو تمہارا وجود ہمارے دلوں کی ایک شیریں آرزو ہے۔ تمہاری روح ہمارے خوابوں کی حسن تعبیر ہے۔

اے میرے دوستو! اس طرح ساری دنیا دو حصوں میں منقسم ہے۔ یہ دو حصے دو ستونوں کی طرح ہے۔ ایک ستون بوسیدہ اور جھکا ہوا ہے جو لوگ اس ستون کا سہارا لے کر سفر زندگی شروع کرتے ہیں وہ زندگی کی راہوں میں قدم قدم پر تکان اور پژ مردگی کی وجہ سے ہنستے ہیں اور اسی طرح محسوس کرتے ہیں جیسے وہ کسی پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ رہے ہو۔ لیکن حقیقت یہ ہوتی ہے کہ وہ اکثر ذلت کی گہرائیوں کی طرف جا رہے ہوتے ہیں۔

دوسرا ستون محکم ہے اس میں جوانی ہے وہ اپنے پاؤں پر چلتا نہیں بلکہ اڑتا ہے۔ اس کے ہونٹ زندگی کے نغموں سے معمور ہیں اور وہ کامرانی کی چوٹیوں کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے جیسے کوئی طلسمی قوت اسے چوٹیوں کی طرف کھینچے لئے جا رہی ہو۔

اب تم ہی بتاؤ کہ زندگی کیان دو جلوسوں میں سے تم کس کے ساتھ ہو؟ رات کی خاموشی میں جس وقت تم بالکل تنہا ہو گے تو اس سوال کا جواب ضرور تلاش کرنا جب تم اس سوال کا جواب ڈھنڈ لو گے تو تمہیں خود بخود اس امر کا ادراک ہو جائے گا کہ آیا تمہارا تعلق گزرے ہوئے کل سے ہے یا آنے والے آزاد کل کے ساتھ۔''

یہ کہہ کر اس شاگرد اپنی آرام گاہ میں چلا گیا۔ اور کئی مہینوں تک لوگوں سے الگ تھلگ ہیں پڑا رہا۔ وہ تنہائی میں اپنے استاد مکرم کی تحریروں اور کتابوں کا بنظر عمق مطالعہ کرتا رہا۔ ہر وقت غور فکر میں مستغرق رہتا اور اپنے مرشد کے خیالات کی گہراؤں تک پہنچنے کی کوشش کرتا۔ لیکن پھر بھی بہت سی باتیں ایسی تھیں جو اس کے فہم و ادراک سے باہر تھیں لیکن اس نے تہیہ کر لیا کہ وہ اس وقت تک پہنچانے کے قابل نہ ہو جائے چنانچہ اب وہ دنیا و مافیہا سے قطعاً بے خبر ہو کر تحصیل علم میں مصروف ہو گیا۔

اس کے بہت سے مداح اس سے ملاقات کرنے کی کوشش کرتے لیکن انہیں ناکام لوٹنا پڑتا۔ ایک دفعہ لبنان کے حاکم نے دعوت دی کہ وہ آ کر سرکاری افسروں کو مخاطب کرے لیکن اس نے اس عظیم دعوت کو بھی قبول نہ کیا اور کہا کہ میں عنقریب سب کے لئے ایک پیغام لے کر حاضر خدمت ہوگا۔ ابھی قبول نہ کیا اور کہا میں عنقریب سب کے لئے ایک پیغام لے کر حاضر خدمت ہوں گا۔ ابھی بہت مصروف ہوں۔'' چنانچہ حاکم نے عام اعلان کے ذریعے ایک فرمان جاری کر دیا کہ جس روز وہ تحصیل علم سے فارغ ہو کر باہر آئے لوگ گرم جوشی سے ان کا استقبال کر کے اس کی عزت و توقیر کریں۔

چنانچہ جس روز وہ اپنی آموزش گاہ سے باہر آیا تو سارے ملک میں عام تعطیل ہوگئی۔ لوگوں نے خوشیاں منائیں۔ اور اب محبوب منکر اور دانشور کے شاگرد نے لوگوں کی مخاطب کیا اور عوام کو محبت اور رواداری کی تلقین کی اب اسے نہ کوئی جلاوطنی کی دھمکی دے سکتا تھا اور نہ ہی اسے مذہبی برادری سے خارج کر سکتا تھا۔ اس کے استاد مکرم کے ساتھ اس کے برعکس سلوک ہوا تھا۔ وہ جلاوطن بھی ہوا تھا اور اس کو مذہبی برادری سے بھی نکال باہر کیا تھا لیکن اس کے شاگرد کے الفاظ اب سارے لبنان میں نہایت عزت و توقیر سے سنے جا رہے تھے۔ بعد میں اس کی تقریریں کتابوں میں چھپ گئیں اور دور دراز ملکوں تک پہنچ گئیں۔

☆☆☆☆☆

افکار پریشاں

زندگی ہمیں اٹھائے پھرتی ہے اور مختلف مقامات کی تیر کراتی ہے۔ تقدیر کا ہاتھ ہمارے مقامات کے لفظوں کو تبدیل کرتا رہتا ہے۔ ہم ان دونوں طاقتوں کے درمیان بالکل لاچار اور بے بس ہیں۔ ہم زندگی کے راستوں میں ہولناک آوازیں سنتے ہیں اور ہمیں صرف وہی چیزیں دکھائی دیتی ہیں جو ہمارے راستوں میں میں ہولناک دشواریاں بن کر کھڑی ہیں۔

حسن اپنی سربلندی اور عظمت کے تخت پر بیٹھا لطف و کرم کی نگاہوں سے ہماری طرف دیکھتا ہے۔ لیکن ہم صرف اپنی ہوسنا کیوں کی تسکین کی خاطر اس کا قرب حاصل کرتے ہیں اور اس کے سر سے پاکیزگی اور تقدس کا تاج اتار کر پھینک دیتے ہیں اور اپنے غلیظ اور نامبارک کاموں سے اس کی پوشاک کو بدکردار یسے ملوث کر دیتے ہیں۔

محبت شرافت و پاکیزگی کا لباس پہنے ہوئے ہمارے نزدیک سے گزر جاتی ہے۔ لیکن ہم اس سے خوف زدہ ہو کر تاریکیوں میں چھپے ہیں اور یا پھر بوالہوس بن کر اس کا تعاقب کرتے ہیں۔

ہم میں سے زیرک ترین آدمی بھی محبت کے بوجھ تلے دب کر رہ جاتا ے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ محبت کا بوجھ نہیں ہوتا۔ محبت تو ایک ہلکی پھلکی اور بے ضرر سی شے ہے جو لبنان کی باد نسیم کی طرح اٹھکیلیاں کرتی ہے۔

آزادی فکر ہمیں محبت کے دسترخوان پر دعوت دیتی ہے تا کہ وہاں بیٹھ کر لذیذ کھانوں اور پرانی شرابوں سے لطف اندوز ہو سکیں۔ لیکن جب ہم دسترخوان شریک طعام ہوتے ہیں تو ہم جانوروں کی طرح کھانے پر ٹوٹ پڑتے ہیں اور پیٹو بن جاتے ہیں۔

فطرت اپنے بازو پھیلائے ہمیں اپنی طرف بلاتی ہے اور اپنے حسن سے فیض

یاب کرنے کے لئے دعوت نظارہ دیتی ہے لیکن ہم سکوت فطرت سے دور بھاگتے ہیں اور شہروں کے ہجوم میں اس طرح پناہیں ڈھونڈتے ہیں جس طرح بھیڑ بکریاں ایک خونخوار بھیڑیئے سے ڈر کر اپنے باڑوں میں گھس جاتی ہیں۔

معصوم بچے کے تبسم کی طرح پاکیزہ اور محبوب کے بوسے کی طرح مقدس سچائی ہمیں اپنی طرف بلاتی ہے۔ لیکن ہم سچائی کی خیر مقدم کرنے کی بجائے اپنے دلوں کے دروازے بند کر لیتے ہیں اور اس کے ساتھ دشمنوں کا سا سلوک کرتے ہیں۔

انسانی دل مدد کے لئے پکارتا ہے۔ انسانی روح نجات کے لئے استدعا کرتی ہے لیکن ہم ان آوازوں کو سن سکتے ہیں۔ جو شخص ان آوازوں کو سنتا ہے اور پھر ان مقاصد کو سمجھنے کی استعداد رکھتا ہے تم اس کو پاگل کہتے ہو اور اس سے دور بھاگتے ہو۔ غیر محسوس طور پر راتیں آ کر گزر جاتی ہیں۔ پھر دن ہمارا استقبال کر کے ہم سے بغل گیر ہوتا ہے۔ غیر محسوس طور پر راتیں آ کر گزر جاتی ہیں۔ پھر دن ہمارا استقبال کر کے ہم سے بغل گیر ہوتا ہے۔ لیکن ہم پھر بھی شب و روز سے خوف کھاتے ہیں اور اسی طرح ساری زندگی گزار دیتے ہیں۔

ہم صرف اس عالم رنگ و بو میں الجھ جاتے ہیں حالانکہ فطرت کے دل کے دروازے ہمارے لئے ہمہ وقت کھلتے رہتے ہیں۔ ہم زندگی کی روٹی کو پاؤں تلے روند دیتے ہیں حالانکہ بھوک ہر لحظ ہمارے دلوں کو نوچتی ہے۔ زندگی آدمی کے لئے کیا کچھ نہیں کرتی۔ لیکن پھر بھی آدمی زندگی سے کتنا بھاگتا ہے۔

☆☆☆☆☆

دانشمندی

بلا شبہ دانا اور دانشمند آدمی وہی ہے جو تعظیم و کانکساری کے ساتھ خادا کے سامنے جھک جاتا ہے۔ انسان کی اصل وقعت اس کے رنگ نسل وقومیت میں نہیں بلکہ اس کے اچھے کارناموں اور علم وفضل میں ہے۔ اے میرے دوست! اس کو ہمیشہ یاد رکھو کہ قوم وملت کی نظر میں اس گدڑیئے کے لڑکے کی قدر ومنزلت جو صاحب علم وفضل ہے۔ تخت وتاج کے اس وارث سے کہیں زیادہ جو بے علم حکمت ہ۔ تمہارا باپ کسی قوم ونسل سے تعلق بھی رکھتا ہو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تمہاری خاندانی شرافت و برتری کی نشانی صرف تمہارا علم ہے۔

علم وحکمت ہی ایسی دولت ہ جو لٹیروں کے دست برد سے محفوظ رہتی ہے۔ علم و دانش کی جو قندیل آپ کے اندر روشن ہے اور اس کو موت کے سوا اور کوئی چیز مدھم نہیں کرسکتی۔ کسی قوم کی اصل دولت چاندی سونے کے انباروں میں مخفی نہیں اس کی اصل دولت قوم کی دانشمندی علم وفضل اور افراد کی راستی کردار میں ہے۔

روح کی دولت مندی اور تونگری انسان کے چہرے کی حسن ولطافت عطا کرتی ہے اور اس کے کردار میں ہمدردی اور عزت واحترام کے جذبات پیدا کرتی ہے۔ ہر شخص کی روح اس کی آنکھوں اس کے چہرے مہرے اور اس کی جسمانی حرکات و سکنات میں اپنا اظہار کرتی ہیں۔ ہماری شکل وشباہت ہمارے الفاظ اور ہمارے اعمال ہمارے اس گھر کے دریچے ہیں اور ہمارے الفاظ ے پیامبر ہیں۔

علم وحکمت اور سمجھ بوجھ زندگی کے ایسے وفادار ہمسفر ہیں جو تمہارے ساتھ کبھی بے وفائی نہ کریں گے کیونکہ تمہارے سر کا تاج ہے اور سمجھ بوجھ زندگی کے ایسے وفادار ہمسفر جو تمہارے ساتھ کبھی بے وفائی نہ کریں گے کیونکہ تمہارے سر کا تاج ہے اور سمجھ بوجھ تمہارے عصا ہے اور جب یہ دونوں چیزیں تمہارے قبضہ واختیار میں ہوں تو دینا بھر کے خزانے اس کے نیچے ہیں۔

جو شخص تمہارے جذبات کی قدر و قیمت کو سمجھتا ہے تمہارے حقیقی بھائی سے زیادہ قرابت دار اور عزیز رشتہ دار ہے کیونکہ عین ممکن ہے کہ تمہارے اپنے عزیز اقارب تمہیں اچھی طرح سمجھنے سے قاصر ہوں اور تمہاری قدر و منزلت سے ناواقف ہوں۔

بے وقوف و احمق سے دوستی رکھنا کسی شرابی سے بحث کرنے کے مترادف ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تمہیں فہم و ذہانت اور علم و حکمت کے انعامات بخشے ہیں افضال و اکرام کی اس قندیل کو ہمیشہ روشن رکھو اور دانشمندی اور دانائی کی شمع کو ابوالہوسی اور خطا کاریوں کی تاریکیوں میں گل ہونے سے بچاؤ۔ دانشور اسی مشعل سے بنی نوع انسان کی راہیں روشن کرتا ہے۔

یاد رکھو کہ ایک صداقت پسند فرد واحد لاکھوں اندھے اور بے سمجھ معتقدین کے مقابلے میں شیطانی قوتوں ارطاغوتی طاقتوں کو زیادہ موثر طریقے سے شکست دے سکتا ہے اور ذلیل دشمنوں کو اذیتوں میں مبتلا کر سکتا ہے۔ وہ معمولی سا علم جس میں وقت عمل موزن ہے۔ اس وافر علم سے کہیں بہتر ہے جو اپنی صلاحیتوں کو شل کر چکا ہے۔

اگر تمہارا علم اس قابل نہیں کہ وہ انسانی کمزوریوں اور مصیبتوں سے قطع نظر کر کے بنی نوع انسان کو ترقی کی صحیح راہوں پر ڈال سکے تو یقین جانو تمہاری کوئی منزلت نہیں ہ اور قیامت تک تمہارا یہی حشر رہے گا۔

داناؤں اور دانشمندوں کی باتوں کو دھیان سے سنو اور اپنی عملی زندگی میں اس سے فائدہ اٹھاؤ۔ حکمت کی باتیں سن کر ان پر عمل کرو۔ صرف ازبر کر کے تصنع اور بناوٹ سے کام نہ لو کیونکہ جو شخص کسی چیز کی حقیقت کو سمجھے بغیر محض رٹنے کی کوشش کرتا ہے اس کی حیثیت اس گدھے سے بہتر نہیں جس پر کتابیں لادوں گئی ہوں۔

☆☆☆☆☆

محبت اور مساوات

اے میرے مفلس دوست اگر تمہیں اس بات کی آگہی ہو جائے کہ وہ مفلسی اور تنگدستی جو تمہاری غمگینی اور بدنصیبی کا باعث بن گئی ہے۔ دراصل وہی چیز انصاف کے احساس اور زندگی کے رموز کا انکشاف کرتی ہے تو شاید تم اپنی مفلسی کو بھول جاؤ۔

میں نے احساس انصاف کا نام لیا ہے کیونکہ اہل ثروت تو دولت کے انبار جمع کرنے میں مصروف ہیں۔ انہیں تو احساس کے لئے فرصت نہیں ملتی۔

میں نے رموز زندگی کے عرفان کا ذکر کیا ہے کیونکہ طاقتور اور قوی لوگ تو جھوٹے اقتدار اور عظمت کے پیچھے پیچھے پھرتے ہیں اور انہیں فرصت نہیں ملتی کہ وہ سچائی کی صراط مستقیم کی طرف آسکیں۔

اس لئے اے میرے مفلس دوست! تمہیں مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ تمہیں تو اس بات کے لئے خوش ہونا چاہئے کہ تم انصاف کا منبع ہو اور کتاب زندگی ہو تمہیں اس بات سے قانع ہو جانا چاہیے کہ وہ لوگ جو تم پر حکومت کرتے ہیں ان کے لئے تمہارا وجود وجہ نیکی ہے اور جو لوگ تمہاری قیادت کا دم بھرتے ہیں ان کے لئے تمہاری قیادت کا دم بھرتے ہیں ان کے تمہاری ہستی راستی کا کردار کا مینار ہے۔

اے میرے افسردہ دوست! اگر تم ذرا غور سے کام لو تو معلوم ہو جائے گا کہ وہ بدنصیبی جس نے تمہیں میدان جنگ میں شکست دی ہے دراصل وہی چیز قندیل بن کر تمہارے قلب و نظر میں نور فشاں ہے اور اسی قوت نے تمہیں تاریکیوں کے قعر مذلت سے اٹھا کر عظمتوں کے تخت پر بٹھا دیا ہے اگر تمہیں ان حقائق کی آگہی ہو جائے تو یقیناً تم اپنی قسمت پر قناعت کرنا سیکھ جاؤ گے یہ واقعات تمہاری تعلیم و آموزش کا باعث بنیں گے اور تمہیں دانائی اور دانشمندی سے ہمکنار کریں گے۔

زندگی ایک ایسی زنجیر ہے جس میں بے شمار کڑیاں ہیں اور ان کڑیوں میں سب سے اہم کڑی رنج و محن کی ہے جو موجودہ حالات میں تسلیم و رضا کا سبق دیتی ہے اور

مستقبل کے لئے امید ورجبن کر خوشحالی کا وعدہ کرتی ہے۔ رنج ومحن گویا نیند اور بیداری کے رقفے میں سحر کی آمد کا اعلان کرتے ہیں۔

اے میرے رنجیدہ اور مفلس دوست! مفلسی روح کی عظمت اور برتری کی ضامن ہے لیکن سیم وزر اس کی خباثت کا انکشاف ہے۔ غمگینی اور افسردگی تمہارے جذبات میں نرمی اور نزاکت کا باعث بنتی ہے۔ مسرت زخمی دلوں پر مہم رکھتی ہے۔ اگر انسانی زندگی سے غمگینی اور افسردگی کا وجود ختم ہو جائے تو اس کی روح ایک خالی تختی کی طرح رہ جائے گی جس پر سوائے حرص وآز کے نقوش کے اور کوئی بہتر چیز رقم نہ ہوگی۔

اس بات کو ہمیشہ یاد رکھو کہ انسانی نا الوہیت کا پرتو ہے یہ جنس گراں بازار میں سیم و زر کے عوض نہیں ملتی اور نہ ہی دولت کے انباروں کی طرح اس کی اتنی فراوانی ہے۔ آج اہل زر اس الوہیت کی دولت کو لٹا بیٹھا ہے اور اب بوالوسی اور عیش وآرام ہی اس کی زندگی کا مقصد وحید ہے۔

اے میرے دوست! مسرت اور حقیقی خوشی کے وہ چند لمحات جو کھیتوں میں کام کرنے کے بعد شاملو اپنے بال بچوں کے ساتھ گزارتے ہو۔ دنیا بھر کی دولتوں سے زیادہ قیمتی ہیں۔ وفور شوق و انبساط سے معمور وہ سرمدی لمحات ہی دراصل بنی نوع انسان کی خوشیوں اور مسرتوں کا نچوڑ ہیں۔

لیکن وہ زندگی جو حرص وآز کا مارا ہوا بوالہوس دولت مند سیم وزر جمع کرنے میں گزارتا ہے، دراصل قبر کے کیڑے مکوڑوں کی مانند ہے اس کی زندگی سراپا وہراس ہے۔

اس لئے اے میرے افسردہ اور غم زدہ دوست! وہ آنسو جو تم بہاتے رہتے ہو لوگوں کی ہنسی سے زیادہ پاکیزہ اور تضحیک کرنے والوں کے مذاق سے زیادہ شیریں ہیں۔ یہ آنسو دل کی نفرت کے گرد وغبار کو دور کرتے ہیں۔ اور انسان کو شکستہ دل لوگوں کے غموں میں شریک ہونے کی دعوت دیتے ہیں۔ آج جس قوت طاقت کے بیج تم

دولت مندوں اور تونگروں کے لئے بور ہے ہو۔ آنے والے کل میں تم اس کا فائدہ اٹھاؤ گے کیونکہ قانون فطرت کے مطابق با لآخر ہر شے اپنے اصل کی طرف لوٹے گی

۔

رنج وغم کی وجہ سے جو اذیتیں اور تکلیفیں تم نے اٹھائی ہے وہ آنے والے کل میں مسرتوں میں بدل جائیں گی اور آنے والی نسلیں مفلسی اور افسردگی سیحجت اور مساوات کا سبق سکھیں گے۔

☆☆☆☆☆

روشن قندیل

میں آفرینش سے آج تک قائم ودائم ہوں۔ میں قیامت تک موجود رہوں۔ میری ہستی فنا نہیں ہوسکتی۔ انسان کی روح ایک روشن قندیل ہے اور یہ تو اس حقیقت کل کا ایک جزو ہے جسے اس نے آفرینش کے وقت اپنے لامحدود نور سے علیحدہ کردیا تھا۔

اے میرے بھائیو! اپنے کاموں میں ایک دوسرے سے مشورہ کرلیا کرو۔ کیونکہ خطا کاری اور پشیمانی سے نجات حاصل کرنے کا یہی ایک طریقہ ہے۔ تمہارے بھائیوں کی دانشمندی اور دانائی ہی ظلم کے خلاف ڈھال بن سکتی ہے جس وقت تم اپنے بھائیوں کی طرف صلاح ومشورہ نہ کرے حرص اسے اندھا کردیتی ہے وہ سچائی سے ہمکنار نہیں ہوسکتا اس کا انکار اسے سخت گیر اور تعزیز پسند بنا دیتا ہے اور پھر اس کا وجود اپنے بھائیوں کے لئے مستقل خطرہ بن جاتا ہے۔

جس وقت تم کسی معاملہ کو اچھی طرح سمجھ لو تو خندہ پیشانی سے اس کا حل تلاش کرنے کی کوشش کرو کیونکہ جواں مردوں کا یہی شیوہ ہے۔

اپنے سے دانا اور بزرگ لوگوں کے مشورہ پر عمل کرو کیونکہ اس لوگوں کی آنکھوں نے بے شمار گزرے ہوئے سالوں کے چہروں کا بغور مطالعہ کیا ہے اور ان کے کانوں نے زندگ کے تقاضوں کو سنا ہے۔ اگر ان کا مشورہ تمہارے نقطہ نظر سے ناپسندیدہ ہو پھر بھی ان کی باتیں غور سے سنو۔

جو شخص ظالم ہو، غلط کار ہو، گستاخ چشم ہو اور عزت وتوقیر سے دور بھاگتا ہو، اس کی باتوں پر کبھی کان نہ دھرو۔ اس شخص کی حالت قابل رحم ہے جو کسی ظالم اور غلط کار کا مشورہ دیتا ہے۔ کیونکہ ظالموں اور غلط کاروں کے ساتھ تعاون کرنا بدنامی ہے اور کسی غلط اور جھوٹ پر کان دھرنا غداری اور بے وفائی ہے۔

جب تک تم علم وفراست اور قوت فیصلہ سے اچھی طرح مسلح نہ ہو جاؤ کسی کو مشورہ دینے کی کوشش نہ کرو۔

جب کوئی عمدہ موقع اور مناسب وقت نفع کے لئے تمہیں اپنی طرف بلائے تو احتیاط سے قدم بڑھاؤ۔ احتیاط کا مطلب سست رفتاری ہرگز نہیں اگر تم اس پر عمل کرو گے تو غلطیوں کے گڑھوں میں گرنے بچ جاؤ گے۔

اے میرے دوست اس کی طرح مت بنوں جو آرام سے بیٹھا آگ تاپتا ہے لیکن دیکھتے دیکھتے اس کے سامنے ہتھیار ڈالو جو واقع گزر چکا اس کا غم مت کرو کیونکہ جو چیز نا قابل تلافی ہے اس کا اندیشہ بیکار ہے لیکن یہ انسان کی عظیم کمزوری ہے۔

اے میرے بھائی! تم کوئی بھی ہو مجھے تم سے محبت ہے۔ مجھے تمہارے مذہب و ملت سے بھی کوئی سروکار نہیں۔ جو کچھ بھی تم ہو مجھے تم سے محبت ہے میں اور با آخر ایک ہی ہوتے ہیں۔ ایک ہی مذہب کی اولاد ہیں کیونکہ مختلف مذاہب دراصل اس عظیم قابل محبت ہاتھ کی مختلف انگلیاں ہی تو ہیں وہ بھرا ہاتھ ہر شخص کی مدد کے لئے آگے بڑھتا ہے۔ ہر شخص کی روح کی تکمیل کرتا ہے۔ ہر شخص کا خندہ پیشانی سے استقبال کرتا ہے۔

خدا نے تمہاری روح کو صرف اس لئے بال و پر عطا کئے ہیں کہ تم اس کے پروں پر بیٹھ کر محبت و آزادی کی فضاؤں میں پرواز کر سکو۔ یہ کتنی افسوناک بات ہے کہ تم اپنے مکوڑوں کی طرح رینگنے پر مجبور کر دیتے ہو.....

میری روح رات کے اسپ بادپیا کی طرح سرگرم عمل ہے۔ جتنی رفتار تیز ہوگی اتنی ہی جلدی سورج طلوع ہوگا۔

☆☆☆☆☆

جس حسین و جمیل کو میں دل و جان سے چاہتا ہوں، کل اپنا نرم و نازک جسم اس کوچ پر رکھے میرے پاس بیٹھی تھی اور شیشے کے شفاف پیانوں میں سے پرانی شراب سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔

یہ کل کا خواب ہے لیکن آج وہی عورت جو میری محبوبہ تھی مجھ سے بچھڑ چکی ہے اور

مجھ سے کافی دور چلی گئی ہے۔

اس کی انگلیوں کے نقوش ابھی تک آئینے کے چہرے پر نظر آرہے ہیں۔اس کی خوشبو ابھی تک اس طرح میرے کپڑوں میں بسی ہوئی ہے۔اس کی شیریں کلامی کی ترنم صدائے بازگشت بن کر ابھی تک اس کمرے میں سنائی دے رہا ہے۔

لیکن یہ عورت جس کو میں دل و جان سے چاہتا ہوں اب مجھ سے دور جا چکی ہے۔ جلاوطنی اور فراموشی کی وادی کی طرف۔

اس عورت کی تصویر میرے سرہانے کے اوپر لٹک رہی ہے۔جو محبت بھرے خطوط اس نے مجھے لکھے تھے وہ میں نے چاندی کے ایک صندوقچے میں محفوظ کر رکھے ہیں۔اس صندوقچے پر لعل و جواہر جڑے ہوئے ہیں۔یہ سب چیزیں میرے پاس زیادہ عرصہ تک محفوظ نہ رہ سکیں گی کیونکہ بہت جلد فراموشی کا جھکڑ چلے گا اور ان چیزوں کو اپنے ساتھ اڑا کر ایسی جگہ لے جائے گا جہاں صرف خاموشی اور سکوت کا دور دورہ ہے۔

میری محبوبہ تمہاری اپنی محبوبہ سے کوئی مختلف عورت نہیں ہے۔وہ بہت خوبصورت ہے اور اسے دیکھنے سے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے دیوتاؤں نے اس کے خدوخال اپنے ہاتھوں سے بنائے ہیں۔وہ فاختہ کی طرح شریف و ناتواں ہے۔لیکن سانپ کی طرح عیار روپرفن بھی ہے۔طاؤس کی طرح شریف متکبر و مغرور ہے۔بھیڑیئے کی طرح خوفناک ہے۔سفید ہنس کی طرح دلفریب ہے اور سیاہ رات کی طرح ہولناک ہے۔اس کی ہیبت طبعی میں مٹی کا عنصر مٹھی بھر سے زیادہ نہیں لیکن سمندر کی جھاگ اس میں پیالہ بھر ہے۔

میں اس عورت کو بچپن کے زمانے سے جانتا ہوں۔میں نے اس کے ساتھ کھیتوں کی سیر کی ہے۔اور اکثر شہر کی گلیوں میں اس کا دامن پکڑ کر جگہ جگہ گھومتا رہا ہوں۔ میں اس عورت کو عالم جوانی سے بھی جانتا ہوں اور آج تک جن کتابوں کا مطالعہ

کیا ہے میں نے ہر صفحہ پر اس کی جھلک دیکھی ہے۔ میں نے اس کی سرمدی آواز ندیوں کی گنگناہٹ میں بھی سنی ہے۔

میں نے اس کے سامنے اپنے دل کی تمام تلخیاں اور اپنی روح کے تمام اسرار کھول کر رکھ دیئے ہیں۔

یہ عورت کو میں نے دل و جان سے چاہا ہے اس عورت کا نام زندگی ہے وہ بہت حسین و جمیل ہے اور تمام دلوں کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ وہ ہماری زندگی کو رہن رکھ لیتی ہے اور ہماری آرزوؤں کو وعدوں میں دفن کر دیتی ہے۔

زندگی ایسی عورت ہے جو اپنے چاہنے والوں کے آنسوؤں سے غسل کرتی ہے اور ان کے خون سے اپنے جسم و جان کی زینت کرتی ہے۔ وہ روشن دنوں کا لباس پہنتی ہے جس پر رات کی تاریکیوں کی سیاہ دھاریاں ہیں۔ وہ انسانی دل کو چاہنے والے کے پاس لے جاتی ہے۔ لیکن خود شادی کر کے شب عروسی کے لئے رضامند نہیں ہوتی۔

زندگی ایک ساحرہ ہے جو حسن و جمال سے ہمیں مسحور کرتی ہے لیکن جو شخص اس کی عیاری سے واقف ہے وہ اس کے سحروں سے دور بھاگے گا۔

☆☆☆☆☆☆

امیدوار جوانی

جوانی نے مجھے آواز دے کر اپنی طرف بلایا اور میں اس کے پیچھے پیچھے ہولیا۔ چلتے چلتے ہم دور ایک کھیت میں پہنچ گئے۔ وہاں آ کر رک گئے اور وہ دور افق پر بھیڑیوں کے گلے کی طرح پھیلے ہوئے سفید بادلوں پر تکنے لگی۔ پھر اس نے برہنہ درختوں کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا جو آسمان کی طرف ہاتھ پھیلائے اپنی چھینی ہوئی پوشاکوں کے لئے دعا مانگ رہے تھے۔

''جوانی ہم کہاں جا رہے ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''جوانی نے جواب دیا۔'' ذرا ہوش سے قدم اٹھاؤ ہم اس وقت حیرت کی وادی میں ہیں۔''

میں نے کہا۔'' چلو واپس لوٹ چلیں۔ مجھے اس ویرانے سے ڈر لگتا ہے۔ بادلوں اور برہنہ درختوں کا منظر مجھے افسردہ کئے جاتا ہے۔''

اور اس نے کہا۔'' ذرا صبر سے کام تو علم کی ابتداء ہمیشہ حیرت سے ہی ہوتی ہے۔''

پھر میں نے ارد گرد نظر دوڑائی تو مجھے ایک خوبصورت چیز اپنی طرف بڑھتی ہوئی دکھائی دی میں نے پوچھا۔'' یہ عورت کون ہے؟''

جوانی نے کہا۔'' یہ تمہیں زمین اور اس کے رنج و غم سے روشناس کرانے آئی ہے کیونکہ جس شخص نے رنج و غم کی تلخیوں کو چکھ کر نہیں دیکھا وہ جام مسرت کی سرشاری سے کیا لطف اٹھا سکے گا؟''

پھر اس عورت نے میری آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیا اور جب اس نے ہاتھ اٹھایا تو جوانی وہاں سے رخصت ہو چکی تھی۔ میں وہاں اکیلا کھڑا تھا۔ میں مادی لباس سے محروم ہو چکا تھا۔ میں چلانے لگا۔'' اے زیس کی دختر جوانی کہاں چلی گئی؟''

فلپائن نے کوئی جواب نہ دیا۔ لیکن اپنے پروں پر بٹھا کر وہ مجھے ایک اونچے پہاڑ کی چوٹی پر لے گئے۔ میں نے وہاں بیٹھ کر دنیا اور اس کے سارے سامان کی طرف نظر

اٹھا کر دیکھا۔ دنیا کی ساری کائنات کتاب کے صفحات کی طرح میرے سامنے پھیلی ہوئی تھی۔ اس کتاب میں جملہ اسرار لکھے ہوئے تھے۔ میں اس دوشیزہ کے پاس حیرت زدہ کھڑا تھا اور انسان اور اس کی زندگی کے رموز کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

میں نے نہایت رنج دہ واقعات کا مشاہدہ کیا۔ میں نے دیکھا کہ خوشی و مسرت کے فرشتے مصیبتوں اور معبتوں کے شیطانوں سے جنگ آزما ہیں اور انسان بیم و رجا کے عالم میں ان دونوں قوتوں کے درمیان حیرت زدہ کھڑا ہے۔

پھر میں نے مبت اور نفرت کو انسان سے دل لگی کرتے ہوئے دیکھا۔ محبت آدمی کی ہوس گناہ کو چھپانے کی کوشش کر رہی تھی اور اسے اطاعت اور مدح اور چاپلوسی کی شراب پلا رہی تھی اور نفرت سچائی اور حقیقت کے خلاف آنکھیں اور کان بند کرنے کے لئے ابھار رہی تھی۔

پھر میں نے دیکھا کہ شہر ابن آدم کے کپڑے پھاڑ کر برہنہ کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس اثناء میں میں نے دو خوبصورت کھیتوں کو دیکھا جو انسان کے رنج و محن پر آنسو بہا رہے تھے۔

میں نے مذہبی پیشواؤں کو چالاک گیدڑوں کی طرح منہ پر جھاگ پھیلائے دیکھا اور جھوٹے لیڈروں کو انسانی مسرتوں کیخلاف سازشیں کرتے دیکھا۔

پھر میں نے دیکھا کہ انسان گلا پھاڑ کر دانائی کو آوازیں دے رہا ہے کہ وہ آکر ان بلاؤں سے اسے نجات دلائے لیکن دانائی نے اس کی پکار سنی ان سنی کر دی۔ اس نے کوئی دھیان نہ دیا کیونکہ اس سے پہلے جب دانائی نے شہر کی گلیوں میں اسے آواز دی تھی اور اس کے ساتھ ہمکلامی کی کوشش کی تھی تو اس نے ذرا توجہ نہ کی تھی۔

پھر میں نے حرص و آز میں مبتلا انواعظین کو بھی دیکھا جو مال و عجز و انکسار سے آسمان کی طرف کوشش کی تھی تو اس نے ذرا توجہ نہ کی تھی۔

پھر میں نے حرص و آز میں مبتلا ان واعظین کو بھی دیکھا جو مال و عجز و انکسار سے

آسمان کی طرف رحمتوں کے لئے ہاتھ پھیلا رہے تھے۔

پھر میں نے ایک نوجوان کو دیکھا جو خوش کلامی سے ایک دوشیزہ کا دل جیتنے میں مصروف تھا لیکن ان دونوں کے جذبات محو خواب تھے۔ ان کے دل الوہیت سے کوسوں دور تھے۔

پھر میں نے قانون سازوں کو لمبی لمبی بیکار تقریریں کرتے سنا۔ یہ سب اپنی مصنوعات کو دھوکا اور تملق کی منڈیوں میں فروخت کرنے کے آرزومند تھے۔

اسی اجتماع میں میں نے ان معالجوں کو دیکھا جو سادہ لوح لوگوں کے جسم و جان سے کھیل رہے تھے۔ پھر میں نے داناؤں کی محفل میں احمقوں کو بھی دیکھا جو ماضی کی عظمتوں کے گیت گاتے تھے اور عیش و آرام کی خلعتیں پہنے مستقبل کی عافیت کوشیوں میں مصروف تھے۔

پھر میں نے دیکھا کہ ایک غریب کسان نے فصل بوئی لیکن ایک ظالم شخص اس فصل کو کاٹ کر لے گیا۔ اور تمہارا نام تہادقانون ہمہ وقت پہرا دینے میں مصروف رہا

۔

میں نے جہالت کے ان چوروں کی بھی دیکھا جو علم کے خزانوں کو تباہ برباد کرتے تھے لیکن علم و حکمت کے سنتری بے عملی کے نشہ میں بے ہوش پڑے تھے۔

پھر میں نے دو محبت کرنے والوں کو دیکھا۔ عورت مرد کے ہاتھ میں ایسی بنسری ہے جس سے وہ نغمات پیدا کرنے سے قاصر ہے وہ صرف سخت اور درشت آوازیں ہی پیدا کر سکتا ہے۔

پھر میں نے دیکھا کہ علم و دانش کی قوتیں نسلی وقار کے شہر کا محاصرہ کر رہی ہیں لیکن ان قوتوں کی تعداد تھوڑی تھی چنانچہ بہت جلد پسپا ہو گئیں۔

میں نے آزادی کو تن تنہا پھرتے اور پناہ کے لئے دروازوں پر دستک دیتے دیکھا کسی نے اس کی طرف توجہ نہ کی۔ پھر میں نے عیش و عشرت کو بڑی شان و شوکت

کے ساتھ ٹہلتے دیکھا۔ عام لوگ اسے آزادی کے نام کرتے تھے۔

پھر میں نے یہ بھی دیکھا کہ انسان اپنی بزدلی کو چھپانے کے لئے کس قسم کی حیلہ جوئیاں کر رہا ہے۔ بزدلی کو صبر کہتا ہے۔ کاہلی کو بردباری اور تحمل کے نام سے یاد کرتا ہے اور خوف و ہراس کو خوش خلقی سے تعبیر کرتا ہے۔

میں نے ناخواندہ مہمانوں کو علم و حکمت کے ساتھ ایک میز پر دیکھا اور گفتگو کے دوران بے پناہ جہالت کا اظہار کرتے دیکھا۔ لیکن علم و حکمت خاموش تھے۔

میں نے فضول خرچوں کے ہاتھ میں سونا دیکھا جس سے وہ بدکاریاں کرتے تھے۔ کنجوس اور بخیل اسی سونے کی بدولت نفرت کا جال پھیلاتے تھے لیکن داناؤں کے ہاتھ سونے سے خالی تھے۔

''کیا یہی زمین ہے؟ اور کیا یہی انسانیت کا نمونہ ہے؟''

اس نے آہستہ سے رنج و الم سے معمور آواز میں جواب دیا۔ ''جو کچھ تم نے دیکھا ہے وہ روح کا راستہ ہے جو نکیلے پتھروں اور کانٹوں سے پٹا پڑا ہے۔ یہ صرف انسان کا پرتو ہے۔ یہ رات ہے ذرا صبر سے کام لو۔ ابھی سورج طلوع ہو گیا۔ صبح ہوا ہی چاہتی ہے۔''

پھر اس نے اپنا نرم و نازک ہاتھ محو خرام ہے۔ ہمارے آگے آگے ''امید'' ہے جو ہمیں راستہ دکھا رہی ہے۔

☆☆☆☆☆

اے زندگی

زندگی تنہائی کے سمندر میں ایک جزیرے کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس جزیرے کی چٹانیں امیدوں کا روپ دھار لیتی ہیں۔ اس کے درخت خواب بن جاتے ہیں۔ اس کے پھول امن وسکون کا نمونہ ہے۔ اس کی ندیاں سراپا تشنگی ہے۔

اے میرے دوستو! تمہاری زندگی ایک ایسا جزیرہ ہے جو دوسرے جزیروں سے الگ ہوگیا ہے۔ یہ دوسرے خطوط سے بھی جدا ہوگیا ہے۔ بلاشبہ بہت سے جہاز تمہارے ساحلوں سے دوسرے خطوط سے بھی جدا ہوگیا ہے۔ بلاشبہ بہت سے جہاز تمہارے ساحلوں سے دوسرے ملکوں کے لئے عزم سفر کرتے ہیں اور بیشمار کشتیاں تمہارے ساحلوں کو چھوڑ کر ہر روز اپنی منزلوں کو روانہ ہوجاتی ہیں لیکن بہ ایں ہمہ تم جس طرح اس سے پہلے یکہ وتنہا جزیرے تھے اسی طرح تم اب بھی جدائی اور تنہائی کے صدمے سہتے ہو اور حقیقی مسرت وشادمانی کے لئے تڑپتے ہو۔

تمہارے بھائیوں کا تمہارے ساتھ صحیح تعارف تک بھی نہیں ہے۔ تم ان کی محبت و ہمدردی سے کوسوں دور ہو۔ تمہارے ساتھ اس کی کوئی ہم آہنگی نہیں ہے۔

اے میرے بھائی! میں نے تمہیں وزر کی چٹانوں پر بیٹھے خوشی کے شادیانے بجاتے دیکھا ہے۔ میں نے سنا تم ان خزانوں کی وجہ سے مغرور ومتکبر ہو چکے ہو اور میں نے تمہیں اس یقین میں مبتلا دیکھا ہے کہ یہ مٹھی بھر سونا جو تم نے بڑی محنت اور تندہی سے جمع کیا ہے تمہارے اور دوسرے انسانوں کے درمیان نظر نہ آنے والی ایک کڑی ہے جو تمہارے خیالوں اور خواہشات کو ہم آہنگ کرتی ہے۔

میں نے اپنے ذہن کی آنکھوں سے تمہیں ایک عظیم فاتح کی حیثیت سے بھی دیکھا ہے میں نے تمہاری افواج کی یورش بھی دیکھی ہے جو دشمن کے قلعوں کو تباہ برباد کرنے پر تلی ہوئی ہے لیکن جب میں نے دوبارہ غور کیا تو میں نے دیکھا کہ وہاں سوائے ایک تنہا دل کے جو تمہارے سونے کے ڈھیروں کے پیچھے بیٹھا درد وکرب

سے کراہ رہا تھا اور کوئی شے نہ تھی۔ اس دل کی مثال اس پیاسے پرندے کی طرح تھی جو سونے کے پنجرے میں پڑا پانی کے ایک قطرے کو ترس رہا ہو لیکن پانی والی پیاس اس کے پاس خشک پڑی ہو۔

میرے بھائی! میں نے تمہیں شاہانہ عظمت کے ساتھ تخت نشین بھی دیکھا ہے۔ تمہارے اردگرد ایسے لوگوں کا ہجوم بھی دیکھا ہے جو تمہیں حضور اور جہاں پناہ کہہ کر پکارتے اور تمہاری عظمت و شان و شوکت کے گیت گاتے۔ تمہاری عقل و خرد اور ذہن رسا کی تعریفوں کے پل باندھتے اور جب تم اپنی رعایا کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتے تو مجھے تمہارے چہرے پر مسرت و شادمانی اور فتح و کامرانی کے نشے کے آثار نظر آئے اور تم ایسے لگتے جیسے تمہاری رعایا تمہارا جسم ہے اور تم اس جسم کی روح ہو۔

لیکن جب میں نے تمہیں ذرا غور سے دیکھا تو مجھے معلوم ہوا کہ تم اپنی تنہائی میں بالکل گوشہ نشین ہو۔ اپنے تخت کے قریب اکیلے کھڑے ہو اور ایک ایسے جلاوطن کی طرح نظر آتے ہو جو چاروں طرف ہاتھ پھیلا کر غیر مرئی پرچھائیں سے احسان و ترحم کی بھیک مانگ رہا ہو اور پناہ کی درخواست کر رہا ہو۔

اے میرے بھائی! میں نے تمہیں ایک خوبصورت عورت کے عشوہ کے جال میں پھنسے ہوئے بھی دیکھا ہے۔ میں نے دیکھا کہ تم نے اپنا دل اس کے قدموں میں ڈال دیا ہے پھر جب میں نے اسے تمہاری طرف محبت بھری اور مامتا سے معمور نگاہوں سے تکتے ہوئے دیکھا تو میں نے وہ کو مخاطب کر کے کہا۔ زندہ باد محبت جس نے اس شخص کی تنہائی اور گوشہ نشینی کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا اور اس کے دل کو ایک دوسرے دل کے ساتھ ہم آہنگ کر دیا۔"

لیکن پھر بھی جب میں نے ذرا اور غور کیا تو مجھے تمہارے محبت کرنے والے دل کے اندر ایک اور تنہا سا دل نظر آیا جو کسی عورت کے پاس اپنے اسرار منکشف کرنے کے لئے بے قرار تھا اور تمہاری محبت سے معمور روح کے پیچھے مجھے ایک تنہا سی روح

نظر آئی جو ایک آوارہ بادل کی طرح تھی اور وہ اس کوشش میں تھی کہ تمہاری محبوبہ کے آنسوؤں میں منتقل ہو سکے۔

اے میرے دوست! تمہاری زندگی ایک الگ تھلگ گھر کی مانند ہے جو دوسرے لوگوں کے گھروں سے بالکل علیحدہ آباد ہے۔ یہ وہ گھر ہے جہاں کوئی ہمسایہ اندر جھانک کر نہیں دیکھ سکتا۔

اگر یہ گھر تاریکیوں میں گھر گیا ہو تو تمہارے ہمسائے کا چراغ اس میں روشنی نہیں پھیلا سکتا۔ اگر اس گھر میں کھانے پینے کا سامان ختم ہو جائے تو تمہارا ہمسایہ تمہیں کچھ نہیں دے سکتا۔ اگر یہ گھر صحرا میں واقع ہے تو تم اس کو دوسرے لوگوں کے باغ میں نہیں لے جا سکتے۔ اگر یہ گھر کسی پہاڑ کی چوٹی پر آباد ہے تو تم اسے اس وادی میں آباد نہیں کر سکتے جہاں اور لوگ بھی آباد ہیں۔

اے میرے بھائی! تمہاری روح کی زندگی تنہائی اور گوشہ نشینی میں ہے اور اگر اس گوشہ نشینی کا وجود نہ ہوتا تو تم تم نہ ہوتے اور میں میں نہ ہوتا۔ ہم بالکل مختلف ہوتے اگر یہ تنہائی اور گوشہ تنہائی نہ ہوتی تو تمہاری آواز مجھے اپنی معلوم ہوتی اور جب میں تمہیں دیکھتا تو مجھے معلوم ہوتا جیسے میں آئینے میں اپنا چہرہ دیکھ رہا ہوں۔

☆☆☆☆☆

شہید قانون

کیا تم نے اس دنیا میں رنج وغم کے گہوارے میں آنکھ کھولی ہے اور کیا تمہاری پرورش بدنصیبوں کی گود میں ظلم وتشدد کی چار دیواری کے اندر ہوئی ہے؟ کیا آج تم نے سوکھی روٹی پر گزارہ کیا ہے؟ اور وہ سوکھی روٹی تم نے اپنے آنسوؤں میں بھگو کر کھائی ہے؟ اور کیا تم نے ہمیشہ ایسے گدلے پانی سے اپنی پیاس بجھائی ہے جس میں خون اور آنسوؤں کیا آمیزش ہے؟

کیا تم ایک سپاہی ہو جس کو انسان کے وضع کردہ قوانین نے اس امر پر مجبور کر دیا ہو کہ تم اپنے بیوی بچوں کو چھوڑ کر حرص وآز کے میدان جنگ میں چلے جاؤ جس کو تمہارے قائدین نام نہاد فرض سے تعبیر کرتے ہیں؟

کیا تم ایک شاعر ہو جو زندگی کے ٹکڑوں پر قانع ہو کر کاغذ اور روشنائی کی ملکیت میں مسرت محسوس کرتے ہو؟ اور تمہارا اپنے لوگوں سے بھی تعارف نہیں ہے؟

کیا تم ایک قیدی ہو جس کی ایک معمولی سی لغزش کی وجہ سے ان لوگوں نے تنگ و تاریک کوٹھڑی میں ڈال دیا ہو جو انسان کو بداطوار بنا کر اس کی اصلاح کے درپے ہیں؟

کیا تم ایک عورت ہو جس جس کو خدا نے دولت حسن سے مالا مال کیا ہو لیکن تم بدقسمتی سے اہل زر کی ہوسنا کیوں کا شکار بن گئی ہو۔ جنہوں نے تمہارا دل تو نہیں مگر جسم ضرور خرید لیا اور بعد میں تمہیں رنج والم کے حوالے کر دیا؟

اگر ان لوگوں میں تم بھی شامل ہو تو یقین جانو تک شہید قانون ہو۔ اس قانون کے شہید جس کو صرف انسان نے وضع کیا ہے۔ تم ذلیل خوار ہو اور تمہاری ذلت و خواری طاقتوروں کی بداطوای اور ظالموں کی بے انصافی کی وجہ سے ہے۔ تمہاری یہ حالت زر کی بہیمت اور بوالہوسوں کی خودغرضی کی وجہ سے ہے۔

اے میرے کمزور بھائی! صبر سے کام لو اور خود کو تسلی دیتے رہو کیونکہ اس مادی دنیا

کے ماورا ایک عظیم ترین قوت ہے جو تمام تر انصاف، ترحم اور محبت ہے۔

اے میرے بھائی! تم ایک برہنہ درخت کی طرح ہو جس کی کمر سرما کی برف کے بوجھ نے جھکا دی ہو۔ یقیناً ایک دن موسم بہار آئے گا اور تمہیں سبز پوشاک پہنائے گا۔ ایک دن سچائی کی فتح ضرور ہوگی آج تمہارے تبسم پر آنسوؤں کے پردے پڑے ہوئے ہیں۔ کل سچائی ان پردوں کو چاک کر دے گی۔

اے میرے زخم خوردہ بھائی! آ میرے سینے سے لگ جا مجھے تم سے محبت ہے اور تم پر ظلم کرنے والوں سے نفرت ہے۔

☆☆☆☆☆

مہمان

ٹھہرو..... ہاں ذرا ٹھہرو..... میرے مشتاق دوست..... میں بہت جلد اس فانی جسم کو تمہارے حوالے کر دوں گا۔

جس کا دود و کرب میرے رگ و ریشہ میں سما کر بیکار ہو چکا ہے اور جسے دیکھ کر تمہارے صبر کا پیمانہ لبریز ہو رہا ہے۔

میں نہیں چاہتا کہ ان لمحوں میں میں تمہاری سچی خواہش کو منتظر رکھوں۔

اگر چہ زنجیر حیات سانس کی بنی ہوئی ہے لیکن مشکل سے توڑی جا سکتی ہے۔

اور مرنے کی تمنا

جو تمام مضبوط ترین چیزوں سے مضبوط ہے۔

زندہ رہنے کی تمنا سے قائم رہتی ہے جو تمام کمزور ترین چیزوں سے کمزور ہے مجھے معاف کرنا میرے رفیق میں بہت پیچھے رہ گیا ہوں۔

یہ میری یاد ہے جو میری روح کو روکے ہوئے ہے۔

میرے گزرے ہوئے دنوں کا ہجوم

خواب میں گزری ہوئی جوانی کی جھلک

ایک چہرہ جو میری پلکوں کو محو خواب ہونے سے روکتا ہے۔

ایک آواز جو میرے کانوں میں مسلسل گونج رہی ہے۔

ایک ہاتھ جو میرے ہاتھ کو چھو رہا ہے۔

مجھے معاف کرنا میرے دوست تمہیں بہت دیر تک انتظار کرنا پڑا۔

اب یہ قصہ پاک ہوا اور تمام چیزیں مجھ سے روپوش ہو چکیں۔

چہرہ..... آواز..... اور وہ دھند جو انہیں یہاں لائی تھی۔

گرہ کھل گئی ہے۔

اور ڈوری بکھر چکی ہے۔

اور وہ جو نہ غذا ہے اور نہ پانی واپس لی جا چکی ہے۔

آؤ.....ہاں میرے قریب آؤ میرے بھوکے رفیق کھانا حاضر ہے۔

اور یہ کنایت شعارانہ تقریب، محبت سے دی گئی ہے۔

آؤ.....اور میرے بائیں پہلو میں ہاں یہاں چونچ گاڑ دو۔

اس چھوٹے سے پرندے کو اس کے قفس سے آزاد کر دو!

جس کے پر اب کبھی پھڑ پھڑا نہیں سکتے۔

میری خواہش ہے کہ یہ تمہارے ساتھ آسمانی بلند پر اڑ جائے۔

اب آؤ.....ہاں آؤ میرے دوست میں آج کی رات تمہارا میزبان ہوں

اور تم میرے معزز مہمان۔

جسم اور جان

اور دیوتاؤں کے پروردگار نے روح پیدا کی،

اس نے اسے نسیم صبح کی لطافت..... پھولوں کی باس اور چاندنی راتوں کی رعنائی سے حسن و جمال بخشا۔

اس نے اسے مسرت کا ایک جام بھی عطا کی اور کہا۔

''تم اس جام کو اس وقت تک اپنے ہونٹوں سے نہ چھوؤ جب تک کہ تم ماضی کو بالکل نہ بھول جاؤ اور مستقبل سے بے نیاز نہ جاؤ۔''

اس نے اسے غم کا پیالہ بھی دیا اور کہا۔

''اسے پیو: تا کہ تم مسرت کی حقیقت سے روشناس ہوسکو۔''

پھر خدا نے روح میں محبت پیدا کی، جو اطمینان کے پہلے لمحے کے ساتھ فنا ہو جاتی ہے اور مٹھاس پیدا کی، جو غرور کے پہلے کلمہ کے ساتھ رخصت ہو جاتی ہے۔

اس نے راہ حق پر چلنے کے لئے اسے آسمان سے اشارہ کیا اور اس کی پہناؤں میں ایسی چشم بینا رکھی جس سے وہ مستقبل کے پردے چاک کر سکے۔

اس نے اس میں قوت فکر پیدا کی تا کہ وہ دریا کی طرح موہوم اصوار اور متحرک شکلوں کے ساتھ رواں رہے۔

اس نے اسے تمناؤں کی پوشاک بخشی، جو فرشتوں نے قوس وقزح سے تیار کی۔

اس نے روح کے اندر اندر ایک حیرت کی تاریکی بھی پیدا کی جو تو رکا سایہ ہے۔

اس نے قہر وغضب کی بھٹی سے آگ، جہالت کے صحرا میں چلتی ہوا اور خود غرضی کے ساحل سے ریت لے کر زمانہ کی خال پا کے ساتھ ملائی اور ان سے انسان کا پتلا بنایا۔

اس نے انسان کو وہ بے پناہ قوت عطا کی جو ہیجان جذبات کے عالم میں کود پڑتی ہے مگر آرزوؤں کے سامنے ڈال دیتی ہے۔

اس نے اسے زندگی بخشی جو موت کا سایہ ہے۔

تب دیوتاؤں کا پروردگار مسکرایا کیونکہ اسے ایک غیر محبت کا احساس تھا۔

اس طرح اس نے انسان اور اس کی روح میں ملاپ پیدا کیا۔

☆☆☆☆☆

عظمت شب

اے رات! شاعروں، عاشقوں اور مغنیو کی مونس،

اے رات! جس میں سائے سپنوں کے ساتھ آباد ہیں!

اے رات! جو ہماری آرزوؤں، امنگوں اور یادوں کو اپنی آغوش میں لے لیتی ہے

۔

اے رات! تو ایک عظیم الجثہ دیو ہے۔ جو شام کے چھوٹے چھوٹے بادلوں اور صبح کی دلہنوں کے مابین خوف وہشت کی تلوار لگائے، چاند کا تاج اور خاموشی کا لباس پہنے کھڑا ہے اور جو ہزار ہا آنکھوں سے زندگی کی گہرائیوں کو دیکھتا ہے اور ہزار ہا کانوں سے فنا اور بایوسیوں کی آہوں اور سسکیوں کو سنتا ہے۔

یہ تیری ہی تاریکی ہے اور رات! جو ہماری بصیرت کو ابدیت سے روشناس کرتا ہے کیونکہ دن کی نمود ہمیں زمان ومکان کی وسعت میں اندھوں کی طرح جکڑے ہوئے ہے۔

اے رات! یہ تیری ہی پرسکون خاموشی ہے جو ہمیشہ بیدار اور بے چین رہنے والی روحوں کا بھید ظاہر کرتی ہے کیونکہ دن ایک ہیجان خیز غوغا آرائی ہے جس میں روحیں ہوا وہوس کے تیز سموں کے نیچے دب کر رہ جاتی ہیں!

اے رات! تو وہ ساحرہ ہے جو اپنی پراسرار انگلیوں سے تباہ حال انسانوں کی پلکیں بند کرتی ہے اور ان کے دلوں کو ایک ایسی دنیا میں لے جاتی ہے جو اس دنیا سے زیادہ مہربان ہے۔

اے رات! تیرے سیاہ لبادے کی شکنوں میں عشاق کو پناہ ملتی ہے اور تیرے ان پاؤں میں جو شبنم سے تر ہیں! فرقت زدہ لوگوں نے آنسو بہائے ہیں اور تیری ہتھیلیاں جو کھیتوں اور انگوروں کے باغوں کی مہک سے معطر ہیں اجنبیوں نے اپنی بے چینیوں اور مایوسیوں کو دفن کیا ہے۔

تو عاشقوں کی مونس، تنہا لوگوں کی رفیق اور خانماں برباد انسانوں کی میزبان ہے

۔

تیرے گہرے سائے میں شاعر کے افکار مچلتے ہیں۔ تیرے دامن میں پیغمبروں کا دل بیدار ہوتا ہے اور تیری پیشانی پر تخیل کے نقوش ابھرے ہوئے ہیں کیونکہ تو شاعر کے لئے شہنشاہ، پیغمبر کے لئے ایک رویا، اور مفکر کے لئے ایک دساز ہے اے رات

!

جب میری روح لوگوں سے اکتا گئی اور میری آنکھیں دن کے چہرے کو تکتے تکتے تھک گئیں تو میں دور دراز کھیتوں کی طرف نکل گیا جہاں ازمنہ قدیم کے سائے خوابیدہ تھے۔

میں وہاں ایک تاریک اور خاموش ہستی کے سامنے کھڑا رہا جو ہزار ہا پاؤں کے ساتھ پہاڑوں اور وادیوں میں محو خرام تھی۔

میں تاریکی کی آنکھوں میں نظریں گاڑے دیکھتا رہا اور غیر مرئی پروں کی پھڑ پھڑاہٹ سنتا رہا۔ مجھے اس وقت ایسا محسوس ہوا جیسا کہ میں ایک غیر متشکل پیرہن کو چھو رہا ہوں اور میرے دل پر نادیدہ ہستیوں کا خوف طاری ہوا۔

☆☆☆☆☆

اے مہیب، خوبصورت اور پر جلال رات! میں نے تجھے آسمان اور زمین کے درمیان بادلوں کا لبادہ اور کہر کا کمر بند پہنے دیکھا، تو سورج کی روشنی پر قہقہے لگا رہی تھی اور دن کی عظمت کا مضحکہ اڑا رہی تھی۔

میں نے تجھے ان بے شمار غلاموں پر نفرت کا اظہار کرتے دیکھا۔

اے رات! جو بتوں سامنے رات بھر گھٹنے ٹیکے پڑے رہتے ہیں اور ان بادشاہوں کے حقارت کی نظر سے دیکھتے پایا۔ جو اطلس و کمخواب کے بستر میں پڑ کر سو رہتے ہیں اور شب بھر سنہری خواب دیکھتے ہیں۔

میں نے تجھے چوروں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتے اور سوئے ہوئے بچوں کی پاسبانی کرتے پایا۔

فاحشہ عورتوں کے تبسم پر روتے، عاشقوں کے آنسوؤں پر مسکراتے، اور اپنے واہنے ہاتھ سے حوصلہ مند انسان کو اوپر اٹھاتے اور کم ظرف انسانوں کو پاؤں تلے روندتے دیکھا۔

☆☆☆☆☆

اے رات میں نے تجھے اور تو نے مجھے دیکھا۔ تو اپنے اس پر رعب حسن میں بھی میرے لئے مثل باپ کے تھی اور میں اپنے خوابوں میں ایک بیٹا تھا کیونکہ وجود کے نقاب ہٹا لئے گئے تھے اور شکوک کا پردہ چاک ہو چکا تھا۔

تو نے مجھ پر اپنے اسرار کا انکشاف کیا اور میں نے تم پر اپنی تمام امیدیں اور تمنائیں ظاہر کر دیں۔ تب تیری عظمت ایک لطیف گیت بن گئی جو پھولوں کی سرگرشیوں سے زیادہ خوبصورت تھی، اور میرے اندیشے پرندوں کے اعتماد سے بھی زیادہ بھروسے میں بدل گئے"

تو نے مجھے اٹھالیا اور اپنے کندھوں پر جگہ دی اور میری آنکھوں کو دیکھنے اور کانوں کو سننے۔ ہونٹوں کو بولنے اور دل کو محبت کرنے کا راز بتایا۔

تو نے اپنی جادو بھری انگلیوں سے میرے تخیل کو چھوا اور میرے افکار ایک گاتی ہوئی ندی کی طرح بہہ نکلے اور خس و خاشاک کو اپنی رو میں بہا کر لے گئے۔

تو نے اپنے ہونٹوں سے میری روح کو بوسہ دیا اور وہ بھڑک اٹھی اور اس کے شعلوں نے تمام بیجان اور دم توڑتی ہوئی چیزوں کو اپنی آغوش میں لے لیا۔

☆☆☆☆☆

اے رات، میں تیرا برابر پیچھا کرتا رہا۔ یہاں تک کہ تجھ میں اور مجھ میں کوئی فرق نہ رہا۔

میری حیثیت تیرے رفیق کی سی ہوگئی۔ یہاں تک کہ تیری تمنائیں میری تمنائیں بن گئیں۔

میں نے تجھ سے محبت کی۔ یہاں تک کہ میری ہستی ایک ادنیٰ پیمانے پر تیری ہستی بن گئی۔

میرے تاریک وجود میں بھی دہکتے ہوئے ستارے ہیں جنہیں جذبات شام کے وقت بکھیر دیتے ہیں اور شبہات کے نور کے ترکے میں جمع کر لیتے ہیں۔

اور میرے سینے میں ایک چاند ہے جو کبھی گہرے بادلوں سیدست و گریباں ہوتا ہے اور کبھی خوابوں کے ہجوم سے جو تمام دنیا پر چھا جاتے ہیں۔

اب میری بیدار روح میں ایک سکون خلوت گزیں ہے جو عاشقوں کے بھید اور عابدوں کی دعاؤں کو واضح کرتا ہے اور میری ہستی پر رازوں اور اسرار کا ایک نقاب ہے جسے جانکنی کا عذاب تار تار کر دے گا لیکن شباب کے گیت اسے پھر رفو کریں گے۔

اے رات میں تیری طرح ہوں۔ اگر انسان مجھے برخود غلط خیال کرتا ہے تو کیا وہ خود کو دن سے تشبیہ دے کر مغرور نہیں!

میں تیرے جیسا ہوں اور رات! مجھ پر بھی ایسی باتوں کا الزام لگایا جاتا ہے جن کا میں مطلقاً قصوروار نہیں۔

میں اپنی امیدوں، خوابوں اور اپنی وجودی کیفیتوں میں تجھ جیسا ہوں اور رات! میں تیری طرح ہوں اور رات اگرچہ شام مجھے اپنی پر اسرار سنہری اون کا تاج نہیں پہناتی۔

میں تیری طرح ہوں اور رات! اگرچہ نمود صبح موتیوں اور پھولوں سے سجا ہوا لباس نہیں پہناتی۔

میں تیرے جیسا ہوں اے رات! اگرچہ مجھے کہکشاں کم بند میسر نہیں،
میں بھی ایک رات ہوں اور رات! وسیع اور خاموش اگرچہ میں پابجولاں بھی ہوں

اور باغی بھی، میں تیری طرح ہوں رات! اگر چہ مجھے کہکشاں کم کمر بند میسر نہیں، میں بھی ایک رات ہوں اور رات! اگر چہ نمود صبح موتیوں اور پھولوں سے سجا ہوا لباس نہیں پہناتی۔

میری تاریکیوں کی کوئی ابتدا نہیں اور نہ میری گہرائیوں کی کوئی انتہاء ہے۔

جب مردہ انسانوں کی روحیں عدم سے اٹھ کر مسرت کے نور پر نازاں ہوگی تو میری شب آشنا روح اپنے غموں کی تاریکی سے پیکر جلال بن کر عالم برزخ کی طرف پرواز کرے گی۔

میں تیری طرح ہوں اور رات! اور جب صبح طلوع ہوگی تو پھر تیری طرح میری زندگی بھی تمام ہو جائے گی۔

☆☆☆☆☆

تین چہرے

جب رات کافی گزر چکی اور نیند نے اپنا دامن دنیا پر پھیلا دیا۔

میں اپنے بستر سے یہ کہتے ہوئے اٹھا۔

''سمندر کبھی نہیں سوتا اور اس کی بیداری بے چین روحوں کو تسکین بخشتی ہے۔''

جب میں ساحل پر پہنچا تو کہر پہلے ہی پہاڑ کی چوٹیوں سے نیچے اتر چکی تھی اور دنیا کو اس طرح ڈھانپ چکی تھی جس طرح نقاب کسی دوشیزہ کے چہرے کو زیبائش بخشتا ہے۔

میں وہاں کھڑا موجوں کا نظارہ کرتا رہا ان کے گیتوں کا سنتا رہا۔

اور اس قوت پر غور کرتا رہا جو ان کے پس پردہ کام کر رہی ہے۔

وہ قوت جو طوفان کے ساتھ حرکت کرتی ہے۔

کوہ آتش فشاں میں غیض و غضب کا اظہار کرتی ہے۔

پھولوں کے ساتھ ہنستی ہے اور گنگناتی ہوئی ندیوں کے ساتھ گاتی ہے۔

کچھ دیر بعد میں نے پلٹ کر دیکھا تو مجھے قریب کی چٹان کی طرف بڑھا جس پر وہ بیٹھے تھے۔

چند قدم دور کھڑے ہو کر میں نے ان پر اپنی نگاہیں جما دیں کیونکہ اس مقام میں کچھ عجیب جادو سا تھا جس میں میرے تصورات کھو چکے تھے اور میرے تخیل میں ہیجان پیدا ہو چکا تھا۔

ان میں سے ایک اٹھا اور ایک ایسی آواز کے ساتھ جو سمندر کی گہرائیوں میں سے بلند ہوتی ہوئی معلوم ہوتی تھی اس نے کہا۔

''زندگی محبت کے بغیر ایک درخت ہے جس میں کوئی پھول یا پھل نہ ہو۔''

محبت حسن کے بغیر ایک پھول ہے جس میں خوشبو نہ ہو۔

اور وہ پھل ہے جس میں کوئی بیج نہ ہو۔

زندگی، محبت اور حسن ایک عنصر کی تین ماہیتیں ہیں۔

آزاد اور لامحدود

جو نہ کبھی بدلتی ہیں اور نہ ہی ایک دوسرے سے جدا ہوتی ہے۔ اس نے یہ کہا اور اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔

پھر دوسرا اٹھا اور ایسی آواز کے ساتھ جس میں پرشور موجوں کی گرج تھی اس نے کہا۔

''زندگی انقلاب کے بغیر ان موسموں کی طرح ہے جن میں کبھی بہار نہ آئے۔

انقلاب صداقت کے بغیر وہ ندی ہے جو ایک خشک اور بنجر صحرا ہو۔

زندگی، انقلاب اور صداقت ایک عنصر کی تین ماہیتیں ہیں۔

جو نہ کبھی بدلتی ہیں اور نہ ایک دوسرے سے جدا ہوتی ہیں۔

اس نے کہا اور پھر اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔

پھر تیسرا اٹھا اور بجلی کی کڑکتی ہوئی آواز میں کہا۔

''زندگی آزادی کے بغیر ایک جسم بے روح ہے۔

آزادی حکمت و دانش کے بغیر ایک پریشان روح ہے۔

زندگی، آزادی اور حکمت ای ابدی عنصر کی تین ماہیتیں ہیں جو کبھی فنا نہیں ہوتیں

''۔

پھر وہ تینوں اٹھے اور نہایت رعب و جلال سے گویا ہوئے۔

''محبت اور جو کچھ اس سے صادر ہو۔

انقلاب اور جو کچھ وہ پیدا کرے۔

آزادی اور جو کچھ اس سے معرض وجود میں آئے۔

یہ ذات کبریائی کے تین مظاہر ہیں۔

ذات کبریائی وہ لامحدود ہستی ہے جو تعینات اور کون و مکان کو محیط ہے۔''

پھر سناٹا چھا گیا۔ جس میں صرف نادیدہ پروں کی جنبش اور موہوم جسموں کی لرزش محسوس ہوتی تھی۔

میں نے اپنی آنکھیں بند کرلیں اور اس آواز کی صدائے بازگشت کو سننے لگا جو میں نے ابھی سنی تھی۔

پھر جب میں نے آنکھیں کھولیں تو کہر کے دامن میں لپٹے ہوئے سمندر کے سوا مجھے اور کچھ بھی دکھائی نہ دیا۔

میں اس چٹان کے اور بھی قریب گیا لیکن مجھے آسمان کی طرف اڑتے ہوئے دھوئیں کے ستون کے سوا اور کچھ نظر نہ آیا۔

☆☆☆☆☆

روح کے بیٹے

تو میرا بھائی ہے اور ہم دونوں ایک پاکیزہ روح کے بیٹے ہیں۔

تو مجھ جیسا ہے کیونکہ ہم دونوں ایک ہی طبیعت کے دو جسموں میں مقید ہیں۔

تو زندگی کی شاہراہ پر میرا ساتھی ہے اور بدلیوں کے پیچھے چھپی ہوئی حقیقت کو پالینے میں میرا دوست ہے۔

تو انسان ہے اے بھائی میں نے تجھ سے محبت کی اور کرتا ہوں۔

میرے متعلق جو چاہے کہہ لے

کیونکہ کل تجھ پر بیتے گی اور تیرا قول اس کے حکم کے سامنے ایک ظاہری قرینہ ہوگا اور اس کے انصاف کے لئے ایک روشن دلیل.....،

مجھ سے جو چاہے لے لے۔ کیونکہ تو اس مال کے سوا اور کچھ نہیں لے رہا۔ جس کے متعلق تجھے تقسیم کر لینے کا حق ہ اور تو ایسا سامان لے رہا ہے جو میں اپنے لالچ کے لئے جمع کیا۔ جو کچھ اس میں سے تجھے کچھ پسند تو اس کے ساتھ گھل مل جا۔

مجھ سے جو چاہتا ہے سلوک کر۔ کیونکہ میں اپنی حقیقت کو چھو لینے پر قادر ہوں۔

میرا خون بہالے اور جسم کو جلا دے کیونکہ تو میری خودی کو ایذا نہ پہنچا سکے گا نہ مار سکے گا۔

میرے ہاتھ پاؤں میں بیڑیاں ڈال دے۔ میرے ساتھ زندان کی تاریکیوں میں اتر،

تو میری فکر کو قید نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ وہ فضاؤں میں تیرتی ہوئی بادنسیم کے جھونکوں کی طرح آزاد ہے اور نہ اس کی کوئی حد ہے اور نہ انتہاء

تو میرا بھائی ہے اور میں تجھ سے محبت کرتا ہوں۔ تیری مسجد میں سجدہ کرتے ہوئے۔ تیرے گرجوں میں جھکتے ہوئے اور تیرے کلیساؤں میں دعا کرتے ہوئے میں اور تو..... ہم دونوں ایک ہی دین کے بیٹے ہیں۔

اور وہ روح ہے،

ہم دونوں اس دین کو شکلوں میں پیش کرتے ہیں، جس کی مختلف شاخیں وہ انگلیاں ہیں جو خودی کے کمال کی طرف اشارہ کرنے والی الوہیت کے ہاتھ سے ملی ہوئی ہیں۔

☆☆☆☆☆

میرے بھائیو

مجھ سے کیا چاہتے ہو تم ..... اے میری ماں کے بیٹو؟

کیا تم چاہتے ہو کہ میں تمہارے لیے بے کار وعدوں کے ایسے محل کروں جو صرف خوبصورت باتوں سے آراستہ ہوں اور جن پر محض خوابوں کے چھتیں ڈالی گئی ہوں۔

یا تم یہ چاہتے ہو کہ اس عمارت کو پیوند خاک کر کے رکھ دوں جو جھوٹے اور بزدل انسانوں نے تعمیر کیا اور میناروں کو نیست نابود کر دوں جنہیں بدفطرت اور خبیث لوگوں نے بنایا۔

کیا چاہتے ہو تم ..... آخری میں کیا کروں ..... میری ماں کے بیٹو کیا میں تمہیں خوش رکھنے کے لئے شیروں کی طرح دھاڑوں۔

میں نے تمہارے سامنے گیت گائے ..... تم نہ ناچے

میں نے تمہارے سامنے نوحہ خوانی کی تم نہ روئے۔

تو کیا تم چاہتے ہو کہ بیک وقت میں خوشی کے گیت گاؤں اور نوحہ خوانی کروں۔

تمہارے نفس بھوک سے پیچ و تاب کھا رہے ہیں اور معرفت کی روٹی واویوں کے پتھروں سے بھی زیادہ ہے لیکن تم نہیں کھاتے۔

تمہارے دل پیاس سے نڈھال ہیں اور زندگی کی رو تمہارے گھروں کے آس پاس ندیوں کی طرح بہہ رہی ہے لیکن تم پیتے کیوں نہیں؟

سمندر میں مدوجزر ہے۔ دل میں اتار چڑھاؤ ہے۔ موسم میں گرمی سردی ہے لیکن سچائی نہ مرتی ہے نہ وہ زوال پذیر ہوتی ہے اور نہ بدلتی ہے تم سچائی کے چہرے بگاڑتے کیوں ہو۔

میں نے تمہیں رات کی خاموشیوں میں پکارا تا کہ تمہیں چاند کا حسن اور ستاروں کی عظمت دکھاؤں تم اپنے بستروں سے بڑبڑا کر کھڑے ہوئے۔ تم نے تلواروں کو تھام لیا اور تیر سنبھال لیا اور تم چیخے کہاں ہے دشمن ..... تا کہ ہم اس کے

ٹکڑے اڑا دیں مگر جب صبح ہوئی دشمن لاؤلشکر سمیت آدھمکا۔ میں نے تمہیں پکارا مگر تم نے اپنے تکیوں سے سر بھی نہ اٹھائے بلکہ خوابوں کی افواج سے مغلوب ہو کر رہ گئے۔

میں نے تم سے کہا کہ آؤ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ جائیں تا کہ میں تمہیں دنیا کے ملک دکھاؤں۔ تو تم نے جواب دیا کہ تمہارے باپ دادا نے اسی وادی کے نشیب و فراز میں زندگیاں بسر کیں اور اسی دامن کے سائے میں مر گئے اور یہیں غاروں میں انہیں سپرد خاک کیا گیا پھر ہم کس طرح اس وادی کی گہرائیوں کو چھوڑ کر وہاں جائیں۔ جہاں ہمارے باپ دادا نہ گئے۔''

میں نے تم سے کہا کہ آؤ میدانوں کی طرف چلیں تا کہ میں تمہیں سونے کی کانیں اور زمین کے خزانے دکھادوں۔ تو تم نے جواب دیا کہ ''میدانوں میں چوروں اور ڈاکوؤں کا خطرہ درپیش ہے۔''

میں نے کہا کہ '' آؤ ساحل کی طرف چلیں جہاں سمندر اپنی خیرات بانٹتا ہے'' تو تم نے کہا کہ ''موجوں کے تھپیڑے ہماری روحوں کو خوف زدہ کر دیتے ہیں اور سمندر کی گہرائیوں کی ہنگامے ہمارے جسموں کو مردہ کر دیتے ہیں۔''

میں تم سے محبت کرتا تھا۔ میری ماں کے بیٹو..... مگر محبت نے مجھے نقصان پہنچایا اور تمہیں کوئی نفع نہ دیا۔

لیکن آج میں تم سے نفرت کرتا ہوں۔ نفرت وہ سیلاب ہے جو سوکھی ٹہنیوں کے سوا سب کچھ بہا کر نہیں لے جاتا۔ اور بوسیدہ مکانوں کے سوا کسی کو منہدم نہیں کرتا۔

میں تمہاری کمزوری پر ترس کھاتا ہوں۔ میری ماں کے بیٹو۔ شفقت ضعیفوں میں اضافہ کرتی ہے اور کمزوریوں کی تعداد بڑھاتی ہے اور زندگی میں کوئی نئی چیز پیدا نہیں کرتی۔

آج جب میں تمہیں کمزور دیکھتا ہوں تو میرا رواں رواں کانپ اٹھتا ہے اور تمہیں

دیکھکر میرا دل تھم تھم جاتا ہے۔

میں تمہاری ذلت اور انکساری پر روتا تھا اور میرے آنسو بلور کی طرح صاف شفاف تھے لیکن وہ تمہارے میلے کچیلے داغوں کو نہ دھو سکے۔ انہوں نے میری آنکھوں سے اٹھا دیا۔ تمہارے پتھروں ایسے سینے نرم نہ ہوئے۔ البتہ میرے دل سے دردمندی کو بھی لے گئے..... اور آج میں تمہارے دردوں پر ہنستا ہوں اور ہنسی وہ دندناتی ہوئی گرج ہے جو آندھیوں سے پہلے آتی ہے لیکن بعد میں نہیں،

مجھ سے کیا چاہتے ہو تم..... میری ماں کے بیٹو۔

کیا تم چاہتے ہو کہ میں تمہارے چہروں کے نقوش پانی کے حوضوں میں دکھاؤں ..... آؤ دوڑتے ہوئے آؤ اور دیکھو کہ تمہارے چہرے کتنے بھدے ہیں آؤ ..... اور سوچو، خوف نے تمہارے سر کے بالوں کو راکھ ایسا بنا دیا ہے۔ شب بیداریوں نے تمہاری آنکھوں کو تاریک گڑھوں جیسا بنا دیا ہے۔ کمزوری اور بزدلی نے تمہارے گالوں پر جھریاں ڈال دی ہیں اور تمہارے چہرے موت سے پہلے خزاں کے پتوں کی طرح زرد پڑ گئے ہیں۔

مجھ سے کیا مانگتے ہو میری ماں کے بیٹو..... ہاں تم زندگی سے کی چاہتے ہو۔ زندگ ہمیشہ تمہیں اپنے بیٹوں میں شمار کرتی ہے مگر تمہاری روحیں پادریوں اور شعبدہ بازوں کے پنجوں میں گرفتار ہیں۔ تمہارے جسم سرکشوں اور ظالموں کے ہاتھوں میں تڑپ رہے ہیں اور تمہاری آبادیاں دشمنوں اور فاتحوں کے پاؤں تلے لرز رہی ہیں، تم سورج کے ..... سامنے کھڑے ہو کر کس چیز کے امیدوار ہو۔

تمہاری تلواریں صدیوں سے کند ہیں۔ اور تمہارے تیر ٹوٹے ہوئے ہیں۔ اور تمہارے بھالے کیچڑ سے لتھڑے ہوئے ہیں۔ تو پھر تم جنگ اور خون ریزی کے میدان میں کیوں کھڑے ہو،

تمہارا دین ایک دکھاوا ہے۔

تمہاری دنیا جھوٹے دعوے ہیں۔

اور تمہاری آخرت خاک کے اڑتے ہوئے ذرے ہیں۔

تو پھر تم جیتے کیوں ہو۔ موت بدبختیوں کی راحت کا سامان ہے۔

زندگی ایک اٹل ارادہ ہے جو جوانی کا رفیق ہے۔

ایک کوشش ہے جو عمر کے کمزور حصے کے ساتھ ہے۔

اور دانائی ہے جو بڑھاپے کی تابع ہے۔

لیکن تم میری ماں کے بیٹو..... تم بوڑھے اور کمزور پیدا ہوئے۔

پھر تمہارے سر چھوٹے ہوتے گئے۔ اور تمہاری کھالیں سکڑتی گئیں۔ یہاں تک کہ تم بچے بن گئے۔

تم مسکلوت میں ایک دوسرے سے منہ پھیر لیتے ہو اور ایک دوسرے پر پتھر برساتے ہو۔

انسانیت ایک صاف شفاف ندی ہے جو اچھلتی کودتی اور گاتی ہوئی آتی ہے اور پہاڑیوں کے راز سمندروں کی گہرائیوں تک لے جاتی ہے لیکن تم اے میری ماں کے بیٹو..... وہ بدبودار جوہڑ جن کی تہوں میں کیڑے مکوڑے پلتے ہیں اور ان کے کنارے پر کالے ناگ کنڈلیاں مارے بیٹھے ہیں۔

خودی..... وہ چمکدار اور اوپر کو اٹھتا ہوا پاکیزہ شعار ہے جو سوکھی لکڑیوں کو جلا کر رکھ دیتا ہے۔ ہوا لگنے سے تیز ہو جاتا ہے اور اور دیوتاؤں کے چہروں کو منور کرتا ہے۔

لیکن تمہاری خودی اے میرے ماں کے بیٹو..... وہ راکھ ہے جسے ہوائیں اڑا کر برف کے تودوں پر ڈال دیتی ہیں اور جسے آندھیاں ویرانوں میں بکھیر دیتی ہیں۔

میں تم سے نفرت کرتا ہوں۔ اے میری ماں کے بیٹو!

کیونکہ تم بزرگی اور عظمت سے نفرت کرتے ہو۔

میں تمہیں حقیر سمجھتا ہوں۔

کیونکہ تم اپنی خودی کو حقیر سمجھتے ہو۔

میں تمہارا دشمن ہوں۔

کیونکہ تم اللہ کے دشمن ہو۔

لیکن..... تم نہیں جانتے،

قانون

آدم کے تین بیٹے کل زندگی کی شاخوں پر جھول رہے تھے لیکن آج وہ موت کے آغوش میں ہیں۔

تینوں نے انسانوں کو ناموس سیر وشناس کرنے کی غلطی کی۔ اندھے قانون نے ہاتھ لمبا کیا اور انہیں بے رحمی سے کچل کر رکھ دیا۔

تینوں کو جہالت نے مجرم گردانا کیونکہ وہ کمزور تھے۔ قانون نے انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا کیونکہ وہ طاقت ور ہے۔

ایک شخص نے ایک اور شخص کو قتل کر دیا۔ لوگوں کے کہا ''یہ قاتل ہے خونی ہے۔''

قاضی نے اسے موت کی سزا دیدی۔

تو لوگوں نے کہا ''انصاف پسند قاضی''

ایک شخص نے روپیہ حاصل کرنے کی کوشش کی لوگوں نے کہا یہ چور ہے۔

قاضی نے اسے قید کی سزا دی۔

لوگوں نے کہا ''نیک کردار قاضی''

ایک عورت نے خاوند کی خیانت کی۔

لوگوں نے کہا ''یہ بد بخت زانیہ ہے۔''

قاضی نے اسے سب کے سامنے برہنہ کر کے پتھر برسوائے،

لوگوں نے کہا ''شرافت کا پتلا قاضی''

خونریزی حرام ہے، لیکن قاضی کے لئے کس نے حلال کر دی۔

مال لینا جرم ہے لیکن آزادی چھین لینے کو بزرگی کس نے کہا۔

عورت کے لئے زنا برا ہے لیکن کو پتھر مارنا کس نے نیکی کہا ہے۔

برائی کا مقابلہ اس سے زیادہ برائی کے ساتھ ہو اور کہتے ہو کہ یہ قانون ہے۔

بدی کے ساتھ اس سے زیادہ بدی سے لڑتے ہو اور اسے ناموس کا نام دیتے ہو۔

جرم کو اس سے بڑے جرم کے ساتھ مغلوب کرنیکی کوشش کرتے ہو۔ اور اسے انصاف بتاتے ہو۔

کیا قاضی نے اپنی زندگی میں کسی سے دشمنی نہیں کی؟

کیا اس نے اپنے کمزور پیروؤں سے کبھی پیشہ نہیں چھینا؟

کیا اس نے ایک حسین عورت سے اپنی نفسیاتی خواہشات کی تکمیل نہیں چاہی؟

کیا وہ خطاؤں سے پاک تھا کہ اس لئے قاتل کو پھانسی دینا، چور کو سزا دینا اور زانیہ پر پتھر برسوانا جائز ہو گیا۔

کون ہیں وہ جنہوں نے اس قاتل کو سولی پر لٹکایا؟

کیا وہ فرشتے تھے جو آسمانوں سے اتر کر آئے؟ یا وہ انسان تھے جو ہاتھ آنے والی چیز کو غصب کرتے اور چراتے ہیں۔

اس قاتل کا سر کس نے قلم کیا؟ کیا فرشتے آسمانوں سے اتر آئے تھے یا وہ سپاہی تھے جو ہر اچھی چیز کے لئے خون کی ندیاں بہاتے ہیں۔

اس زانیہ کو سنگسار کس نے کیا؟ کیا وہ راہب تھے؟ جو عبادت خانوں سے نکل کر آئے یا وہ انسان جن کی بزرگی کے پردوں میں تمام تر کمینہ حرکتیں چھپی ہوتی ہیں۔

قانون.....؟ قانون کیا چیز ہے.....؟

کس نے اسے سورج کی روشنی کے ساتھ آسمان سے نیچے اترتے دیکھا تا کہ انسان کے متعلق اس کی مشیت کو معلوم کرے۔

کس آواز میں فرشتے لوگوں میں پکارتے پھرے کہ کمزوروں پر زندگی کا تو رحرام کر دو،

گرتوں کو تلواروں کے واروں سے فنا کر دو اور خطا کاروں کو لوہے کی تیز دھاروں سے تہس نہس کر کے رکھ دو۔

☆☆☆☆☆

خواب

خاموش اے دل.....پو پھٹنے تک خاموش رہ

جو شخص صبح کا صبر اور تحمل سے انتظار کرتا وہ اس نہایت اطمینان سے خیر مقدم بھی کرتا ہے۔

اور جو شخص روشنی سے محبت کرتا ہے روشنی بھی اس کی دل دادہ ہوتی ہے۔

اے دل خاموش، ہاں اے میرے دل خاموش رہ۔اور میرے الفاظ کو سن

میں نے خواب میں ایک سیاہ پرندے کو ایک بھڑکتے ہوئے آتش فشاں کے دھانے پر گاتے دیکھا۔

میں نے ایک سوسن کا پھول دیکھا جس نے اپنا سر برف سے اوپر اٹھایا ہوا تھا۔

میں نے ایک برہنہ حور کو قبروں کے کتبوں کے بابین ناچتے دیکھا اور ایک بچے کو کھوپڑیوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے مسرور پایا۔

یہ سب کچھ میں نے خواب میں دیکھا۔

جب میں بیدار ہوا اور اپنے گرد و پیش نظر ڈالی تو میں نے کوہ آتش فشاں کو اپنے قہر و غضب کا مظاہرہ کرتے ہوئے پایا لیکن سیاہ پرندے کو گاتے ہوئے نہ سن سکا۔

میں نے آسمانوں کو پہاڑوں اور وادیوں پر برف برساتے ہوئے دیکھا۔جس سے خاموش سوسن کا پھول سفید کفن سے ڈھک گیا۔

میں نے قبروں کی قطاریں دیکھیں جو زمانہ کے سکوت کے سامنے کھڑی تھیں۔

لیکن میں نے کسی کو ان پر ناچتے یا دعا کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔

پھر میں نے کھوپڑیوں کا ایک بہت بڑا انبار دیکھا لیکن ان میں ہوا کے قہقہوں کے سوا کسی کے قہقہے نہ سن سکا۔

جب میں بیدار ہوا تو مجھے رنج و غم کے سوا اور کچھ بھی دکھائی نہ دیا۔

تو پھر خوابوں کی مسرتیں کہاں کھو گئی ہیں۔

ہماری نیندوں کی شوکت کہاں مستور ہے اور اس کی چمک دمک کہاں روپوش ہوگئی

۔

جب تک انسان کی تمنائیں اور امنگیں عالم خواب میں واپس نہ آجائیں اس کی روح کیسے صبر کرسکتی ہے۔

اے دل خاموش اور میرے الفاظ پر توجہ فرما۔

ابھی کل ہی میری روح ایک پرانا اور مضبوط درخت تھی جس کی جڑیں زمین کی سینے میں دور تک دھنسی ہوئی تھیں۔ اور اس کی شاخیں فضا میں جھومتی تھیں۔ فصل بہار میں شگوفے پیدا کرتی تھیں اور موسم گرما میں پھل لاتی تھیں۔

جب خزاں کا موسم آیا تو میں نے چاندی کے طشت میں پھل جمع کئے اور انہیں چوراہے میں رکھ دیا۔

راہ گیر اس پھل کے پاس آئے اسے اٹھا کر کھایا اور چلتے بنے۔

جب خزاں کا موسم گزر گیا اور اس کا راگ رنگ فریاد اور ماتم میں بدل گیا۔

تو میں نے طشتوں پر نظر ڈالی اور دیکھا کہ لوگوں نے ایک کے سوا باقی تمام پھل کھا لئے ہیں۔

جب میں نے اسے چکھا تو یہ ایلوے کی طرح کڑوا اور کچے انار کی طرح کھٹا تھا۔

تب میں نے اپنے آپ سے کہا۔

تف ہے مجھ پر.....

میں لوگوں کے ہونٹوں کے لئے لعنت بنا۔

اور میں نے ان کے پیٹ میں بیماری پیدا کی۔

اے میری روح تیری وہ خوشبو کیا ہوئی جو تیری شاخوں نے سورج کی روشنی سے حاصل کی تھی۔

☆☆☆☆☆

تب میں نے اپنی روح کا پرانا..... مگر مضبوط درخت ماضی کے تنے سے کاٹ دیا اور اپنی چشم سے بہار اور خزاں کے ہزار ہا یادوں کا لبادہ لیا۔

اور میں نے اپنی روح کا درخت دوسری جگہ لگایا۔

میں نے اسے وقت کی سڑکوں سید و ربویا اور راتوں کو اس کی نگہبانی کی اور اسے اپنے آنسوؤں اور خون سے سینچا اور کہا۔

''خون میں ایک خاص لذت اور آنسوؤں میں ایک خاص حلاوت ہے۔''

جب فصل بہار واپس آئی تو میری روح کے درخت میں پھر شگوفے پھوٹے اور گرمیوں میں پھل لگا اور جب خزاں آئی تو میں نے پکے پھل توڑے اور سونے کے کشتوں میں اسے سجا کر چوراہے میں رکھا۔

لوگ پھر آئے اور گزر گئے اور کسی نے بھی پھل کو ہاتھ نہ لگایا۔

تب میں نے پھل کو اٹھا کر کھایا تو وہ شہد کی طرح میٹھا امرت کی طرح رسیلا اور چنبیلی کی طرح خوشبودار اور بابل کی شراب کی طرح خوش ذائقہ تھا۔

اور میں نے بلند آواز میں چلا کر کہا۔

''لوگ اپنے ہونٹوں پر رحمت نہیں چاہتے اور نہ پیٹ میں صداقت کے خواہاں ہیں۔''

کیونکہ رحمت آنسوؤں کی بیٹی ہے اور صداقت درد کا لخت جگر ہے۔''

تب میں واپس آیا اور اپنی روح کے الگ تھلگ درخت کے سائے میں بیٹھ گیا اور اس کا کھیت وقت کی سڑکوں سے پرے ہے۔

☆☆☆☆☆

اے دل خاموش..... پو پھٹنے تک خاموش رہ

فضا مردہ جسموں کی عفونت سے لبریز ہے وہ تمہارے زندہ سانس کو قبول نہیں کرتی

اے دل خاموش رہ اور میری آواز سن۔

ابھی کل ہی میرا تخیل اکی جہاز کی طرح سمندر کی موجوں پر تیر رہا تھا اور ہوا کے ساتھ ساحل بہ ساحل کوچ کرتا تھا اور میرے تخیل کے جہاز میں سات شیشوں کے سوا جو قوس وقزح کے سات رنگوں کی طرح تھیں اور کچھ نہ تھا۔

ایک دن جب میں سمندر کے پانیوں پر سفر کرتے کرتے تنگ آ گیا۔

تو میں نے کہا

میں اپنے تخیل کے خالی جہاز کے ساتھ اپنی جنم بھومی کی بندرگاہ کو واپس جاؤں گا۔

اور جب میں واپس لوٹنے لگا تو میں نے اپنے جہاز کے دونوں پہلوؤں پر سات رنگوں سے روغن کیا۔

یہ شام کی شفق کی طرح زرد ..... آسمانوں کی طرح لاجوردی اور ترنج کی طرح خونی رنگ بن گیا۔

میں نے اس کے بادبانوں اور چپوؤں پر ایسی تصویریں کھینچیں جو آنکھوں کو مسحور کر کے فریب نظر بن جائیں۔

جب یہ کام پورا ہو چکا تو میرے تخیل کا جہاز ایک پیغمبر کا رویا معلوم ہوتا تھا جو دو نا پیدا کنار وسعتوں کے درمیان بہ رہا ہو۔

جب میرا جہاز واپس بندگاہ میں پہنچا تو تمام لوگ مجھ سے ملنے آئے۔

انہوں نے مسرت کے نعروں سے میرا استقبال کیا اور طنبورے اور شہنائیاں بجاتے ہوئے مجھے نہایت تعظیم وتکریم سے شہر میں لے گئے۔

انہوں نے سب کچھ اس لئے کیا کیونکہ میرے تخیل کا جہاز ان کے لئے دلفریب تھا

۔

لیکن کوئی شخص اس پر سوار نہ ہوا اور نہ کسی نے یہ دیکھا کہ میرا جہاز بالکل خالی ہے۔

تب میں نے اپنے آپ سے کہا۔

میں نے لوگوں کو دھوکا دیا ہے اور رنگ کے ساتھ شیشوں سے ان کی بصارت اور بصیرت دونوں کو فریب میں مبتلا کیا ہے۔

☆☆☆☆☆

جب ایک سال گزر گیا میں پھر اپنے تخیل کے جہاز پر سوار ہوا اور سمندر پر چل نکلا۔

پھر میں جنوبی جزیروں کی طرف گیا اور وہاں سے سونا یاقوت زمرد اور ہر قسم کے قیمتی پتھر لایا۔

میں شمال کی طرف بھی گیا اور وہاں سے نایاب قسم کا ریشم اور مخمل اور ہر قسم کے فیتے اور جھالریں حاصل کیں۔

وہاں سے میں مغرب کی طرف گیا اور زرہ بکتر، نیزے اور تلواریں اور انواع و اقسام کے ہتھیار مہیا کئے۔

اس طرح میں نے اپنے تخیل کے جہاز کو دنیا بھر کی بیش قیمت اور نادر اشیاء سے بھر لیا اور اپنے دیس کی طرف واپس لوٹا۔ اور دل میں کہا۔

اب میرے وطن کے لوگ میری بہت آؤ بھگت کریں گے اور مجھے گیتوں اور شہنائیوں کے ساتھ بازار میں لے جائیں گے۔

لیکن دیکھو جب میں اپنے وطن کے لوگ میری بہت آؤ کریں گے اور مجھے گیتوں اور شہنائیوں کے ساتھ بازار میں لے جائیں گے۔

لیکن دیکھو جب میں اپنے وطن کی بندرگاہ میں پہنچا تو کوئی شخص میری پیشوائی کو نہ آیا اور نہ کسی نے میرا خیر مقدم کیا۔

میں اپنے شہر کے گلی کوچوں میں داخل ہوا لیکن کسی نے میری طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھا۔

میں بازار کے چوکوں میں بھی کھڑا ہو کر بلند آواز سے کہتا رہا کہ میں تمہارے لئے

دنیا بھر کے تحفے لایا ہوں لیکن لوگ مجھے تمسخر سے دیکھتے رہے اور ان کے چہروں پر حقارت کے آثار نمایاں تھے۔

وہ سب مجھ سے منہ موڑ کر چل دیے۔

اس طرح میں برگشتہ کھڑا رہا اور بالآخر بندرگاہ کی طرف چلا گیا۔

جونہی میری نظر جہاز پر پڑی، میں نے ایک ایسی بات دیکھی جس کی طرف میں نے سفر میں کوئی توجہ نہیں دی تھی۔

اس لئے میں شرمسار ہو کر کہا۔

دیکھوں موجوں نے میرے جہاز کے ساتوں رنگ مٹا دیئے ہیں اور اب یہ ہڈیوں کا ایک پنجر معلوم ہوتا ہے۔

تند ہواؤں، طوفانی کی بپھری موجوں اور سورج کی شعاعوں نے اس کے بادبانوں سے وہ حیرت انگیز اور دلفریب تصویریں محو کر دی تھیں جو میں نے ان پر کھینچی تھیں اور اب یہ بالکل بے رنگ اور حقیر چیتھڑے معلوم ہوتے تھے۔

یہ درست ہے کہ میں نے دنیا بھر کے خزانے صندوقچہ میں جو سمندر کی سطح پر تیرتا پھرتا ہے،

اکھٹے کئے اور اپنے دیس کو واپس آیا۔ لیکن میرے ہم وطن مجھ سے دور بھاگتے ہیں۔ کیونکہ ان کی آنکھیں ظاہری آب تاب کے سوا کچھ نہیں دیکھتیں۔

میں نے اس وقت اپنے تخیل کا جہاز چھوڑ دیا اور شہر خموشاں کی طرف چل نکلا۔

وہاں میں سفید قبروں کے درمیان بیٹھ گیا اور ان کے بھیدوں پر غور خوص کرنے لگا۔

اے دل خاموش! تو صبح تک خاموش رہ۔ خواہ طوفان تیری گہراؤں کی ہلکی ہلکی آوازوں پر خندہ زن ہوں کیونکہ جو کوئی صبح کے لئے صبر اور تحمل سے انتظار کرتا ہے صبح اس کے ساتھ محبت اور شفقت سے ہم کنار ہوتی ہے۔

اے میرے دل دیکھ صبح نمودار ہو گئی ہے۔ اگر تجھ میں تاب گویائی ہے تو بول۔

اے میرے دل۔

صبح کا جلوس دیکھ،

کیا رات کے سکوت نے تیری گہرائیوں کی تہ میں ایک گیت نہیں پیدا کیا تا کہ تو اس سے صبح کا خیر مقدم کرے۔

وادی پر فاختاؤں اور سیاہ پرندوں کی پرواز دیکھ

کیا رات کے جلال نے تیرے پروں میں اتنی توانائی نہیں پیدا کی کہ تو ان کے ساتھ محو پرواز ہو۔

میرا دل

میرے دل نے کہا کہ میں ان چیزوں سے محبت کروں جس سے دوسرے لوگ نفرت کرتے ہیں اور ان لوگوں سے دوستی پیدا کروں جنہیں دنیا ملامت کرتی ہے۔

میرے دل نے مجھ پر یہ حقیقت واضح کردی کہ محبت صرف عاشق کا مرتبہ نہیں بڑھاتی بلکہ محبوب کی قدر و منزلت میں بھی اضافہ کرتی ہے۔ اس سے پہلے محبت میرے لئے ایک دھاگا تھا جو دو کیلوں کے درمیان کس دیا گیا ہو مگر اب یہ ایک ہالہ بن چکا ہے۔ جس کی ابتداء اس کی انتہاء ہے اور اس کی ابتداء تمام موجودات کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور پھیل کر مستقبل کی ہر ایک چیز کو لپیٹ میں لینے والی ہے۔

☆☆☆☆☆

میرے دل نے مجھے آگاہ کیا اور نصیحت کی کہ صورت و رنگ کے پردوں میں حسن کو تلاش کروں۔ ہاں میرے دل نے مجھ سے مطالبہ کیا کہ ہر اس چیز پر اپنی نگاہیں جمادوں جو بدنما خیال کی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ خوبصورت نظر آنے لگیں۔ اس سے پہلے مجھے حسن دھوئیں کے ستونوں کے مابین ایک جھلملاتی ہوئی شمع دکھائی دیتا تھا مگر اب دھواں غائب ہو چکا ہے اور اب میں شمع کی لو کے سوا اور کچھ نہیں دیکھتا۔

☆☆☆☆☆

میرے دل نے کہا میں ان آوازوں کو سنوں جو نہ حلق سے بلند ہوتی ہیں اور نہ زبان سے۔ اس سے پہلے میری سماعت مجھ پر گراں تھی اور مجھے شور و غل کے سوا اور کچھ سنائی نہیں دیتا تھا۔ لیکن اب مجھے سکوت میں جذب ہونے کا شعور پیدا ہو گیا ہے اور اب میں اس کے مقدس مغنیوں کے وہ نغمے سن سکتا ہوں جو وہ ازمنہ ماضیہ کی یاد میں گاتے ہیں اور بدیت کے راز بے نقاب کرتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

میرے دل نے مجھے آگاہ کیا اور نصیحت کی کہ میں اپنی پیاس' اس شراب سے

بجھاؤں جو پیانوں میں نہ ڈالی جائے اور جسے ہاتھوں سے نہ اٹھایا جائے اور نہ ہونٹو ں سے چھوا جائے۔

اس دن تک میری پیاس راکھ میں چھپی ہوئی ایک چنگاری کی طرح تھی جسے کسی چشمہ کے ذرا سے چھینٹے سے بجھایا جاسکتا ہو۔لیکن اب والہانہ جذبہ ایک پیالہ بن چکا ہے۔محبت میری شراب بن چکی ہے اور تنہائی میرا سامان نشاط۔

☆☆☆☆☆

میرے دل نے کہا کہ میں اک نادیدہ چیز کی تلاش کروں اور اس نے مجھے بتایا کہ ہم جس چیز کو اپنے قبضے میں لانا چاہتے ہیں اس ہم محبت کرتے ہیں۔

اس سے پہلے میں جاڑے کے موسم میں گرمی اور گرمیوں کے موسم میں ٹھنڈک سے مطمئن تھا لیکن اب میری انگلیاں لہر کے مانند بن چکی ہیں اور ان چیزوں کو جوان کی گرفت میں ہیں، نیچے گرنے دیتی ہیں اور نادیدہ چیز کے ساتھ ملنے دیتی ہیں جس کا میں اب متمنی ہوں۔

میرے دل نے کہا کہ میں ایک ایسے پودے کی خوشبو سونگھوں جس کے نہ جڑے ہے نہ پھول اور نہ ڈالی اور جسے کسی آنکھ نے نہیں دیکھا۔اس سے پہلے میں سرسبز باغوں میں بھینی بھینی خوشبو رکھنے والے پودوں کے گلاب دانوں اور عطریات کے ظروف میں نکہت تلاش کیا کرتا تھا لیکن اب میں صرف اس لوبان سے واقف ہوں جسے شاید نہ جلایا جا سکے اور اب میں اس سے کہیں زیادہ نکہت سونگھتا ہوں جو دنیا بھر کے باغوں اور خوشبوں سے لدی ہوئی ہواؤں سے زیادہ تیز ہے۔

☆☆☆☆☆

میرے دل نے مجھے آگاہ کیا کہ جب کہیں سے انجانی اور من چلی پکار آئے تو اس پر لبیک کہوں اس سے پہلے میں نے صرف منڈی میں آواز لگانے والے بساطیوں کی آواز کے سوا کسی کو جواب نہیں دیا تھا اور پامال راستوں کے سوا کسی اور راستے پر نہ

چلا تھا لیکن اب جانی بوجھی چیز مجھے سواری کا کام دیتی ہے تا کہ میں ان بوجھی دنیا کی طرف روانہ ہو جاؤں اور راستہ ایکدم نہیں چکا ہے جس سے میں ایک پرخطر پہاڑ کی چوٹی تک پہنچ سکتا ہوں۔

میرے دل نے کہا کہ میں وقت کو اس مقولہ سے جانچوں کہ "اس سے پہلے کا زمانہ دیروز تھا اور مستقبل ایک فردا ہوگا" اس وقت تک میں ماضی کو ایک گزرا ہوا زمانہ خیال کیا کرتا تھا۔ جو بالکل بھلایا جا چکا ہے اور مستقبل کو ایک ایسا دور خیال کرتا تھا جس تک میں کبھی نہ پہنچ سکوں گا لیکن اب مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ دور حاضر کی قلیل مدت میں کل وقت اور اسکا ماحصل جمع ہو جاتا ہے۔

☆☆☆☆☆

میرے دل نے مجھے آگاہ کیا کہ میں زمان و مکان کا اسیر نہیں۔ اب تک میں اپنے پہاڑ پر کھڑا تھا اور دوسرے پہاڑ مجھے بہت ہی دور معلوم ہوتے تھے۔ لیکن اب میں جانتا ہوں کہ میں جس پہاڑ پر کھڑا ہوں اس میں تمام پہاڑ شامل ہیں اور جس وادی سے میں گزرتا ہوں وہ تمام وادیوں پر مشتمل ہے۔

☆☆☆☆☆

میرے دل نے مجھ سے کہا کہ جب دوسرے لوگ سو رہے ہوں تو میں پہرا دوں اور جب وہ جاگتے ہوں تب میں محو خواب ہو جاؤں کیونکہ میں عمر بھر ان لوگوں کے خواب نہ دیکھ سکا اور نہ انہوں نے میرے خواب دیکھے۔ لیکن اب میرے خواب دن کے وقت پیدا ہوتے اور جب وہ سوتے ہیں تو میں انہیں رات کی فضا میں آزاد دیکھتا ہوں اور ان کی آزادی پر خوش ہوتا ہوں۔

☆☆☆☆☆

میرے دل نے کہا میں زیادہ تعریف سے خود پسند اور ملامت کے خوف سے آزردہ خاطر نہ ہوں اس دن تک مجھے اپنی صنعت گری کے متعلق شبہ تھا لیکن اب

مجھے یہ پتہ چلا ہے کہ درخت موسم بہار میں شگوفے پیدا کرتے ہیں۔ گرمیوں کے موسم میں پھل لاتے ہیں اور خزاں میں اپنے پتے گرا کر سردیوں میں بالکل عریاں ہو جاتے ہیں اور ان کے دل میں نہ مسرت پیدا ہوتی ہے اور نہ خوف اور شرم۔

☆☆☆☆☆

میرے دل نے مجھے کہ نہ میں بونوں سے زیادہ قد آور ہوں اور نہ دیوؤں سے زیادہ پست۔ اس سے پہلے مجھے نوح انسانی دو گروہوں میں دکھائی دیتی تھی۔ ایک ناتواں جسے میں حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا اور ان پر ترس کھاتا تھا اور دوسرے طاقتور انسان جن کی یا تو اطاعت کرتا تھا یا پھر ان کے خلاف علم بغاوت بلند کرتا تھا۔ لیکن اس میں جانتا ہوں کہ میں بھی اسی مٹی سے بنا ہوں جس سے دوسرے لوگ بنے ہیں اور میرے جسم کے ترکیبی عناصر ان کے ترکیبی عناصر ہیں اور میرا ضمیر ان کا ضمیر ہے۔ میری کشمکش اور میری روش اور روش ہے۔ اور اگر وہ نیکی کے کام کرتے ہیں تو میں بھی اس نیکی میں ان کا شریک ہوں۔ اگر وہ اٹھتے ہیں تو میں اٹھتا ہوں اور اگر وہ پیچھے کھڑے ہوتے ہیں تو میں بھی ان کے ساتھ ہوں۔

☆☆☆☆☆

میرے دل نے مجھے آگاہ کیا کہ جو روشنی میرے اندر ہے وہ میری روشنی نہیں اور میرے گیتوں کی پیدائش میرے سینے میں نہیں ہوئی اگر چہ میں مشعل لے کر سفر کر رہا ہوں۔ لیکن میں روشنی نہیں ہوں اور اگر چہ میں کسے ہوئے تاروں کا ایک بربط ہوں لیکن میں تو ازنہیں ہوں۔

☆☆☆☆☆

میرے دل نے مجھے ہدایت دی اور روشنی عطا کی اور اکثر اوقات تمہارے دل نے بھی تمہیں ہدایت کی ہوگی اور تمہارے سینوں میں اجالا پیدا کیا ہوگا۔ کیونکہ تم بھی میری روح ہو اور مجھ میں اور تم میں کوئی میں نے خاموشی کے عالم میں سنا ہے اور تم اسے اپنے سینوں میں ضبط رکھتے ہو اور تمہارا ضبط اتنا ہی اچھا ہے جتنی میری گویائی۔

محبت کی پہچان

سکوت ہی میں غرق ہو کر رہ گئے۔

اس سے پہلے اگر تم مجھے محبت کے اسرار و رموز کے متعلق سوال کرتے تو میں تمہیں پورے یقین کے ساتھ جواب دیتا۔

مگر اب جب کہ محبت نے مجھے اپنے دامن میں ڈھانپ لیا ہے میں تمہارے سامنے آتا ہوں تا کہ تم سے محبت کے طور طریق اور اس کے اسرار کے متعلق استفار کروں۔

تم میں سے کون ہے جو میرے سوال کا جواب دے؟

میں تم سے اپنے اور اس چیز کے متعلق جو میرے سینے میں ہے، پوچھنے آیا ہوں۔

تم میں سے کون ہے جو میرے سوال کا جواب دے؟

میں تم سے اپنے اور اس چیز کے متعلق جو میرے سینے میں ہے، پوچھنے آیا ہوں۔

تم میں سے کون ہے جو میرے ماضی الضمیر کو میرے دل اور میرے نفس کو میرے شعور پر ظاہر کرے۔

اب مجھے بتاؤ کہ میرے سینے میں یہ کیسی آگ جل رہی ہے جس نے میری قوت زائل کر دی ہے اور میری آرزوؤں کو جلا کر راکھ کر دیا ہے؟

یہ کس کے نرم و نازک پیارے اور خوشنما ہاتھ ہیں جو میری روح کو تنہائی کے لمحوں میں اپنے قبضے میں لیتے ہیں اور میرے دل کے ساغر میں مسرت کی تلخی اور درد کی مٹھاس کی ملی جلی شراب انڈیل دیتے ہیں۔

یہ کیسے شاہ پر ہیں۔ جو رات کے بے پایاں سکوت میں میرے بستر کے گرد پھڑ پھڑا رہے ہیں جن کی جنبش سے میں رات بھر بیدار رہتا ہوں اور معلوم نہیں کس کا انتظار کرتا ہوں۔

میں اس آواز کی طرف دھیان دیتا ہوں جسے میں سننے سے قاصر ہوں اور جو نظر

نہیں آتا۔ اسے دیکھ رہا ہوں اور جسے ادراک نہیں کر سکتا۔ اس کے متعلق غور و فکر کرتا ہوں۔

رات ہے اور مجھے نیند نہیں آتی۔ میں لمبی آہیں بھرتا ہوں کیونکہ میرے لئے آہیں اور نالے..... مسکراہٹوں اور قہقہوں سے کہیں زیادہ خوش آئندہ ہیں۔

میں ایک نامعلوم قوت کی گرفت میں ہوں جو مجھے ہر لمحہ ذبح کرتی ہے اور پھر جلاتی ہے یہاں تک کہ صبح افق مشرق پر طلوع ہوتی ہے اور میرے زین بسیرے کو نور سے بھر دیتی ہے پھر میں سو جاتا ہوں لیکن میری تھکی ہوئی پلکوں میں شب بیداری کے سائے لہراتے رہتے ہیں اور میرے سنگین بستر کے گرد ایک سپنا گھر متا رہتا ہے۔

تو پھر بتاؤ..... ہماری اس پر چھائیں سی زندگی کی تہ میں کیا راز ہے جو انسانی وجود کے قلب و روح میں جاگزیں ہے؟

یہ عظیم الشان آزادی کیا ہے جو تمام اسباب کی علت اور علل کا سبب ہے؟

یہ قوت کیا ہے جو موت اور زندگی کو آپس میں مجتمع کرتی ہے اور ان سے ایسا خواب پیدا کرتی ہے جو زندگی سے بھی زیادہ عجیب اور مرت سے بھی زیادہ عمیق ہے؟

میرے بھائیو..... بتاؤ جب محبت کی سفید انگلیاں تمہاری روح کو مس کریں گی تو تم میں سے کون ہے جو زندگی کے اس رنگین خواب سے جاگ نہ اٹھے گا؟

تم میں سے کون ہے جو زندگی کو اپنے ماں باپ اور وطن کو خیر باد نہ کہے گا جب تمہاری محبوبہ تمہیں اپنی طرف بلائے.....؟

تم میں سے کون ہے جو اس محبوب کی تلاش میں جس کے لئے تمہاری روح بیقرار ہے صحراؤں کو عبور نہ کرے پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے گزر جائے۔ اور سمندروں کی طوفانی موجوں کے سامنے سینہ سپر نہ ہو!

وہ کونسا نوجوان ہے جو دنیا کے انتہائی کنارے تک نہ پہنچے جب وہاں ایک ایسی ساحرہ اس کی منتظر ہو جس کی سانس..... آواز اور لمس میں ایک لطیف رس اور

روح افروز کیفیت مضمر ہے۔

کون ہے جو اپنی روح کو اس دیوی کے آسمانی شعلے پر لوبان کے طور پر نہ جلائے جو اس یک دعاؤں کو مستجاب اور اس کی آرزوؤں کو پورا کرتی ہے۔

☆☆☆☆☆

ابھی کل ہی میں ایک معبد کے دروازے پر کھڑا تھا اور تمام راہ گیروں سے محبت کے بھیدوں اور اسرار کے متعلق سوال کر رہا تھا۔

ایک ادھیڑ عمر شخص گزرا اور اس نے ماتھے پر تیوری چڑھا کر کہا۔

''محبت کا یک جبلی کمزوری ہے جسے ہم نے ابو البشر سے وراثت کے طور پر حاصل کیا۔''

پھر ایک مضبوط اور وجیہہ جوان جس کے بازوؤں میں دیوتاؤں کی سی توانائی تھی یہ ترانہ گاتا ہوا گزرا۔

''محبت ایک عزم ہے جو ہماری زندگی کی ہم رکاب ہے اور ماضی کو مستقبل کے ساتھ وابستہ کرتا ہے۔''

اور اس کے بعد ایک غمگین عورت آہیں بھرتی ہوئی گزری اور اس نے کہا۔

''محبت وہ زہر ہے جسے خوفناک سانپ جہنم کی گہرائیوں سے اس فضا میں اگلتے اور زہر پیاسی روحوں پر برس کر انہیں کچھ دیر کے لئے مخمور بنا دیتا ہے اور پھر وہ کچھ دیر سنبھل کر ہمیشہ کے لئے نیست و نابود ہو جاتے ہیں۔''

لیکن اک نوجوان لڑکی جس کا چہرہ پھول کی طرح سرخ تھا۔ مسکراتی ہوئی آئی اور کہنے لگی۔

دیکھو محبت ایک امرت ہے جسے صبح کی دلہنیں شہ زور مردوں کے لئے برساتی ہیں تاکہ رات کو ستارے ان کے سامنے سرنگوں ہوں اور دن کا آفتاب انہیں شاداں رکھے۔

اس کے بعد ایک شخص آیا جو سیاہ لبادہ اوڑھے ہوئے تھا اور اس کی لمبی داڑھی اس کی چھاتی پر بکھری ہوئی تھی اس نے بے حد متانت آمیز لہجہ میں کہا۔

''محبت اک ندانی ہے جو شباب کی صبح کے ساتھ نمودار ہوتی ہے اور شام کے ساتھ رخصت ہو جاتی ہے۔''

اس کے پیچھے ایک اور شخص آیا جس کا نکھرا ہوا چہرہ تمتما رہا تھا۔ اس نے بہت سکون اور اطمینان کے مبعد یہ ترانہ بلند کیا۔

محبت ایک آسمانی حکمت ہے جو ظاہر کی آنکھ اور دل کی آنکھ اور دل کی آنکھ کو زندگی بخشتی ہے تا کہ ہم ہر چیز کو دیوتاؤں کی طرح دیکھنے لگ جائیں۔''

پھر ایک اندھا زمین پر اپنی لاٹھی ٹیکتا ہوا آیا۔ اس نے اس طرح آواز بلند کی گویا فریاد کر رہا ہو۔

محبت ایک کثیف دھند ہے جو روح کو ڈھانپ لیتی ہے اور زندگی کے مناظر کو اس کی نظروں سے چھپا دیتی ہے جس کے سبب وہ پتھریلی چٹانوں میں گم ہو کر اپنی آرزوؤں کے سایوں کے سوائے اور کچھ نہیں دیکھتی اور وحشت و بربادی کی وادیوں سے اپنی آواز کے سوائے اور کسی چیز کی صدائے بازگشت نہیں سنتی۔''

پھر ایک نوجوان رباب بجاتا ہوا گزرا اور اس کے ہونٹوں پر یہ گیت تھا۔

''محبت ایک آسمانی نور ہے جو دل کی نہ سے بلند ہو کر گردو پیش کی تمام چیزوں کو منور کرتا ہے تا کہ روح تمام دنیاؤں کا اس طرح نظارہ کرے گویا اس کے سامنے رنگین سبزہ زاروں اور دوسری بیداری کے مابین حسن و جمال کا ایک سہانا خواب ہے ''

اور اس نوجوانوں کے بعد ایک ضعیف انسان لڑکھڑاتا اور کانپتا ہوا آیا اور کہنے لگا۔

''جو اسے ایک خاموش مرقد میں حاصل ہوتا ہے وہ پناہ ہے جو اسے حیات بعد الموت کے حصار میں نصیب ہوتی ہے۔''

پھر ایک پانچ سال کا بچہ آیا اور اس نے تیزی سے دوڑتے ہوئے بلند آواز میں کہا

۔

''محبت میری ماں ہے اور محبت میرا باپ ہے اور میرے ماں باپ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ محبت کیا ہے''

اب دن ختم ہو چکا تھا اور تمام لوگ معبد کے سامنے سے گزر چکے تھے۔ ان لوگوں نے محبت کے متعلق کچھ نہ کچھ کہا۔

انہوں نے اپنی اپنی امنگوں اور آرزوؤں کا ذکر کیا اور زندگی کے سربستہ راز آشکار کئے۔

شام کا دھندلکا چھا جانے پر تمام لوگ اپنی اپنی راہ پر چلے گئے اور ہر طرف سناٹا چھا گیا تو میں نے معبد میں سے ایک آواز سنی۔

زندگی منجمد دریا اور دوسری بھڑکتا ہوا شعلہ بھڑکتا ہوا شعلہ محبت ہے۔''

اس وقت میں تھی معبد میں داخل ہوا اور جھک کر زمین پر گھٹنے ٹیکتے ہوئے اپنے دلکی گہرائیوں سے دعا بلند کی۔

''اے پروردگار مجھے اس بھڑکتے ہوئے شعلہ کی خوراک بنا اے کارساز مجھے اس مقدس آگ کے ایندھن بنا۔''

☆☆☆☆☆

وضاحت

تم اپنے پیش رو خود ہو اور یہ جو اونچے اونچے مینار تم نے بنائے ہیں یہ دراصل بنیادیں ہیں تمہاری خود اپنی پر عظمت شخصیت کی اور تمہاری یہ پر عظمت شخصیت بھی آگے چل کر اساس بنے گی اور بلندیوں کی۔

میں بھی اپنا پیش رو خود ہی ہوں۔ لمبا سایہ جو طلوع آفتاب کے وقت میرے سامنے پھیل جاتا ہے دوپہر کے وقت سمٹ کر میرے پاؤں کے نیچے آجائے گا اور پھر دوسرا طلوع آفتاب میرے سامنے ایک دوسرا سایہ پھیلا دے گا اور وہ سایہ بھی ایک دوسری دوپہر کے وقت سکڑ کر میرے پاؤں کے نیچے آجائیگا۔

ہم ہمیشہ سے اپنے پیش رو آپ رہے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے اور آج تک جو کچھ ہم نے بٹورا اور بٹوریں گے وہ بنجر کھیتوں کے بیج ہوں گے ہم ہی کھیت ہیں اور ہالی بھی، بٹورنے والے اور بٹورے ہوئے۔

جب تک کہر میں اک آوارہ تمنا کی صورت میں سرگرداں تھے۔ میں خود بھی وہاں ایک آوارہ تمنا کی شکل میں تھا تب ہم نے ایک دوسرے کی تلاش کی اور ہمارے ایک دوسرے کے اس شوق نے خوابوں کو جنم دیا اور یہ خواب کیا ہیں ایسا وقت جو لا انتہا ہے اور ایسی وسعت جو لامحدود ہے۔

اور جب تم زندگی کے کانپتے ہوئے پر ایک خاموش لفظ تھے، میں خود بھی وہاں تھا ایک دوسرا خاموش لفظ..... پھر زندگی نے ہمیں اگل دیا اور ہم سالوں پر دیر وز کی دھڑکتی یاد اور فردا کے ارمان لئے نیچے اترے کیونکہ دیروز موت پر فتح تھی اور فردا پیدائش کا تعاقب۔

اور اب ہم خدا کے ہاتھوں میں ہیں۔ تم اس کے دائیں ہاتھ میں ایک سورج اور میں اس کے بائیں ہاتھ میں ایک زمین ہوں۔ پھر بھی تم زیادہ روشن نہیں ہو، جتنا کہ میں منور ہوں۔

اور ہم سورج اور زمین ..... ایک بڑے سورج اور بڑی زمین کا آغاز اور ہمیشہ آغاز رہیں گے۔

تم اپنے پیش رو آپ ہو..... تم جو میرے باغ کے سامنے سے گزرنے والے ایک اجنبی ہو۔

اور میں خود بھی اپنا پیش رو آپ ہوں گو میں درختوں کی چھاؤں میں بیٹھا ہوں اور بے حس حرکت دکھائی دیتا ہوں۔

☆☆☆☆☆

معصوم آدمی

ایک دفعہ جنگل سے سریا کے پر رونق شہر میں آدمی آیا۔ وہ اپنے حال میں مست رہتا تھا اور ہمیشہ خوابوں کی دنیا میں کھویا رہتا تھا۔ اس کے پاس تن کے کپڑوں اور اعصا کے سوا اور کچھ نہ تھا۔

جب وہ گلی کوچوں میں سے گزرتا تو وہ حیرت و استعجاب سے سریا کے کلیساؤں میناروں اور محلوں کو دیکھتا۔ سریا ایک عظیم الشان شہر تھا۔ اس نے بار بار راہ چلتے لوگوں سے ان کے شہر کے متعلق پوچھا۔ لیکن وہ اس کی زبان نہ سمجھے تھے۔ اور نہ وہ ان کی زبان سے واقف تھا۔

دوپہر کے وقت وہ ایک وسیع ہوٹل کے سامنے ٹھہر گیا جو سنہرے پتھر کا بنا ہوا تھا لوگ اس میں بلا تکلف آجا رہے تھے۔

''یہ ضرور کوئی زیارت گاہ ہے'' اس نے اپنے آپ سے کہا اور اس کے اندر چلا گیا لیکن اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب اس نے دیکھا کہ وہ ایک وسیع کمرہ میں ہے اور بہت سے مرد اور عورتیں میزوں کے گرد بیٹھے کھا پی رہے ہیں اور مغنیوں سے نغمے سن رہے ہیں۔

''نہیں۔ نہیں'' اس نے اپنے دل میں کہا۔ یہ پوجا نہیں ہو سکتی۔ یہ ضرور کوئی دعوت ہے جو شہزادے نے کسی خاص تقریب پر اپنے احباب کو دی ہے۔

اتنے میں ایک آدمی جسے اس نے شہزادہ کا غلام سمجھا۔ اس کے قریب آیا اور اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ پھر اس نے شراب کباب اور لذیز مٹھائیاں اس کے سامنے رکھیں

۔

جب وہ سیر ہو چکا تو وہ جانے کے خیال سے اٹھا مگر دروازے پر ایک خوش پوش لانبے آدمی نے اسے روک لیا۔

''یہ ضرور شہزادہ ہے'' اس نے اپنے دل میں کہا اور اس کے سامنے جھک کر اظہار

تشکر کیا۔ پھر اس لانبے آدمی نے اپنی شہری زبان میں کہا۔

''جناب آپ نے کھانے کی قیمت ادا نہیں کی۔''

وہ اس کی بات نہ سمجھ سکا اور دوبارہ پرزور الفاظ میں شکریہ ادا کیا۔

اس پر اس لانبے آدمی نے قریب سے تیز نگاہ ڈالی اور غور سے دیکھا کہ وہ ایک نادار اجنبی ہے اور کھانے کا بل چکانے کے نا قابل ہے۔ پھر اس نے تالی بجائی اور شہر کے چار آدمی گئے۔ انہوں نے توجہ سے لانبے آدمی کی بات سنی اور پھر اس کو اپنے درمیان گھیر لیا۔ دو اس کے دائیں جانب اور دو بائیں جانب کھڑے ہو گئے۔ تب اس نے پر تکلف لباس اور ان کے طور طریق پر غور کیا اور ان کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا۔

اس نے کہا ''شاید شہر کے معزز لوگ ہیں۔''

پھر وہ چلتے چلتے عدالت میں پہنچے اور اس نے اپنے سامنے ایک لمبی داڑھی والے معزز آدمی کو شاہانہ لباس زیب تن کئے تخت پر بیٹھے دیکھا۔ اس نے سمجھا کہ یہ بادشاہ ہے۔ وہ اس بات پر بہت خوش ہوا کہ مجھے بادشاہ کے حضور لایا گیا۔

سپاہیوں نے جج کے سامنے جو ایک معزز آدمی دکھائی دیتا تھا، استغاثہ پیش کی اور جج نے مدعی اور مدعا علیہ کے لئے دو وکیل مقرر کئے وہ ایک دوسرے کے بعد اٹھے اور اپنے اپنے موکل کے حق میں دلائل پیش کئے۔ یہ شخص سمجھا کہ میری شان میں قصیدے کہے جا رہے ہیں چنانچہ اس کے دل میں بادشاہ اور شہزادے کی عزت افزائی کے لئے جذبات تشکر پیدا ہوئے۔

اسے سزا کا حکم سنا دیا گیا تھا۔ سزا یہ تھی کہ اشک تختی پر اس کے جرم کی نوعیت لکھ کر اس کے گلے میں لٹکا دی جائے اور ایک برہنہ پیٹھ گھوڑے پر بٹھا کر اسے شہر میں پھرایا جائے اور اس کے آگے آگے ترئی اور ڈھول سے منادی کی جا رہی تھی۔ شہر کے باشندے شور غوغا سن کر دوڑے ہوئے آئے اور اسے دیکھ کر سب کے سب ہنس

دیئے۔ بچے بالے ان کے پیچھے پیچھے گلیوں اور کوچوں میں بھاگتے اور شور مچاتے پھرتے۔

اس کا دل خوشی سے بلیوں اچھلنے لگا اور آنکھوں میں فرط مسرت سے ایک خاص چمک پیدا ہوگئی کیونکہ اس نے اپنے جرم کی سختی کو بادشاہ کی قدر و منزلت کا نشان جانا اور ہجوم کو عزت افزائی کے طور پر ایک جلوس سمجھا۔

اس حال میں جب وہ جا رہا تھا تو اس نے ہجوم میں اپنے ایک صحرانشین ہم وطن کو دیکھا۔ اس کا دل خوشی سے اچھل پڑا۔ اور اس نے چلا چلا کر کہا "دوست! دوست! ہم کہاں ہیں، یہ کیسا دل لبھانے والا شہر ہے۔ یہاں کے میزبان کتنے اچھے ہیں جو ایک غیر متوقع مہمان کی اپنے محلوں میں دعوت کرتے ہیں۔ شہزادے اس کے ہم جلیس ہوتے ہیں اور بادشاہ اسے اپنی شنودی کا نشان عطا کرتا ہے اور اس شہر کی مہمان نوازی سے شرف یاب کرتا ہے جس کا نزول آسمان سے ہوا ہے۔"

اس کے ہم وطن نے اسے کوئی جواب نہ دیا وہ مسکرایا اور اپنے سر کو ہلکی سی جنبش دی اور جلوس آگے نکل گیا۔

اس نے بڑی شان سے اپنا چہرہ اوپر اٹھایا ہوا تھا اور اس کی آنکھوں میں روشنی چمک رہی تھی۔

☆☆☆☆☆

نفس اعلیٰ

واقعہ یوں ہوا کہ بادشاہ بابل نفسی بال تاج پوشی کے بعد اپنی خواب گاہ میں گیا۔ جو تین لاماؤں نے اس کے لئے خاص طور پر تیار کی تھی۔ اس نے اپنا تاج اور شاہ لباس اتارا اور کمرے کے وسط میں کھڑے ہو کر اپنے متعلق خیال آرائیوں میں محو ہو گیا کہ اب وہ بابل کا زبردست حکمران تھا۔

یکا یک اس نے رخ پھیرا اور دیکھا کہ اس نقرئی آئینے میں سے جو اس کی ماں نے اسے دیا تھا، ایک ننگا انسان باہر نکل رہا ہے۔

بادشاہ چونکا اور با آواز بلند اس شخص سے پوچھا۔ ''تم کیا چاہتے ہو۔''؟

اس ننگے آدمی نے جواب دیا ''صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ لوگوں نے تجھے شاہی تاج کیوں پہنایا؟''

بادشاہ نے کہا ..... ''کیونکہ میں ملک میں سب سے زیادہ شہ زور آدمی ہوں۔ اس لئے انہوں نے مجھے تاج پہنایا۔''

اور اس ننگے آدمی نے کہا۔ ''اگر تم اس سے بھی زیادہ شہ زور ہوتے تو بھی تم بادشاہ نہ بنتے۔''

پھر بادشاہ نے کہا کہ ''کیونکہ میں سب سے زیادہ عقلمند ہوں اس لئے انہوں نے مجھے تاج پہنایا۔''

اور اس ننگے آدمی نے کہا۔ ''اگر تم اس سے بھی زیادہ شہ زور ہوتے تو بھی بادشاہ نہ بنتے۔''

پھر بادشاہ نے کہا کہ ''کیونکہ میں سب سے زیادہ عقلمند ہوں اس لئے انہوں نے مجھے تاج پہنایا۔''

اور اس ننگے آدمی نے کہا کہ اگر تم اس سے بھی زیادہ عقلمند ہوتے تو تمہیں بادشاہ نہیں بننا چاہیے تھا۔''

پھر بادشاہ فرش پر گر پڑا۔ اور زار و قطار رونے لگا۔

ننگے انسان نے اس کی طرف نیچی نگاہ سے دیکھا۔ پھر اس نے تاج اٹھایا.....

اور شفقت سے بادشاہ کے جھکے ہوئے سر پر رکھ دیا۔

اور بادشاہ کو محبت بھری نظروں سے دیکھتا ہوا آئینہ میں داخل ہو گیا۔

بادشاہ اٹھا اور آئینے میں دیکھا اور اب کی بار وہ اپنے آپ کو پہنے ہوئے دیکھ رہا تھا

-

☆☆☆☆☆

جنگ اور چھوٹی قومیں

ایک دفعہ ایک مرغزار میں جہاں ایک بھیڑ اور اس کا بچہ چر چگ رہے تھے ایک عقاب بچے پر بھوکی نظریں جمائے فضا میں منڈلا رہا تھا اور جب وہ اپنے شکار پر جھپٹنے اور اسے پکڑنے لگا تو ایک دوسرا عقاب نمودار ہوا۔ اس نے بھی بھیڑ اور اس کے بچے پر حریصانہ نگاہیں ڈالیں۔ اب دونوں حریف آپس میں لڑنے لگے اور انہوں نے اپنی خوفناک چیخوں سے آسمان سر پر اٹھالیا۔

بھیڑ نے آسمان کی طرف دیکھا۔ بہت حیران ہوئی اور مڑ کر بچے سے کہا۔

''میرے بچے کتنی عجیب بات ہے کہ یہ دو نجیب پرندے ایک دوسرے سے دست گریبان ہیں۔ کیا ان دونوں کے لئے یہ آسمان کی وسعت کم ہے۔ میرے ننھے بچے ..... میرے پیارے بچے دعا کر ..... ہاں خلوص دل سے دعا کر کہ خدا تیرے پرواز بھائیوں میں صلح و آشتی جذبہ پیدا کرے۔''

اور بچے نے اپنے دل میں دعا کی۔

☆☆☆☆☆

ناقد

ایک رات کا ذکر ہے کہ ایک آدمی گھوڑے پر سوار سمندر کی طرف سفر کرتا ہوا سڑک کے کنارے ایک سرائے میں پہنچا۔ وہ اترا اور سمندر کی جانب سفر کرنے والے سواروں کی طرح رات اور انسانیت پر اعتماد رکھتے ہوئے اپنے گھوڑے کو سرائے کے دروازے کے قریب درخت سے باندھا اور سرائے میں چلا گیا۔

آدمی رات کے وقت جب تمام لوگ سو رہے تھے ایک چور آیا اور مسافر کا گھوڑا چرا لے گیا۔

صبح وہ آدمی اٹھا اور دیکھا کہ اس کا گھوڑا چوری وہ گیا ہے۔ وہ گھوڑا چرائے جانے پر بیحد غمگین ہوا اور نیز اس بات پر اسے بے حد افسوس ہوا کہ ایک انسان نے اپنے دل گھوڑا چرانے کے خیال سے ملوث کیا۔

تب سرائے کے دوسرے مسافر آئے اور اس کے گرد کھڑے ہو کر باتیں کرنے لگے۔

پہلے آدمی نے کہا ''کیا یہ تمہاری حماقت نہیں کہ تم نے گھوڑے کو اصطبل سے باہر باندھا۔''

دوسرے نے کہا ''اور یہ اس سے بڑھ کر حماقت ہے کہ گھوڑے کو چھنال نہیں لگائی۔''

تیسرے نے کہا ''اور یہ حماقت کی انتہا ہے کہ سمندر کی طرف گھوڑے پر سفر کیا جائے۔''

چوتھے نے کہا ''صرف سست اور کاہل لوگ ہی گھوڑے رکھتے ہیں۔''

تب مسافر بے حد حیران ہوا آخر کار چلایا۔ ''میرے دوستو! کیا تم اس لئے میری غلطیوں اور کوتاہیوں کو گنوا رہے ہو کہ میرا گھوڑا چوری ہو گیا لیکن عجوبہ یہ ہے کہ تم نے ایک لفظ بھی اس کے متعلق نہیں کہا جس نے میرا چرایا۔''

☆☆☆☆☆

کورا کاغذ

کاغذ کے ایک سفید ورق نے کہا۔ ''میں بے داغ بنایا گیا ہوں اور ہمیشہ بے داغ ہی رہوں گا۔ اور میں جل کر سفید راکھ میں تبدیل ہونا زیادہ پسند کروں گا بجائے اس کے سیاہی مجھے چھوئے اور داغ میرے قریب آئے''

جو کچھ سفید کاغذ نے کہا دوات نے سنا اور اپنے تاریک دل میں ہنس دی لیکن اس کے قریب جانے کی جرات نہ کی۔

رنگ برنگی پنسلوں نے بھی سنا، وہ بھی اس کے نزدیک نہ پہنچ سکیں اور کاغذ کا سفید روق اسی طرح بے داغ رہا، بے داغ اور صاف..... لیکن کورا۔

☆☆☆☆☆

شاعر اور عالم

ایک سانپ نے ایک چنڈول سے کہا ''تم اڑتے ہو، لیکن تم زمین کے ان گوشوں کو نہیں دیکھ سکتے جہاں زندگی کا رس مکمل خاموشی میں حرکت کرتا ہے اور چنڈول نے جواب دیا۔

''بیشک تم بہت سی باتیں جانتے ہو تم تمام عقلمند سے زیادہ عقلمند ہو، لیکن افسوس کہ تم اڑ نہیں سکتے''

سانپ نے جیسے اسے سنا ہی نہیں اور وہ کہنے لگا ''تم سمندر کے اسرار تک نہیں پہنچ سکتے۔ نہ ان دیکھی مملک کے خزانوں میں گھوم سکتے ہو ابھی کل کی بات ہے کہ میں ہیروں بھری غار میں لیٹا رہا تھا۔ وہ پکے ہوئے انار کے دانوں کے طرح سرخ تھے، اور روشنی کی ایک چھوٹی سی کرن انہیں آتشیں گلاب میں بدل دیتی تھی۔ میرے سوا ان ہیروں کو کون دیکھ سکتا ہے۔''

چنڈول نے کہا ''کوئی نہیں۔ واقعی تمہارے سوا کوئی ہستی ازمنہ قدیم کی بلوریں یادگاروں میں لیٹ نہیں سکتی پر افسوس کہ تم گا نہیں سکتے۔''

سانپ نے کہا ''مجھے ایک ایسے پودے کا علم ہے جس کی جڑیں زمین میں پاتال تک جاتی ہیں اور جو اس جڑ کو دکھائے، وہ عشرت سے بھی زیادہ حسین بن جاتا ہے۔

چنڈول نے کہا ''کوئی نہیں واقع کوئی دوسرا جاندار تمہارے سوا زمین کے طلسمی خیال کو بے نقاب نہیں کر سکتا پر افسوس کہ اڑ نہیں سکتے''

سانپ نے کہا ''قرمزی رنگ کی ایک ندی ہے جو پہاڑ کی تہ میں بہتی ہے اور کوئی اس کا پانی پی لے وہ لافانی بن جائے یقیناً کوئی پرندہ یا حیوان اس قرمزی کو پا نہیں سکتا۔''

چنڈول نے کہا ''ہاں اگر تم چاہو تو دیوتاؤں کی طرح لافانی بن سکتے ہو لیکن افسوس تم گا نہیں سکتے۔''

سانپ نے کہا ''مجھے ایک مدفون مندر کا علم ہے جسے میں دن میں ایک بار ضرور دیکھتا ہوں۔ اسے دیوتاؤں کی ایک معدوم نسل نے تعمیر کیا تھا اور اس کی دیواروں پر زمان و مکان کے اسرار لکھے ہوئے ہیں اور جو کوئی اسے پڑھ لے وہ تمام رازوں کا سمجھ لے گا۔

چنڈول نے کہا ''سچ مچ اگر تم چاہو تو زمان و مکاں کے سارے عالم اپنے جسم کے ساتھ لپیٹ سکتے ہو پر اس کا کیا ہو کہ تم اڑ نہیں سکتے۔''

اس پر سانپ کو بہت غصہ آیا جب وہ مڑا اور سوراخ میں داخل ہوا تو اس نے بڑبڑا کر کہا۔

''خالی الذہن گانے والا پرندہ۔''

اور چنڈول یہ نغمہ سرائی کرتا ہوا پرواز ہو گیا۔ ''افسوس افسوس میرے عقلمند دوست تم اڑ نہیں سکتے۔''

☆☆☆☆☆

سوچ

ایک دفعہ ایک شخص اپنے کھیت میں سے سنگ مرمر کا ایک خوبصورت مجسمہ ملا۔ وہ اسے کباڑی کے پاس لے گیا۔ جسے تمام نادر اور پرانی چیزیں جمع کرنے کا شوق تھا۔ اس شخص نے مجسمہ کو فروخت کیلئے پیش کیا۔ کباڑی نے اسے بھاری رقم پر خرید لیا۔ وہ شخص رقم لے کر چلا گیا۔

جب وہ رقم لے کر گھر واپس جا رہا تھا تو اس نے سوچا اور اپنے آپ سے کہا، اس دولت میں کیسی زندگی مضمر ہے اور ایک پتھر کے بے جان مجسمہ کے عوض جو ہزاروں سالوں سے زمین کے نیچے دبا پڑا رہا اور جو کسی کے خواب و خیال میں بھی نہ آیا ہو۔ کوئی اتنی بڑی رقم کیسے دے سکتا ہے۔

اب کباڑی اس خوبصورت مجسمے کی طرف دیکھ رہا تھا اور اس نے اپنے سے کہا کیا زندگی بھر دی ہے اور کوئی شخص ایسی خوبصورت چیز کو بے جان اور بے حس دولت کے عوض کیونکر فروخت کر سکتا۔

☆☆☆☆☆

وہم

ایک مچھلی نے دوسری مچھلی سے کہا ''ہمارے اس سمندر کے اوپر ایک اور سمندر ہے جس میں اور جاندار بھی رہتے ہیں اور وہ بالکل اسی طرح ہی رہتے ہیں جس طرح کہ ہم یہاں زندگی گزار رہے ہیں۔''

دوسری مچھلی نے جواب دیا۔ ''یہ تمہارا وہم ہے۔تم جانتی ہو کہ جو چیز ہمارے سمندر سے ذرا سا بھی پرے ہٹ جاتی ہے اور وہیں ٹھہر جاتی ہے تو وہ مر جاتی ہے تمہارے پاس دوسرے سمندروں میں زندہ رہنے کا کیا ثبوت ہے۔''

☆☆☆☆☆

ضمیر کی بیداری

ایک اندھیری رات میں ایک شخص اپنے ہمسائے کے باغ میں داخل ہوا اور اپنی سمجھ میں سب سے بڑا تربوز چرایا اور اسے لے کر آیا۔

جب اس نے اسے چیرا تو دیکھا کہ وہ ابھی کچا ہی تھا۔

تب ایک معجزہ رونما ہوا۔

اس ضمیر بیدار ہوا اور اسے ندامت سے جلانے لگا اور وہ تربوز چرانے پر پچھتایا۔''

☆☆☆☆☆

مکمل اور نامکمل علم

دریا کے کنارے ایک شہتیر تیر رہا تھا۔ اس پر چار مینڈک بیٹھے تھے۔ یکا یک پانی کا ریلا آیا اور شہتیر کو بہا کر منجدھار میں لے گیا۔ مینڈک خوش تھے اور مطمئن کیونکہ آج تک انہوں نے ایسا لطف نہ اٹھایا تھا۔

آخر پہلا مینڈک بولا۔ ''درحقیقت یہ نہایت ہی عجیب وغریب شہتیر ہے اور یوں تیرتا ہے گویا زندہ ہے آج تک ایسا شہتیر دیکھنے میں نہیں آیا۔''

پھر دوسرا مینڈک بولا۔ ''نہیں میرے دوست! یہ شہتیر بھی دوسرے گھٹوں کی طرح ہے اور یہ حرکت نہیں کرتا۔ یہ دریا ہے جو سمندر کی طرف بہہ رہا ہے اور اپنے بہاؤ کے ساتھ ہمیں اور اس گھٹے کو لے جا رہا ہے۔''

اور تیسرا مینڈک بولا۔ ''نہ تو شہتیر تیر رہا ہے اور نہ دریا بہہ رہا ہے حرکت تو ہمارے خیال میں ہے کیونکہ خیال کے بغیر کوئی شے حرکت نہیں کر سکتی۔''

اور تینوں مینڈک آپس میں جھگڑنے لگ گئے کہ فی الحقیقت حرکت کرنے والی چیز کونسی ہے نزاع بڑھتی گئی اور بات میں جوش وخروش پیدا ہوتا گیا لیکن وہ فیصلہ نہ کر سکے۔

پھر انہوں نے چوتھے مینڈک سے پوچھا جو اس وقت تک ساری بحث توجہ سے سنتا رہا تھا مگر چپ چاپ بیٹھا تھا اور انہوں نے اس کی رائے دریافت کی اور چوتھے مینڈک نے کہا تم میں سے ہر ایک راستی پر ہے اور تم میں سے کوئی غلطی پر نہیں، حرکت شہتیر میں بھی ہے پانی میں بھی ہے اور ہمارے خیال میں بھی ہے۔''

اور تینوں مینڈک غضبناک ہو گئے کیونکہ ان میں کوئی بھی یہ تسلیم کرنے کو تیار نہ تھا کہ اس کا دعویٰ سراسر صداقت پر مبنی نہیں اور دوسرے دونوں پورے طور پر غلط نہیں۔

پھر ایک عجیب بات ہوئی، تینوں مینڈک مل گئے اور انہوں نے چوتھے مینڈک کو شہتیر پر سے دھکا دے کر دریا میں گرا دیا۔

☆☆☆☆☆

دشمن حاکم

اسحانہ کی ملکہ دردزہ میں مبتلا تھی اور بادشاہ اور اس کے باوقار ارکان سلطنت پردادسانڈوں کے بڑے ایوان میں دم بخود منتظر تھے۔

دوپہر کے وقت یکا یک ایک ایلچی آیا اور بادشاہ کے حضور میں سجدہ ریز ہو کر بولا۔ ''غلام! حضور بادشاہ سلامت اور غلامان بادشاہ کے لئے خوشخبری لایا ہے، بے رحم محراب، ملک معظم کا دیرینہ دشمن بتھروں مر گیا۔''

جب بادشاہ اور پرجلال ارکان نے یہ خوشخبری سنی وہ سب اچھل پڑے اور مسرت کے نعرے بلند کئے، کیونکہ بات یہ تھی کہ اگر بادشاہ محراب زندہ رہتا تو وہ یقیناً اسحانہ کو تخت وتاراج کر ڈالتا اور اس کے باشندوں کو غلام بنالیتا۔

اس موقعہ پر شاہی طبیب بھی اس پردادسانڈوں والے ہال میں داخل ہوا اس کے پیچھے پیچھے شاہی دایہ تھیں۔ یہ بادشاہ کے حضور میں سجدہ ریز ہوا اور بولا۔ میرا آقائے نامدار تا ابد سلامت رہے اور ان گنت نسلوں تک اسحانہ کے لوگوں پر اس کی حکومت قائم و دائم رہے۔ اے آقائے نامدار تیرے مشکوئے معلّٰی میں عین اسی وقت بیٹا ہوا ہے جو تیرا وارث ہوگا۔''

یہ سن کر بادشاہ کی روح نشہ شادمانی سے سرشار ہوگئی کہ ایک ہی وقت پر اس کا دشمن مر گیا اور اس کا جانشین بھی پیدا ہوگیا۔ اسی شہر اسحانہ میں ایک شچا پیشن گو رہتا تھا۔ پیشن گو نوجوان اور حوصلہ مند تھا اور بادشاہ نے اسی رات حکم دیا کہ پیشن گو کو اس کے حضور میں پیش کیا جائے اور جب وہ حاضر ہوا تو بادشاہ نے اس سے کہا ''اب پیشنگوئی کرو، ہاں بتاؤ کہ میرے بیٹے کا مستقبل کیسا ہوگا۔ جس نے آج شاہی محل میں جنم لیا ہے۔'' پیشن گو بالکل نہ جھجکا اور اس نے کہا۔ سن اے بادشاہ!

میں ضرور تیرے بیٹے کے مستقبل پیشن گوئی کروں گا جو آج ہی تیرے ہاں پیدا ہوا ہے۔ تمہارے دشمن کی روح..... ہاں، تمہارے دشمن شاہ محراب کی روح جو

کل شام مرا ہے، ایک دن کے لئے فضا میں منڈلاتی رہی اور پھر اس نے اپنے لئے ایک جسم تلاش کیا اور جس جسم میں وہ داخل ہوئی وہ تمہارے ..... اس بیٹے کا جسم ہے، جو تیرے ہاں ابھی پیدا ہوا ہے۔"

اس پر بادشاہ غضبناک ہو گیا اور اس نے اپنی تلوار سے پیشن گو کا سر قلم کر دیا۔ اور اس دن سے لے کے آج تک اسحانہ کے عقلمند لوگ ایک دوسرے سے خفیہ طور پر کہا کرتے ہیں۔ "کیا یہ حقیقت نہیں۔ کیا مدت سے یہ بات مشہور نہیں کہ اسحانہ پر ایک دشمن حکومت کرتا ہے۔"

☆☆☆☆☆

ریحانہ

باپ مرا تو وہ دودھ پیتی بچی تھی۔ اور ماں مری تو آٹھ نو برس کی بھولی بھالی لڑکی، جسے بے چارگی و کسمپرسی نے مفلس ہمسائے کے ٹکڑوں پر لا ڈالا، جو لبنان کی دل کش وادیوں میں بھیتی باڑی کرتا تھا، اور وہیں ایک تنہا جھونپڑے میں، اپنے بیوی بچوں کے ساتھ اناج اور پھلوں پر زندگی بسر کرتا تھا۔

باپ کی طرف سے اس غریب کو اخروٹ اور شفتالو کے درختوں سے گھری ہوئی ایک چھوٹی سی جھونپڑی ورثہ میں ملی اور ماں کی طرف سے رنج و غم کے آنسو اور یتیمی کی ذلت! اب وہ اپنے وطن میں غریب الوطن تھی اور ان بلند چٹانوں اور گھنے درختوں میں اکیلی!!

اس کا معمول تھا کہ صبح سویرے، ننگے پاؤں، بدن پر لیبرے لگائے گائے بھینسوں کا ریوڑ ہانکتی، ہری بھری چراگاہ میں جاتی اور درختوں کی چھاؤں تلے بیٹھ کر، چڑیوں کے ساتھ گاتی، نہر کے ساتھ چرتی، گائے بھینسوں کو۔۔۔۔ ان کے چارہ کی بہتات پر۔۔۔۔ رشک کی نگاہ سے دیکھتی، پھولوں کی شگفتگی اور تتلیوں کی پرواز کا نظارہ، شام ہوتے، کڑاکے کی بھوک لگتی تو گھر واپس آتی اور اپنے آقا کی چھوٹی لڑکی کنگلوں کی طرح کھاتی۔ اس کے بعد خشک پھل اور روغن زیتون اور سرکہ میں ڈوبی ہوئی ترکاریوں سے جوار کی روٹی کنگلوں کی طرح کھاتی۔ اس کے بعد خشک گھاس کے بستر پر اپنے بازوؤں کو تکیہ بنا کر لیٹ جاتی اور اپنی بدقسمتی پر ٹھنڈے سانس بھرتی، اس تمنا میں سو جاتی کہ ''زندگی'' کاش! ایک گہری نیند ہوتی، جسے خواب منقطع کر سکتے، نہ بیداری چھو سکتی۔'' صبح جب اس کا آقا، اسے بیدار کرتا، تو گھبرا کر اٹھ بیٹھتی۔۔۔۔ اس کے غضب سے کانپتی اور اکھڑپن سے ڈرتی ہوئی!

سال پر سال گزرتے گئے اور غریب ریحانہ اسی طرح ان ٹیلوں اور وادیوں میں پلتی بڑھتی رہی۔ عمر کے ساتھ ساتھ اس کی مصیبتیں بھی بڑھ رہی تھیں۔ اس کے دل

میں، غیر محسوس طور پر جذبات پیدا ہو رہے تھے، جیسے پھول کلیوں کی گہرائیوں میں خوشبو پیدا ہوتی ہے۔ دھڑکے اور وسوسے اسے چاروں طرف سے گھیر رہے تھے، جس طرح مویشی چشمے کو گھیر لیتے ہیں۔

اب وہ سوجھ بوجھ والی لڑکی تھی، اس عمدہ اور اچھوتی زمین کی مانند، جو معرفت کے بیج اور تجربہ کے قدم سے نا آشنا ہو!

اب وہ ایک مقدس روح کی حامل تھی، جسے مشیت الٰہی نے اس طلسمی سبزہ زار میں پھینک دیا تھا، جہاں زندگی موسموں کے تغیر کے ساتھ بدلتی رہتی ہے۔

اپنی ان لطافتوں کی بنا پر وہ ایسی معلوم ہوتی تھی، گویا انجانے خدا کا پرتو، زمین اور آفتاب کے درمیان جلوہ فرما ہے۔

ہم کہ ہماری زندگی کا بیشتر حصہ، متمدن شہروں میں گزرتا ہے، لبنان کی دیہاتی زندگی کے متعلق تقریباً کچھ نہیں جانتے۔ ہم جدید تمدن کے دھارے پر بہتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس سیدھی سادی، صاف ستھری اور حسین و جمیل زندگی کے فلسفہ کو بھول جاتے ہیں، یا جان بوجھ کر بھلا دیتے ہیں ۔۔۔۔ وہ زندگی، جو غور کرنے پر ہمیں بہار میں متبسم، گرمیوں میں گراں بار، خزاں میں زر آفریں، جاڑوں میں سکون پذیر اور اپنے ہر دور میں فطرت کے عطیوں کی تصویر نظر آتی ہے۔ مادی حیثیت سے ہمیں دیہاتیوں پر امتیاز حاصل ہے لیکن روحانی اعتبار سے وہ ہمارے مقابلہ میں کہیں بہتر ہیں۔ ہم بوتے بہت کچھ ہیں، لیکن کاٹتے کچھ نہیں، لیکن وہ جو کچھ بوتے ہیں وہی کاٹتے ہیں۔ ہم غرض کے بندے ہیں اور وہ قناعت کے پتلے۔ ہم ناامیدی، خوف اور اسی سے تلخ زندگی کی شراب پیتے ہیں اور وہ پاک و صاف، ستھری ستھری!

ریحانہ اب سولہ برس کی تھی۔ اس کا نفس ایک شفاف آئینہ کی مثال تھا، جس میں سبزہ و گل کی رعنائیوں کا عکس پڑتا، اور دل وادی کی خلاؤں سے مشابہ، جس میں ہر آواز گونجتی۔

فطرت کی آہو بکا کے دن تھے۔ ریحانہ ایک چشمہ کے قریب بیٹھی، جو زمین پر ہوتے ہوئے بھی اس سے اس طرح الگ تھا، جیسے شاعر کے افکار اس کے خیال و تصور سے، ذرد پتوں کے نظارہ میں محو تھی، جن سے ہوا کی موجیں کھیل رہی تھیں، جس طرح موت انسانی روح کے ساتھ کھیلتی ہے اس نے ان مرجھائے ہوئے پھولوں کی طرف نگاہ کی، جو شاخ سے گرا کر اپنے بیجوں کو زمین کے حوالے کر رہے تھے، جس طرح افراتفری کے زمانہ میں عورتیں اپنے جواہرات و زیورات مٹی میں دبا دیتی ہیں۔

وہ پھولوں اور درختوں کو دیکھ رہی تھی اور موسم گرما کی جدائی کا المناک احساس اس کے دل کو برما رہا تھا کہ اس نے سنا، وادی گھوڑے کی ٹاپوں سے گونج رہی ہے۔ پلٹ کر دیکھا تو ایک گھڑ سوار آہستہ آہستہ اس کی طرف آ رہا تھا۔ چشمہ کے قریب پہنچ کر وہ گھوڑے سے اتر گیا۔ اس کے لباس اور خدوخال سے آسودگی اور ذہانت آشکار تھی۔ اس نے نہایت تکلف سے، جو صرف مرد کا حصہ ہے، ریحانہ کو سلام کیا اور کہا:

''میں ساحل کا راستہ بھول گیا ہوں، کیا تم میری رہنماء کر سکتی ہو؟''

وہ ایک دم کھڑی ہو گئی، جیسے چشمہ کے کنارے درخت کی شاخ، اور جواب دیا:

''مجھے ساحل کا رستہ معلوم نہیں! لیکن میں ابھی جا کر اپنے آقا سے پوچھے لیتی ہوں، وہ جانتا ہے۔''

یہ الفاظ اس نے دل کڑا کر کے ادا کئے۔ حیا نے اس کے حسن و دلکشی میں اضافہ کر دیا۔ لیکن جب اس نے جانے کا ارادہ کیا تو اجنبی نے اسے روک لیا، جوانی کی شراب اس کی رگوں میں موجزن تھی اور اس کی آنکھیں ایک نا قابل بیان کیفیت سے چمک رہی تھیں۔ وہ کہنے لگا:

''نہیں! نہیں!! تم نہ جاؤ!!!''

ریحانہ نے اجنبی کی آواز میں ایک ایسی قوت محسوس کی، جس نے اسے حرکت سے روک دیا اور وہ جہاں کھڑی تھی، متحیر و مبہوت وہیں کھڑی رہی۔ اس نے حیا سے اچٹتی ہوئی نگاہ اجنبی پر ڈالی وہ اسے گھور رہا تھا، ایک ایسے اہتمام کے ساتھ، جس کے معنی اس کی سمجھ میں نہ آئے۔ وہ مسکرا رہا تھا، ایک ایسے طلسمی شغف کے ساتھ، جس کی شیرینی قریب تھا کہ ریحانہ کو رلا دیتی۔ وہ لطف و محبت کی نگاہ سے اس کے ننگے پاؤں، خوبصورت بازوؤں، چمک دار گردن اور کثیف لیکن نرم و نازک بالوں کو دیکھ رہا تھا۔ وہ شوق اور تعجب کے ساتھ اس امر پر غور کر رہا تھا کہ آفتاب نے کس طرح اس کے چہرہ کو تابناک بنایا ہے اور فطرت نے کیسے اس کے بازوؤں کو طاقت بخشی ہے؟

لیکن ریحانہ؟۔۔۔۔ وہ شرم سے نیچی نگاہ کئے کھڑی تھی نامعلوم اسباب کی بنا پر وہ نہ وہاں سے ہلنا چاہتی تھی، نہ اس سے گفتگو کرنے پر قادر تھی۔

اس دن شام کو وہ وسیل گائے بھینسیں، تنہا اپنی باڑ میں واپس آئیں۔ شام کو جب ریحانہ کا آقا کھیت سے لوٹا، تو اسے تلاش کے لئے نکلا، لیکن اس کا کہیں پتہ نہ تھا۔ اس نے ''ریحانہ'' کہہ کر اسے پکارنا شروع کیا، لیکن درختوں میں سنسناتی ہوئی ہوا اور غاروں کے سوا کسی نے جواب نہ دیا۔ مجبور و مایوس وہ جھونپڑی میں واپس آیا اور اپنی بیوی کو اس حادثہ کی اطلاع دی۔ وہ اس غیر متوقع خبر کو سن کر حیران رہ گئی۔ اس غم میں وہ غریب ساری رات چپکے چپکے روتی رہی اور اپنے دل میں کہتی رہی:

''میں نے ایک دفعہ خواب میں دیکھا تھا کہ وہ ایک وحشی درندہ کے چنگل میں پھنسی ہے۔ درندہ اسے پھاڑ رہا ہے اور وہ ہنس بھی رہی ہے رو بھی رہی ہے۔''

☆☆☆☆☆

اس چھوٹے سے خربصورت گاؤں میں لوگوں کو ریحانہ کے متعلق صرف اتنا ہی معلوم تھا۔ مجھے اس کی اطلاع گاؤں کے ایک بوڑھے آدمی سے ملی، جس کے سامنے

ریحانہ چھوٹی سے بڑی ہوئی اور یکا یک لاپتہ ہوگئی، اس طرح کہ اپنی یادگار کے طور پر کچھ چھوڑا بھی، تو اپنی مالکہ کی آنکھ میں چند آنسو، یا وہ لطیف وہ موثر یاد، جو اس وادی میں نسیم سحر کی نرم و نازک موجوں کے ساتھ بہتی ہے اور فنا ہو جاتی ہے، گویا کھڑکی کے شیشہ پر بچہ کے منہ کی بھاپ ہے۔

(2)

1900ء کا ذکر ہے، خزاں کا موسم تھا کہ میں اپنی تعطیلات کا زمانہ شمالی لبنان میں گزار کر بیروت واپس آیا اور کالج کھلنے سے پہلے مسلسل ایک ہفتہ تک اپنے دوستوں کے ساتھ پھرتا پھراتا اور آزادی کیاس مسرت سے لطف اندوز ہوتا رہا، جس سے جوانی کو بے انتہائی محبت ہے اور جس کا احترام وہ ماں باپ اور عزیز و اقربا کے گھروں میں بھی کرتی ہے اور مدرسہ کی چار دیواری میں بھی۔ ہم سب کی حالت اس وقت ان پرندوں کی سی تھی، جو پنجرہ کا دروازہ کھلا دیکھیں اور ان کا دل پرواز کی لذت اور چہچہانے کی مسرت سے لبریز ہو جائے۔

جوانی ایک حسین خواب ہے، جس کی شیرینی، کتابوں کے باریک اور پوشیدہ مسائل کو اپنا غلام بنا کر، ایک الم کار بیداری سے بدل دیتی ہے۔ تو کیا کبھی وہ دن بھی آئے گا۔ جب اہل فکر و نظر، جوانی کے تصوارت اور معرفت کی لذتوں کو سمو دیں گے، جس طرح ملامت وہ متنفر دلوں کو آپس میں ملا دیتی ہے؟ کیا کبھی وہ دن بھی آئے گا، جب فطرت انسانی کی معلمہ، انسانیت اس کی کتاب اور زندگی اس کا مدرسہ ہوگی؟ کوئی مجھے بتا دے! کیا میری یہ تمنا پوری ہوگی؟

گو ہم جانتے نہیں، لیکن محسوس کرتے ہیں کہ ہم نہایت تیز رفتاری کے ساتھ "روحانی ارتقاء" کی طرف جا رہے ہیں۔ اور یہ ارتقاء جمال کائنات کا ادراک ہے، جو ہمیں اپنے دل کے جذبات کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے اور سعادت و خوش بختی کی بہتات ہے، جو نتیجہ ہے اس جمال سے ہماری محبت کا۔

ایک دن میں چوک میں کسی بلند مقام پر بیٹھا، وہ ہنگامے دیکھ رہا تھا، جو شہر کے میدانوں میں مستقل طور پر پائے جاتے ہیں۔ دکانداروں اور پھیری والوں کی چیخ پکار اور وہ آوازیں سن رہا تھا، جو وہ اپنے سامان تجارت یا کھانے پینے کی چیزوں کی تعریف میں لگا رہے تھے کہ پانچ برس کا ایک بچہ، پھٹے کپڑے پہنے، کندھوں پر چھوٹا سا چھابہ لئے، جس میں پھولوں کے ہار تھے، میرے پاس آیا اور گھٹی ہوئی آواز میں، جس سے موروثی پستی اور المناک تباہی کا اظہار ہوتا تھا، کہنے لگا:

''بابو جی پھول لیں گے؟''

میں نے اس کے ننھے منے سے زرد چہرے کی طرف دیکھا، اس کی آنکھیں بدبختی اور مفلسی کی پرچھائیوں سے تاریک تھی، منہ تھوڑا سا کھلا تھا، گویا بیمار کے سینہ کا گہرا گھاؤ ہے۔ کلائیاں ننگی اور دبلی پتلی تھیں۔ چھوٹا سا نازک قد پھولوں کے چھابے پر جھکا تھا، جیسے تر و تازہ سبزیوں میں مرجھائے ہوئے زرد گلاب کی ٹہنی۔ میں نے لمحہ میں اس کا یہ دلدوز سراپا دیکھ لیا اور میری شفقت و مہربانی اس مسکراہٹ کی شکل میں ظاہر ہوئی، جو آنسو سے زیادہ تلخ ہوتی ہے۔۔۔۔ وہ مسکراہٹ، جو ہمارے دل کی گہرائیوں سے ابھر کر ہونٹوں پر نمودار ہوتی ہے اور اگر ہم اس سے گریز کرتے ہیں تو ہماری آنکھوں میں پہنچتی ہے اور آنسو بن کر ہمارے رخساروں پر ڈھلک آتی ہے۔

میں نے کچھ پھول خریدے اور اس سے باتیں کرنے لگا۔ مجھے معلوم تھا کہ اس یک غمناک نگاہوں کے پیچھے ایک چھوٹا سا دل ہے، جس میں ازلی اور ابدی فقیروں کی المیہ کہانی کا ایک باب پوشیدہ ہے۔۔۔۔ وہ المیہ کہانی، جو شب و روز دنیا کے اسٹیج پر کھیلی جاتی ہے، لیکن بہت کم لوگ ہیں، جو اس کی درد آفرینیوں کے دیکھنے کی تاب لاتے ہیں۔

جب میں نے لطف و مہربانی کیا انداز میں اس سے باتیں کیں تو اس کا خوف دور ہوا اور وہ مجھے حیرت سے دیکھنے لگا، کیونکہ وہ بھی اپنے جیسے اور محتاجوں کی طرح ان

نوجوانوں کی جھڑکیاں گھرکیاں سننے کا عادی تھا، جو عام طور سے سڑک پر بھیک مانگنے والی نوجوان لڑکی کی اس طرح دیکھتے ہیں، گویا وہ ایک پلید و ناپاک چیز ہے جس کی کوئی ہستی نہیں۔ ان خدا کے بندوں کو کبھی یہ خیال نہیں آتا کہ یہ غریب بھی ان قسمت کے ماروں میں سے ایک ہے، جن کے سینے زمانہ کے تیروں نے چھلنی کر دیئے ہیں۔

میں نے اس سے پوچھا:

''تمہارا نام کیا ہے؟''

زمین سے نگاہیں اٹھائے بغیر اس نے جواب دیا:

''فواد۔۔۔۔!''

''تم کس کے بیٹے ہو؟'' میں پوچھا، ''اور تمہارے رشتہ دار کہاں ہیں؟''

''میں ریحانہ کا بیٹا ہوں!'' اس نے جواب دیا۔

''اور تمہارا باپ کہاں ہے؟'' میں نے پوچھا۔

جواب میں اس نے اس طرح سر ہلا دیا گویا سرے سے باپ کے معنی ہی نہیں جانتا۔

''فواد! تمہاری ماں کہاں ہے؟'' میں نے دریافت کیا۔

''گھر میں بیمار پڑی ہے!'' اس نے جواب دیا۔

بچہ کے منہ سے نکلے ہوئے یہ مختصر الفاظ میرے کانوں میں پہنچے اور میرے جذبات نے انوکھی تصویریں اور المناک پرچھائیاں بناتے ہوئے انہیں جذب کر لیا۔ میں اسی لمحے سمجھ گیا کہ وہ غریب ریحانہ جس کی داستان میں نے گاؤں کے اس بوڑھے سے سنی تھی، آج کل بیروت میں ہے اور بیمار ہے۔ وہ نوعمر حسینہ، جو کل تک وادی کے درختوں میں اطمینان و بے فکری کی زندگی بسر کر رہی تھی، آج شہر میں ہے اور مفلسی و بے چارگی کی مصیبتیں برداشت کر رہی ہے۔ وہ یتیم لڑکی، جس نے حسین و

جمیل چراگاہوں میں گائے بھینسیں چراتے ہوئے، اپنی جوانی کا ابتدائی دور فطرت کی ہتھیلیوں پر گزارا تھا آج فاسد تمدن کے سیلاب میں بہہ کر ناکامی و بدبختی کے خونی چنگل کا شکار ہوگئی ہے۔

میں خاموش بیٹھا، ان تمام چیزوں کے متعلق سوچ رہا تھا اور بچہ ایک عجیب حیرانی کے عالم میں مجھ پر نگاہیں جمائے بے حس و حرکت کھڑا تھا، گویا اپنی پاک و معصوم روح کی آنکھوں سے میرے دل کی پامالی کا دردناک مشاہدہ کر رہا ہے۔ جب اس نے جانے کا ارادہ کیا، تو میں نے اسکا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا:

''مجھے اپنی ماں کے پاس لے چلو، میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔''

وہ خاموش و حیران میرے آگے آگے ہولیا۔ بار بار وہ مڑ مڑ کر دیکھ رہا تھا، یہ معلوم کرنے کے لئے کہ میں اس کے پیچھے پیچھے آ بھی رہا ہوں یا نہیں۔

میں ان ناپاک گلی کوچوں کو طے کر رہا تھا، جہاں فضا موت کے سانسوں سے گرانبار تھی۔ ان شکستہ مکانوں کے پاس سے گزر رہا تھا، جہاں تاریکی کے پردوں میں چھپ کر، بدمعاش گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اس چوراہوں کو پار کر رہا تھا، جن کے دائیں بائیں کالے سانپوں کی طرح بل کھاتی ہوئی سڑکیں تھیں۔ ایک نامعلوم خوف مجھ پر طاری تھا، اور وہ لڑکا میرے آگے آگے تھا، جس کے بچپن اور دل کی پاکیزگی نے اس میں بے خوفی پیدا کر دی تھی، ایک ایسی بے خوفی، جسے وہ شخص محسوس ہی نہیں کر سکتا، جو اس شہر کے بدمعاشوں اور کمینوں کی چالبازیوں سے باخبر ہو، جسے اہل مشرق ''شام کی دلہن'' اور ''بادشاہوں کے تاج کا موتی'' کہتے ہیں۔

ایک محلّہ کے آخری سرے پر پہنچ کر لڑکا ایک چھوٹے سے مکان میں داخل ہوا، جس کا صرف ایک ٹوٹا پھوٹا حصہ زمانہ کی گردشوں سے بچ رہا تھا۔ اس کے پیچھے پیچھے میں بھی مکان میں چلا گیا۔ ہر قدم پر میرے دل کی دھڑکن تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی تھی۔ یہاں تک کہ میں اس مرطوب کمرہ میں پہنچا، جس میں سامان کے نام کا صرف

ایک ٹوٹا خراغ تھا، جس کی زرد شعاعوں کے تیر ظلمت کا سینہ چھید رہے تھے، یا ایک جھنگا چارپائی جو غربت و محتاجی کا آئینہ تھی۔ اس چارپائی پر ایک عورت پڑی سو رہی تھی۔ اس کا منہ صحن کی طرف تھا، گویا اس کے ذریعہ زمانہ کے ظلم و جور سے بچ رہی ہے۔ یا پھر یہ کہ اس کے پتھروں میں ایک ایسا دل پا رہی ہے جو انسان کے دل سے زیادہ نرم و گداز ہے۔

بچہ اس کے پاس گیا اور ''ماں'' کہہ کر اسے آواز دی۔ اس نے بھرا کر آنکھیں کھول دیں اور یہ دیکھ کر کہ وہ میرے طرف اشارہ کر رہا ہے، اپنے بوسیدہ لحاف میں لرز اٹھی۔ ایک ایسی دردناک آواز میں، جو روحانی اذیت اور تلخ آہوں سے مرکب تھی۔ اس نے میری طرف متوجہ ہو کر کہا:

''تم کیا چاہتے ہو؟ کیا تم اس لئے آئے ہو کہ میری زندگ کے آخری لمحے خرید کر انہیں اپنی نفسانیت سے ناپاک کر دو۔ جاؤ! میرے پاس سے چلے جاؤ! بازار ان عورتوں سے بھرا پڑا ہے، جو کوڑیوں کے مول اپنا جسم اور اپنی روح فروخت کرتی ہیں اور میرے پاس اب کچھ نہیں، جسے میں فروخت کر سکوں، سوائے ان بچے کھچے ٹوٹتے ہوئے سانسوں کے جنہیں موت عنقریب قبر کی راحت کے عوض خریدے گی۔''

میں اس کی چارپائی کے پاس کھڑا ہو گیا۔ اس کے ان الفاظ نے میرے دل کو ناقابل بیان درد سے لبریز کر دیا، اس لئے کہ وہ اس کی بدبختی کی مختصر روداد تھے۔ میں نے دردمندانہ لہجے میں کہا، اس طرح کہ میرے جذبات الفاظ کے ساتھ رواں تھے۔

''ریحانہ! مجھ سے نہ ڈرو۔ میں تمہارے پاس بھوکے جانور کی حیثیت سے نہیں، دردمند انسان کی حیثیت سے آیا ہوں۔ میں لبنانی ہوں اور ایک مدت تک ان وادیوں اور اس گاؤں میں رہا ہوں، جو صنوبر کے جنگل کے قریب واقع ہے۔ قسمت کی ماری ریحانہ! مجھ سے خوف نہ کھاؤ!''

اس نے میرے یہ الفاظ سنے اور جان گئی کہ یہ اس روح کی گہرائیوں سے نکل رہے ہیں، جو اس کے ساتھ مبتلائے الم ہے۔ وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپالیا، گویا خود کو اس یاد سے چھپانا چاہتی ہے، جو اپنی حلاوت کی بنا پر ہولناک اور اپنے حسن کی بنا پر تلخ ہے۔

تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد جو آہوں سے لبریز تھی، لرزتے ہوئے شانوں میں سے اس کا چہرا نمودار ہوا۔ اور میں نے دیکھا کہ اس کی دھنسی ہوئی آنکھیں کمرہ میں کھڑی ہوئی ایک غیر محسوس شے پر جمی ہیں۔ خشک ہونٹ یاس و نومیدی سے پھڑک رہے ہیں۔ گلے میں گہری اور ٹوٹتی ہوئی کراہ کے ساتھ، موت کی خرخراہٹ ہے۔ التماس و طلب سے ابھرتی اور ضعیف و الم سے پست ہوتی ہوئی آواز میں کہا:

"تم ایک محسن و مشفق کی حیثیت سے آئے ہو۔ اگر خطا کاروں پر احسان کرنا اچھی بات ہے اور ذیلوں کے ساتھ لطف و مہربانی سے پیش آنا نیکی، تو خدا تمہیں اس کی جزائے خیر دے، لیکن میں گزارش کرتی ہوں کہ تم جہاں سے آئے ہو، الٹے پاؤں وہیں واپس چلے جاؤ! تمہارا یہاں ٹھہرنا تمہارے لئے ننگ و عار کا سبب ہو جائے گا اور میرے حال پر تمہاری یہ شفقت، تمہیں دنیا کی نگاہوں میں عیب زدہ بنا دے گی۔ جاؤ! اس سے گندے اور خنزیر کی ناپاکیوں سے اٹے ہوئے کمرہ میں کوئی تمہیں دیکھ لے، یہاں سے چلے جاؤ۔ اس گلی سے گزرتے وقت اپنے منہ پر کپڑا ڈال لینا، مبادا کسی آتے جاتے کی نظر تم پر پڑ جائے اور تم مفت میں بدنام ہو جاؤ۔ وہ شفقت و ہمدردی، جو تمہاری روح سے ہمکنار ہے مجھے دوبارہ پاکباز نہیں بنا سکتی، میرے عیبوں کو نہیں مٹا سکتی، میرے دل سے موت کے طاقتور ہاتھ کو نہیں ہٹا سکتی، مجھے میری بدقسمتی اور گنہگاری نے ان تاریک گہرائیوں میں پھینک دیا ہے۔ خدارا! تم اپنی دل سوزی کی وجہ سے اس چہ بچہ میں نہ گرو!!

میں اس کوڑھی کی مثال ہوں، جو قبرستان میں بیٹھا، اس لئے تمہیں چاہئے کہ

میرے قریب نہ آؤں، ورنہ سماج تمہیں ذلیل کردے گا، اس نا قابل معافی جرم کی پاداش میں تمہارے تمام سماجی حقوق تم سے چھین لئے جائیں گے اور تم کہیں منہ دکھانے کے قابل نہ رہو گے۔

جاؤ! فوراً واپس چلے جاؤ!! اور دیکھو! ان مقدس وادیوں میں میرا نام زبان پر نہ لانا، اس لئے کہ گڈریا اپنے ریوڑ خیال سے خارش زدہ بھیڑ کو چھوڑ دیتا ہے۔ اگر کوئی میرے متعلق تم سے ذکر بھی کرے، تو کہہ دینا کہ ریحانہ مرگئی۔ اس کے سوا اور کچھ نہ کہنا۔"

اس نے اپنے بچہ کے چھوٹے چھوٹے ہاتھ اپنے ہاتھ میں لئے اور انہیں غمگین بوسہ دیا۔ اس کے بعد ایک آہ بھری اور کہنے لگی:

"لوگ میرے بچہ کو ذلت وحقارت سے دیکھیں گے اور کہیں گے" یہ گناہ کا پھل ہے۔ یہ ریحانہ کسی کا بیٹا ہے۔ یہ ننگ وعار کی پیداوار ہے، یہ خاکی انڈا ہے۔۔۔۔ بہت ہیں، جو اس کے متعلق یہی کچھ کہیں گے، اس لئے کہ وہ اندھے ہیں، جنہیں نظر نہیں آتا۔ جاہل ہیں، جو نہیں جانتے کہ اس کی ماں نے اپنے درد اور آنسوؤں سے اس کے بچپن کو غسل دے دیا ہے اپنی بدبختی اور کم نصیبی سے اس کی زندگی کا کفارہ ادا کردیا ہے۔

میں مرجاؤں گی اور گلی کے بچوں میں اسے یتیم بنا کر چھوڑ جاؤں گی۔ یہ اس بے رحم زندگی میں اکیلا رہ جائے گا۔ میں اس کے لئے کچھ نہ چھوڑوں گی، سوائے ایک خوفناک یاد کے، جو اسے شرمندہ کرے گی، اگر یہ کم حوصلہ اور بزدل ہوا، اور اس کا خون اوٹائے گی، اگر یہ بہادر اور منصف ہوا۔

زمانہ نے اگر اس کا ساتھ دیا اور یہ طاقتور جوان ہوگیا تو خدا اس کرد کے خلاف اس کی مدد کرے گا، جس نے اسے اور اس کی ماں کو دنیا میں اچھوتوں سے بدتر بنا دیا اور اگر یہ مرگیا، زندگی کے جال سے اس نے خلاصی پالی تو دوسرے عالم میں مجھے اپنی

آمد کا منتظر پائے گا، جہاں ہر طرف نور ہی نور اور راحت ہی راحت ہے۔''

میں نے اپنے دل کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا:

''مانا کہ تم قبرستان میں بیٹھی ہو، ریحانہ! مگر پھر بھی کوڑھی نہیں ہو۔ مانا کہ زمانہ نے تمہیں کمینوں کے حوالے کر دیا ہے، مگر پھر بھی تم کمینی نہیں ہو۔ جسم کی آلودگی روحکی پاکیزگی کو نہیں چھو سکتی، جس طرح تہ بہ تہ برف زندہ بیجوں کو نہیں مار سکتی۔ یہ زندگی کیا ہے؟ محض رنج و غم کا کھلیان، جسے دانہ نکالنے سے پہلے انسانی عمر کچل کچلا کر رکھ دیتی ہے۔ لیکن افسوس گندم کے ان خوشوں پر ہے، جو کھلیان سے الگ پڑے ہیں۔ چیونٹیاں انہیں اٹھا کر لے جاتی ہیں، پرندے چگ لیتے ہیں اور کسان کے مٹکوں میں نہیں پہنچنے پاتے۔

تم مظلوم ہو ریحانہ! اور ظالم وہ کمینہ ہے، اور ظالم وہ کمینہ ہے، جو مالی اعتبار سے چاہے کتنا ہی بلند کیوں نہ ہو۔ لیکن ذہنی حیثیت سے انتہائی پست ہے۔ تم حقیر و مظلوم ہو، اور انسان کے لئے ہونا، ظالم ہونے سے بہتر ہے۔ مادی فطرت کی کمزوریوں کا شکار ہونا، طاقتور ہونے سے افضل ہے، اپنے ہاتھوں سے زندگی کے پھولوں کو مسل دے، اپنی ناپاک خواہشوں سے محاسن جذبات کو خاک میں ملا دے!

ریحانہ! روح ایک سنہری کڑی ہے، جو زنجیر الوہیت سے ٹوٹ کر گر پڑی ہے۔ اس کڑی کو دہکتی ہوئی آگ کے شعلے لپک لیتے ہیں اور اس کی صورت بدل دیتے ہیں، اس کے دائرہ کا سارا حسن زائل کر دیتے ہیں، لیکن اس کڑی کے سونے کو کسی دوسری دھات کی طرف منتقل نہیں کرتے بلکہ اس کی چمک میں اور اضافہ کر دیتے ہیں۔ لیکن افسوس اس سوکھی لکڑی پر ہے، جسے آگ کے شعلے جلا کر راکھ کر دیتے ہیں اور ہوا اس کی راکھ کو جنگل میں اڑا دیتی ہے۔

ریحانہ! بلاشبہ تم وہ پھول ہو، جو انسانی جسم میں چھپے ہوئے حیوان کے پاؤں تلے روندا گیا ہے۔ تمہیں فولادی جوتوں نے بے دردی سے پامال کر دیا ہے۔ لیکن خوف

کی کوئی بات نہیں! تمہاری خوشبو، بیواؤں کے نالہ و ماتم، یتیموں کی پکار اور محتاجوں کی آہ کے ساتھ آسمان کی طرف جارہی ہے، جو رحمت و انصاف کا سرچشمہ ہے۔ ریحانہ! صبر کرو کہ تم روندا ہوا پھول ہو، پامال کرنے والا قدم نہیں۔"

میں بول رہا تھا اور وہ سن رہی تھی۔ میری تسکین و تشفی نے اس کے زرد چہرے کو روشن کر دیا تھا، جس طرح غروب ہوتے سورج کی لطیف شعاعیں بادلوں کو روشن کر دیتی ہیں۔ اس نے مجھے اپنے پلنگ کے پاس بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔ میں بیٹھ گیا۔ میری نگاہیں اس کے چہرہ پر جمی ہوئی تھیں، جو اس کی غمگین روح کے اسرار کی ترجمانی کر رہا تھا۔۔۔۔ اس ہستی کے چہرہ پر جمی ہوئی تھیں، جسے معلوم تھا کہ میری موت قریب ہے۔۔۔۔ اس نوجوان عورت کے چہرہ پر جمی ہوئی تھیں جسے اپنے پھٹے پرانے بستر کے اردگرد موت کے خوفناک قدموں کی چاپ سنائی دے رہی تھی۔۔۔۔ اس ٹھکرائی ہوئی عورت کے چہرہ پر جمی ہوئی تھیں۔ جو کل تک لبنان کی حسین وادیوں میں قوت اور زندگی سے ہمکنار تھی، لیکن آج آج بے جان پڑی زندگی کی قیدوں سے آزاد ہونے کا انتظار کر رہی ہے۔

تھوڑی دیر متوتر خاموشی کے بعد اس نے اپنی بچی کھچی قوتیں جمع کیں اور کہنے لگی، اس طرح کہ آنسو اس کی زبان کے ساتھ مصروف کلام تھے اور قوتیں اس کے سانس کے ساتھ جارج ہو رہی تھیں:

"ہاں! میں مظلوم ہوں۔ اس حیوان کا شکار ہوں، جو ہر انسان میں چھپا ہوا ہے۔ میں پاؤں تلے روندا ہوا پھول ہوں۔ میں چشمہ کے کنارے بیٹھی تھی، جب ایک اجنبی گھوڑے پر سوار، وہاں سے گزرا۔ اس نے لطف و نرمی سے مجھے مخاطب کیا اور بتایا کہ میں حسین ہوں اور یہ کہ وہ مجھ سے محبت کرتا ہے اور تمام عمر محبت کرتا رہے گا۔ اس نے کہا کہ جنگل وحشیوں سے بھرا پڑا ہے اور وادیاں پرندوں اور گیدڑوں کا مسکن ہیں۔۔۔۔ اس کے بعد وہ مجھ پر جھکا اور اپنے سینے سے چمٹا کر مجھے پیار کیا۔ میں

اس وقت تک بوسہ کے لطف سے نا آشنا تھی، اس لئے کہ ٹھکرائی ہوئی یتیم لڑکی تھی ۔۔۔۔اس نے مجھے گھوڑے کی پیٹھ پر اپنے پیچھے بٹھالیا اور مجھے ایک خوبصورت مگر تنہا مکان میں لے گیا۔ وہاں اس کے ساتھ رہنے لگی ۔ وہ میرے لئے طرح طرح کے تحفے لاتا، ریشمی لباس، پاکیزہ خوشبوئیں، لذیذ کھانے اور قیمتی شرابیں ۔۔۔۔ اس نے یہ سب کچھ کیا، مسکراتے ہوئے، اپنی خواہشوں کی گندگی اور مقاصد کی حیوانیت کو لطف کلام اور دل کش اشاروں میں چھپاتے ہوئے ۔۔۔۔لیکن جب میں نے اپنے جسم سے اس کی نفسانیت کا پیٹ میں ایک بھڑکتا ہوا زندہ شعلہ چھوڑ کر، جو میرے جگر سے غذا حاصل کر کے آناً فاناً نمو پا گیا۔ اس طرح میں اس ظلمت زار میں آپھنسی، جہاں ہر طرف نالہ و ماتم کا دھواں ہے اور درد و غم کی تلخیاں اور اس طرح میری زندگی دو حصوں میں تقسیم ہوگئی ۔ایک کمزور و دردناک حصہ اور ایک چھوٹا حصہ، جو فضائے لانہایت میں اڑ جانے کے لئے رات کی خاموشیوں میں چلاتا تھا۔

وہ سنگ دل مجھے اور میرے دودھ پیتے بچہ کو اس تنہا مکان میں چھوڑ کر چلتا بنا اور ہم دونوں بھوک، سردی اور تنہائی کی تکلیفیں برداشت کرنے لگے آہ و ماتم کیسوا ہمارا کوئی مددگار تھا نہ خوف اور دھڑکوں کیسوا کوئی ہم سے بات چیت کرنے والا۔

آخر کار اس کے دوستوں کو میری حالت کا علم ہو، میری بیچارگی و مفلسی کا پتہ چلا اور وہ یکے بعد دیگرے میرے پاس آئے لیکن ان میں سے ہر ایک اپنی دولت سے میری عزت خریدنا چاہتا تھا، جسمانی شرافت کے عوض روٹی دینا چاہتا تھا۔

آہ! کتنی مرتبہ میں نے چاہا کہ گلا گھونٹ کر اپنا کام تمام کر دوں، لیکن نہ کر سکی کیونکہ میں تنہا نہ تھی، اب میری زندگی میں میرا بچہ بھی شریک تھا، جسے اللہ نے عدم کی عشرت گاہوں سے اس دنیا میں دھکیل دیا تھا، بالکل اسی طرح جیسے مجھے زندگی سے دور کر کے اس جہنم کی گہرائیوں میں پھینک دیا تھا۔

لیکن اب وہ گھڑی قریب آگئی ہے، جس کا مجھے دنوں سے انتظار تھا۔ میری زندگی

کا آقا۔۔۔۔فرشتہ اجل۔۔۔۔طویل جدائی کے بعد مجھے لینے آ گیا ہے تا کہ اس کے نرم و گداز بستر پر آرام کروں۔"

ایک گہری خاموشی کے بعد، جو اڑنے والی روحوں کے لمس سے مشابہ تھی، اس نے اپنی آنکھیں کھولیں، جن پر موت کا سایہ پڑا تھا اور آہستہ آہستہ کہنے لگی:

"اے مخفی انصاف! جو ان خوفناک صورتوں کے پیچھے روپوش ہے، تو ہی میری چلن ہار روح کی پکار اور سست رفتار دل کی آواز کا سننے والا ہے۔ تجھ سے، صرف تجھی سے میں التجا کرتی ہوں کہ مجھ پر رحم کر، اپنے دائیں سے میرے بچہ کی دستگیری فرما اور بائیں ہاتھ سے میری روح کا تحفہ قبول کر۔۔۔۔!!"

اس کی قوتیں جواب دینے لگیں اور آہوں میں کمزوری پیدا ہو گئی اس نے غم اور دلسوزی کی نگاہیں اپنے بچہ پر ڈالیں اور اس کی آنکھیں آہستہ آہستہ بند ہونے لگیں۔ ایک دلسوز آواز میں، جو خاموشی سے قریب تر تھی، اس نے کہا:

"اے آسمان پر رہنے والے! تیرا نام ہمیشہ مقدس رہے۔۔۔۔تیرا بھیجا ہوا فرشتہ اجل آ گیا ہے۔۔۔۔تیری مشیت جس طرح آسمان پر کارفرما ہے، اسی طرح زمین پر بھی رہے۔۔۔۔یا رب! ہمارے گناہوں کو۔۔۔۔معاف فرما!"

اس کی آواز منقطع ہو گئی لیکن ہونٹ تھوڑی دیر تک ہلتے رہے۔ ہونٹوں کے ساتھ اس کے جسم کی تمام حرکات ختم ہو گئیں۔ اس کے بعد اس کے جسم میں لرزش پیدا ہوئی اور منہ سے ہلکی سی آہ نکلی۔ چہرہ پر زردی کھنڈ گئی اور روح پرواز کر گئی، لیکن اس کی آنکھیں ایک موہوم شے پر جمی رہیں۔

☆☆☆☆☆

صبح کو ریحانہ کی لاش ایک لکڑی کے تابوت میں رکھی گئی اور فقیروں کے کندھوں پر شہر سے دور ایک میدان میں پہنچا کر دفن کر دی گئی۔ پادری نے اس کے جنازہ کی نماز پڑھانے سے انکار کر دیا اور لوگوں نے اس کی لاش کو اس قبرستان میں دفن کرنے کی

اجازت نہ دی، جہاں صلیب قبروں کی حفاظت کرتی ہے۔ اس دور دراز میدان میں اس کے جنازہ کے ساتھ کوئی نہ گیا، سوائے اس کے بیٹے اور ایک نوجوان کے، جسے دنیا کی مصیبتوں نے ہمدری کا سبق دیا تھا۔

☆☆☆☆☆

شہیدانِ محبت

دولہا دلہن ہیکل سے نکلے، آگے آگے شمعیں تھیں اور پیچھے پیچھے شاد و خرم باراتی۔ اردگرد نوجوان لڑکے نغمے الاپ رہے تھے اور نوخیز لڑکیاں خوشی کے راگ گا رہی تھیں۔

بارات دولہا کے مکان پر پہنچی، جو بیش قیمت غالیچوں اور زرق برق ساز و سامان سے آراستہ اور نشاط آگیں خوشبوؤں سے معطر تھا۔ دولہا دلہن ایک اونچے تخت پر بیٹھ گئے اور مہمان ریشمی صوفوں اور مخملی کرسیوں پر۔ تمام وسیع کمرہ آدمیوں سے بھر گیا۔

غلام شراب کی صراحیاں لائے۔ دور چلنے لگے۔ جام و ساغر کی کھنک اور عشرت و سرور کی لہک سے ساری فضا نغمہ ریز ہوگئی۔

ارباب نشاط آئے اور اپنے سحر آفریں نغموں سے اہل محفل کو بے خود کرنے لگے۔ ان کی سریلی آوازیں عود کے سروں، لوگوں کے گہرے سانسوں اور طبلے کی تھاپ سے ہم آہنگ ہو کر سینو کو گرمانے لگیں۔

پھر انیلی لڑکیاں ناچنے کھڑی ہوئیں۔ آواز کے زیر و بم کے ساتھ ان کے جسم اس طرح لچکتے، جیسے نسیم سحر کی ہلکی ہلکی موجوں سے نرم و نازک شاخیں۔ جب وہ ناچتیں تو ان کی زرتار پشوازوں کے گھیر میں کچھ ایسی لہریں پیدا ہوتیں، گویا چاند کی شعاعیں، سفید بادلوں سے کھیل رہی ہیں۔

نگاہیں ان پر جمی ہوئی تھیں اور سر ان کے قدموں میں سجدہ گزار۔ البیلے نوجوانوں کی روحیں ان سے گلے مل رہی تھیں اور ہوس پیشہ بڈھوں کے پتے ان کے رخ جمال سے پھٹے جاتے تھے۔

گردش جام تیز سے تیز تر ہوگئی۔ شرابی اپنی آرزوؤں اور تمناؤں کی شراب میں غرق کرنے لگے۔ ہنگامہ و شورش میں اضافہ ہوگیا۔ سنجیدگی رخصت ہوگئی۔ آزادی و بیباکی نے اپنا پرچم گاڑ دیا۔ دماغ معطل ہوگئے۔ تن من بھڑک اٹھے، دل بے چین

ہو گئے اور سارے گھر کی یہ حالت ہو گئی۔ جیسے ٹوٹا ہوا ارباب، جس کے تار کسی آسیبی ہاتھ نے زور زور سے بجا کے توڑ دیئے ہوں۔ اور اس سے نغمے پیدا ہوئے جن میں آہنگ بھی ہو اور بے آہنگی بھی۔

ایک جانب مسیں بھیگتا لڑکا، عشوہ سامان الہڑ حسینہ سے اپنی محبت کا راز بیان کر رہا تھا، دوسری جانب ایک نوجوان دل کی گرمی کے ساتھ اپنی محبوبہ کے شیریں الفاظ اور دل دوز مطالب ایک ایک کر کے اپنے ذہن میں تازہ کر رہا تھا۔ ایک طرف ایک ادھیڑ عمر کا شرابی جام پر جام چڑھا رہا تھا اور گانے والیوں سے ان گیتوں کو دوبارہ سنانے کی بہ اصرار فرمائش کر رہا تھا جو اس کی جوانی کے آئینہ دار تھے۔ دوسری طرف ایک عورت کنکھیوں سے اس مرد پر نکتہ چینی کر رہی تھی جو اس کے سوا ہر عورت کی محبت بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ ادھر کونے میں ایک بخت عمر خاتون، مسکراتی نگاہوں سے نوجوان لڑکیوں کا جائزہ لے رہی تھی، اس نیت سے کہ اپنے اکلوتے بچے کے لئے کوئی اچھی سے دلہن کا انتخاب کرے۔ ادھر کھڑکی کے پاس ایک شادی شدہ عورت بیٹھی تھی، جس کے خاوند کی محفل شراب وغزل کے سمندر میں غرق تھی۔ عشرت پسندوں نے اپنے تئیں کیف وسرور کی موجوں کے حوالے کر دیا تھا اور غم دیروز وفکر اسے غافل و بے پروا، حال کی سرمستیوں میں گم تھے۔

یہ سب کچھ ہو رہا تھا اور حسین دلہن اس محفل نشاط کو اپنی غمگین نگاہوں سے اس طرح دیکھ رہی تھی، جیسے ایک مایوس قیدی، قید خانہ کی تاریک دیواروں کو دیکھتا ہے۔ اس کی نگاہیں بار بار اسی گوشہ کی طرف جا رہی تھیں، جہاں ایک بیس سالہ نوجوان، اس تمام ہنگامہ طرب سے بے نیاز، اس زخمی پرندہ کی طرح جو اپنے غول سے بچھڑ گیا ہو، تنہا بیٹھا تھا۔۔۔۔ دونوں کلائیوں سے اپنا سینہ دبائے، گویا ''قلب گریزاں'' پر قابو پانا چاہتا ہے۔۔۔۔ اور کمرہ کی فضا میں کسی غیر محسوس چیز پر نگاہیں جمائے، گویا اس کی روح، جسم سے الگ ہو کر خلا میں ظلمت کی چھائیوں کے پیچھے پیچھے دوڑ رہی

ہے۔

رات بھیگی اور ساری مجلس ایک ہنگامہ ہائے وہو ہوگئی۔ دماغوں پر خما ایسا چھایا کہ زبانیں لڑکھڑانے لگیں۔ دولہا۔۔۔۔ وہ ادھیڑ عمر کا بدقوارہ انسان، نشہ میں چور، اپنی جگہ سے اٹھا اور از راہ مہمان نوازی مہمانوں میں چکر لگانے لگا۔

اس وقت موقع پا کر دلہن نے ایک لڑکی کو اشارہ سے بلایا۔ وہ آئی اور اس کے پہلو میں بیٹھ گئی۔ دلہن نے مضطربانہ طور پر کنکھیوں سے چاروں طرف دیکھا، گویا کوئی اہم راز اس سے کہنا چاہتی ہے۔ وہ لڑکی سے اور قریب ہوگئی اور لرزتی کانپتی آواز میں چپکے چپکے اس سے کہنے لگی:

"میں تجھے اس سہلا پے کی قسم دیتی ہوں، پیاری سہیلی! جس نے بچپن ہی سے ہم دونوں میں یک دلی پیدا کر دی ہے۔ اس چیز کی قسم دیتی ہوں، جو دنیا میں تجھے سب سے زیادہ پیاری ہے۔ ان بھیدوں کی قسم دیتی ہوں، جو تیرے سینہ میں پوشیدہ ہیں۔ اس محبت کی قسم دیتی ہوں جس نے ہم دونوں کی روحوں کو چھو کر، انہیں ایک شعاع بنا دیا۔ تیرے دل کی راحت اور اپنے دل کے درد کی قسم دیتی ہوں کہ تو ابھی سلیم کے پاس جا اور اس سے کہہ کہ وہ عام نگاہوں سے بچ کر، باغ میں چلا جائے اور وہاں بید کے درختوں میں میرا انتظار کرے۔ سوسان! تو اس سے التجا کرنا، یہاں تک کہ وہ اقرار کر لے، اسے بیتے ہوئے دنوں کی یاد دلانا، محبت کا واسطہ دینا۔ کہنا وہ بدنصیب اندھی ہے۔ کہنا وہ قسمت کی ستائی جاں بلب ہے اور اس سے پہلے کہ تاریکی اسے اپنی چادر میں لپیٹ لے، چاہتی ہے کہ تیرے سامنے اپنا سینہ چیر کر رکھ دے۔ کہنا، وہ غم کی ماری موت کے چنگل میں ہے اور اس سے پہلے کہ دوزخ کے ڈراؤنے شعلے اسے اپنی آغوش میں لپک لیں۔ چاہتی ہے کہ تیرے سامنے اپنے گناہوں کا اقرار کر کے تجھ سے معافی چاہے جا سوسان! جلدی جا، میری خاطر سلیم سے التجا کر!! ان خنزیروں کی نگہبانی سے نہ ڈر!!! شراب نے ان کے کانوں پر بھی پردے ڈال دیئے

ہیں اور آنکھوں پر بھی۔''

سوسان دلہن کے پاس سے اٹھ کر غمزدہ تنہا سلیم کے پاس جی بیٹھی۔ اور سرگوشی کے انداز میں، اس کی محبوبہ کا پیغام اسے سنانے لگی۔ سوسان کے چہرے سے اس وقت محبت اور خلوص کے آثار نمایاں تھے۔ لیکن سلیم سر جھکائے خاموشی سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔ جب وہ سب کہہ چکی تو سلیم نے اس کی طرف دیکھا، اس پیاسے کی طرح جو گنبد فلک پر پانی سے بھرا کٹورہ دیکھے اور نارسائی کے رنج سے اپنا مسوس کر رہ جائے۔ گھٹی ہوئی آواز میں، جو زمین کی تہوں سے آئی معلوم ہو رہی تھی، اس نے جواب دیا:

''اچھا! میں باغ میں جا رہا ہوں اور بید کے درختوں میں اس کا انتظار کروں گا۔''

یہ کہہ کر وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور باغ کی طرف چلا گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد دلہن بھی اٹھی اور سلیم کے پیچھے پیچھے، نشہ میں سرشار مردوں اور محو جمال عورتوں کے بیچ میں سے دبے پاؤں نکل گئی۔

باغ میں پہنچ کر، جہاں رات نے اپنی سیاہ چادر پھیلا رکھی تھی، اس نے اپنی رفتار تیز کر دی۔

اور بار بار پیچھے مڑ کر دیکھنے لگی۔ اس بے قرار ہرن کی طرح، جو کسی حملہ آور بھیڑیئے سے خوف زدہ ہو کر، اپنے مسکن کی طرف تیزی سے بھاگ رہا ہو، وہ بید کے درختوں کی طرف جا رہی تھی، جہاں سلیم اس کے انتظار میں تھا۔ خود کو اپنے حبیب کے پہلو میں پا کر، وہ اس سے چمٹ گئی۔ اپنی بانہیں اس کے گلے میں ڈال دیں اور کہنا شروع کیا، اس طرح کہ جتنی سرعت کے ساتھ الفاظ منہ سے نکل رہے تھے اتنی ہی سرعت کے ساتھ آنسو، آنکھوں سے جاری تھے۔

''سنو! میرے پیارے، غور سے سنو!! میں اپنی نادانی اور جلد بازی پر شرمندہ ہوں، اتنی شرمندہ کہ ندامت نے میرے کلیجے کے ٹکڑے اڑا دیئے ہیں۔ سلیم میں تمہیں

۔۔۔۔ہاں! صرف تمہیں چاہتی ہوں اور ساری عمر تم ہی کو چاہتی رہوں گی۔ لوگوں نے مجھے بہکایا کہ تم نے مجھے بھلا دیا ہے۔ مجھے چھوڑ کر کسی اور سے محبت کرنے لگے ہو۔ سلیم! لوگوں نے مجھ سے بہت کچھ کہا۔ اپنی زبانوں سے میرے دل کو زہر آلود کیا ،اپنے ناخنوں سے میرا سینہ گودا اور اپنے جھوٹ سے میری روح کو گراں بار کر دیا۔ ایک ''شریف زادی'' نے مجھ سے کہا کہ تم نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہو اور اسی لئے تم نے مجھے چھوڑ کر اس سے راہ و رسم پیدا کر لی ہے۔ اس غیبانی نے مجھ پر مصیبتوں کا پہاڑ اتوڑا مجھے ورغلایا کہ میں اس کے ایک رشتہ دار سے شادی کر لوں ارو بہکاوے میں آ کر میں راضی ہوگئی۔ لیکن سلیم! میرا شوہر تمہارے سوا کوئی نہیں اور اب، ہاں! اب کہ میری نگاہوں سے پردہ اٹھا دیا گیا ہے، میں اس مکان سے نکل کر تمہارے پاس آئی ہوں اور یہ ارادہ لے کر اب کبھی واپس نہ جاؤں گی۔ میں تمہارے پاس اس لئے آئی ہوں کہ تمہیں اپنی آغوش میں جذب کر لوں۔ دنیا میں میں کوئی قوت ایسی نظر نہیں آتی، جو مجھے دوبارہ اس مرد کے پہلو میں جا بٹھائے جسے نفرت و بے چارگی کے عالم میں میرا شوہر بنایا گیا ہے۔ سلیم! میں اس دولہا کو چھوڑ آئی ہوں، جسے مکر وفریب نے میری زندگی پر مسلط کر دیا تھا۔ اس باپ کو چھوڑ آئی ہوں، جسے مشیت نے میرا ولی بنایا تھا۔ اس پھولوں کو چھوڑ آئی ہوں جن کا ہار بنا کر پادری نے میرے گلے میں ڈالا تھا۔ اور اس قانون کو چھوڑ آئی ہوں جسے رسم و رواج کی جکڑ بندیوں نے میرے پاؤں کی زنجیر بنا دیا تھا۔ ہاں! میں ان تمام چیزوں کو اس مکان میں چھوڑ کر، جو بدمستی و آوارگی کا مسکن بنا ہوا ہے یہاں اس لئے آئی ہوں کہ تمہارے ساتھ کہیں ۔۔۔۔بہت دور۔۔۔۔ چلی جاؤں، دنیا کے اس کنارہ پر چلی جاؤں۔ جنوں اور پریوں کی بستی میں چلیں۔ آؤ! سمندر کے ساحل پر چلیں اور کسی ایسی کشتی میں سوار ہو جائیں، جو ہمیں ایک نام معلوم و دور دراز بستی میں پہنچا دے۔ سلیم! جلدی کرو!! پو پھٹنے سے پہلے ہمیں دشمنوں کے قبضہ سے نکل جانا چاہئے!!! دیکھو سلیم! دیکھو!! یہ

سونے کا گہنا، یہ قیمتی ہار اور انگوٹھیاں یہ عمدہ جواہر، ہمارے مستقبل کی ضمانت ہیں۔ انہیں بیچ کر ہم امیروں کی طرح ٹھاٹ باٹ سے زندگی بسر کریں گے۔۔۔۔! ہائیں۔۔۔۔ سلیم! تم بولتے کیوں نہیں؟ میری طرف دیکھتے کیوں نہیں؟ مجھے پیار کیوں نہیں کرتے؟ کیا تم میرے دل کی فریاد اور میرے من کی پکار سن رہے ہو؟ ۔۔۔۔ کیا تمہیں نہیں آتا کہ میں اپنے شوہر اور ماں باپ کو چھوڑ کر لباس عروسی میں تمہارے ساتھ بھاگنے آئی ہوں؟ اچھے! سلیم بولو!! آؤ جلدی کرو! یہ لمحے ہیرے کے ٹکڑوں سے زیادہ قیمتی اور شاید تاج سے زیادہ گراں بہا رہیں!!!"

دلہن گفتگو کر رہی تھی اور اس کی آواز میں ایک نغمہ تھا۔ زندگی کی سرگوشیوں سے زیادہ شیریں اور موت کی تلخیوں سے زیادہ کڑوا، پروں کی سرسراہٹ سے زیادہ لطیف اور موجوں کے شور سے زیادہ گہرا۔ ایسا نغمہ، جو یاس و امید، لذت و الم، راحت و رنج اور ان جذبات و میلانات کے درمیان جنبش میں تھا، جو عورت کے سینہ میں پوشیدہ ہوتے ہیں۔

لیکن نوجوان خاموش کھڑا سن رہا تھا، اس کے دل میں محبت اور ناموس، جو انسانوں کو خواہشوں اور تمناؤں سے باز رکھتا ہے۔۔۔۔ محبت جو خدا کی طرف سے دل پر نازل ہوتی ہے اور ناموس، جسے انسانی تقلید، دماغ کے ہر رگ و ریشہ میں پیوست کر دیتی ہے۔

کچھ عرصہ کے بعد، جو اپنی خاموشی اور خوفناکی میں استاریک عہد سے مشابہ تھا، جس میں قومیں عروج و زوال کے درمیان ڈگمگاتی ہیں، نوجوان نے اپنا سر اٹھایا۔ شرافت محبت پر غالب آچکی تھی۔ اس نے منتظر و خوف زدہ لڑکی کی طرف سے آنکھیں پھیر لیں اور نرم آواز میں بولا:

"اے عورت جا! اپنے شوہر کے پہلو آباد کر!! جا کر مشیت خداوندی یوں ہی تھی۔ خوابوں کے سارے نقوش بیداری نے محو کر دیئے ہیں۔۔۔۔ جلدی جا اور مسرتوں

کی آغوش میں آسودہ ہو جا! کہیں ایسا نہ ہو کہ پہرہ دار تجھے دیکھ لیں اور دنیا کہے کہ تو نے شادی کی رات اپنے شوہر کی امانت میں خیانت کی، اسی طرح، جیسے جدائی کے زمانہ میں اپنے محبوب کے ساتھ دغا کی تھی۔''

دلہن کانپ اٹھی اور اس طرح بے چین ہوگئی جیسے کمہلایا ہوا پھول ہوا کے جھونکوں سے پریشان ہو جاتا ہے۔ دردناک لہجہ میں اس نے کہا:

''جب تک میرے جسم میں ایک سانس بھی باقی ہے میں اس مکان میں واپس نہیں جاؤں گی، جہاں سے میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نکل آئی ہوں۔ میں اس مکان کو۔۔۔۔ اس مکان کی ہر چیز کو۔۔۔۔ اس طرح چھوڑ آئی ہوں، جیسے جلاوطن قیدی اس جگہ کو چھوڑتا ہے، جہاں اس نے اپنی جلاوطنی کے دن تنہائی اور بے چارگی میں گزارے ہوں۔ سلیم، مجھے دھکے نے دو، مجھے خیانت کار نہ کہو۔ اس لئے محبت کا ہاتھ، جس نے میری اور تمہاری روح کو ایک دوسرے میں جذب کر دیا ہے، پادری کے ہاتھ سے زیادہ قوی ہے، جس نے میرے جسم کو، میرے شوہر کی مرضی کے ہاتھ بیچ ڈالا ہے۔ آؤ! میں اپنی بانہیں تمہاری گردن میں اس طرح ڈالوں کہ کوئی قوت انہیں چھڑا نہ سکے۔ تمہیں اس طرح بھینچ لوں کے موت بھی ہمیں ایک دوسرے سے جدا نہ کر سکے!''

نوجوان نے بمشکل اس کی بانہیں اپنی گردن سے چھڑائیں اور نفرت وحقارت کے لہجہ میں بولا:

''میرے پاس سے دور ہو جا! میں تجھے بھلا چکا ہوں۔ ہاں! میں تجھے بھلا چکا ہوں اور تجھ سے نفرت کرتا ہوں! لوگوں نے تجھ سے جھوٹ نہیں کہا کہ میں کسی اور سے محبت میں گرفتار ہوں۔ سنا! میں کیا کہہ رہا ہوں؟ کہہ رہا ہوں کہ میں تجھے بھلا چکا ہوں، اس حد تک کہ میں نے تیرے وجود کو بھی فراموش کر دیا۔ میں تجھ سے نفرت کرتا ہوں، اتنی کہ تمہاری شکل سے بھی بیزار ہو گیا ہوں۔ چل پرے ہٹ! مجھے اپنی

راہ جانے دے! جا اپنے شوہر کے پاس واپس جا اور اس کی باوفا بیوی بن کر رہ!!

دلہن نے دردناک آواز میں کہا:

"نہیں نہیں! مجھے تمہاری باتوں پر یقین نہیں! تم مجھ سے محبت کرتے ہو۔ میں نے تمہاری آنکھوں میں محبت کے معنی پائے ہیں اور جب تمہارے جسم کو چھوا ہے گویا محبت کو چھوا ہے۔ تم مجھ سے محبت کرتے ہو!! محبت کرتے ہو!!! بالکل اسی طرح جیسے میں تم سے محبت کرتی ہوں۔ اس مکان کا تو ذکر ہی کیا میں یہاں سے تمہاری آغوش کے سوا کہیں نہ جاؤں گی۔ یہ میرا پختہ ارادہ ہے۔ میں آئی ہی اس لئے ہوں کہ تمہارے ساتھ کسی غیر معلوم سرزمین پر چلی جاؤں۔ اس لئے یا تو میرے ساتھ چلو یا ہاتھ اٹھاؤ اور مجھے قتل کر دو۔"

نوجوان نے پہلے سے زیادہ بلند آواز میں کہا۔"

"مجھے چھوڑ دے، ورنے میں چلا کر ان تمام مہمانوں کو یہاں جمع کر لوں گا، جو تیری شادی کی خوشی میں شرکت کے لئے بلائے گئے ہیں اور انہیں تیری اس ذلت کا منظر دکھا کر تجھے ان کے منہ کا ایک کڑوا نوالہ اور ان کی زبانوں کی شرمناک کہا وت بنا دوں گا۔ صرف یہی نہیں بلکہ میں یہاں اس عورت کو بھی بلا لوں گا، جو میرے دل کی ملکہ ہے۔ وہ تجھ پر ہنسے گی اپنی کامیابی پر مسرور ہوگی اور تیری شکست کا مذاق اڑائے گی۔"

یہ کہا اور بازو پکڑ کر اسے دھکا دے دیا۔

دلہن کے تیور بگڑ گئے۔ آنکھوں میں برقیت پیدا ہو گئی اور اس کی ساری محبت، امیدیں اور فریادیں، غضب اور سنگ دلی میں تبدیل ہو گئیں اس غضب ناک شیرنی کی طرح جس کا بچہ چھین لیا گیا ہو یا اس سمندر کی طرح جسے بگولے ہیکجان میں لے آئے ہوں۔ وہ چیخی:

"کون ہے، جو میرے بعد تیری محبت سے آسودہ ہو؟ میرے دل کے سوا کون ہے

جو تیرے بوسوں سے کیف و سرور حاصل کرے؟"

یہ کہہ کر چپکے سے ایک آبدار خنجر، اپنے کپڑوں سے نکالا اور بجلی کی سی تیزی سے اس کے سینہ میں گھونپ دیا۔ وہ تیورا کے گرا، جیسے آندھی کے تھپیڑے سے ٹہنی ٹوٹ کر گر پڑتی ہے۔ دلہن اس پر جھکی، ہاتھ میں خنجر تھا جس سے خون کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ سلیم نے موت کے سائے میں اپنی بوجھل آنکھیں کھولیں، ہونٹوں پر جنبش پیدا ہوئی اور کمزور تنفس کے ساتھ یہ کلمے اس کی زبان سے ادا ہوئے۔

"میری پیاری؟ اب میرے پاس آؤ! میری لیلیٰ! میرے پاس آؤ!! مجھے کبھی نہ چھوڑو۔ زندگی، موت سے زیادہ کمزور ہے اور موت، سے زیادہ کمزور ہے، سنو! سنو! خوش دل براتیوں کے قہقہے سنو!! ساغروں کی جھنکار سنو! سنو، میری پیاری!! میری لیلیٰ تم نے مجھے ان قہقہوں کی سنگدلی اور ان ساغروں کی تلخی سے نجات دلا دی۔ میری آنکھیں ان ہاتھوں کو بوسہ دیتی ہیں، جنہوں نے میری ساری قیدیں توڑ دیں۔ میرے ہونٹوں کو بوسہ دو، جنہوں نے جھوٹ بولا اور دل کی بات چھپائی۔ میرے ناتواں پپوٹوں کی اپنی انگلیوں سے، جو میرے خون میں لتھڑی ہوئی ہیں، بند کر دو۔ لیلیٰ! جب میری روح فضا میں پرواز کر جائے، تو یہ خنجر میرے پہلو میں رکھ دینا اور کہہ دینا کہ اس نے حسد اور ناامیدی کے ہجوم سے خودکشی کر لی۔ میری لیلیٰ! میں تم ہی محبت کرتا تھا۔ تمہارے سوا، میرا اور کوئی مرکز نظر نہ تھا۔ لیکن میں نے اپنے دل، اپنی شرافت اور اپنی زندگی کی قربانی کو اس سے بہتر سمجھا کہ تمہاری شادی کی رات تمہارے ساتھ بھاگ جاؤں۔ میرے دل کی ملکہ! اس سے پہلے کہ لوگ میری لاش کو آ کر دیکھیں، مجھے بوسہ دو ۔۔۔۔ مجھے پیار کرو ۔۔۔۔۔ مجھے پیار کرو! میری لیلیٰ!!"

سلیم نے اپنا زخمی ہاتھ دل پر رکھا۔ منکا ڈھلا اور اس کی روح پرواز کر گئی۔

دلہن نے سر اٹھا کر مکان کی طرف دیکھا اور رو رو ناک آواز میں چلا چلا کر کہنے لگی:

"آؤ لوگو! آؤ، دولہا دلہن یہاں ہیں۔ آؤ میں تمہیں اپنی سیج دکھاؤں۔ سونے والو! جاگو!!

سرمستو! ہوش میں آؤ!! آؤ! محبت، موت اور زندگی کے راز دیکھنے کے لئے جلدی آؤ!!"

دلہن کی چیخ پکار سے گھر کا گوشہ گوشہ گونج اٹھا۔ جب یہ آواز عیش ونشاط میں ڈوبے ہوئے شرابیوں کے کان میں پہنچی تو ان کی روح لرز گی۔ حیران وسراسیمہ ہوکر انہوں نے چاروں طرف دیکھنا شروع کیا گویا ان کے کان انہیں دھوکا دے رہے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ اٹھے اور دروازوں سے نکل نکل کر ادھر ادھر متجسس نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ جب انہوں نے دلہن کو مقتول کی لاش کے قریب کھڑا پایا، تو مارے خوف کے الٹے پاؤں بھاگنے لگے۔ ان میں سے کسی کو یہ جرات نہ ہوئی کہ آگے بڑھ کر اصل واقعہ کا کھوج لگاتا۔ دلہن کے ہاتھ میں خنجر اور مقتول کے سینے سے ون کے فوارے چھوٹتے دیکھ کر ان کی زبانیں بند ہوگئی تھیں اور زندگی ان کے جسموں میں منجمد۔

دلہن ان کی طرف متوجہ ہوئی۔ اس کا چہرہ الم انگیز ہیبت سے روشن تھا۔ وہ زور سے چلائی:

"بزدلو! قریب آؤ!! اس خنجر سے نہ ڈرو۔ یہ ایک مقدس ہتھیار ہے، جو تمہارے ناپاک جسموں اور تاریک سینوں میں پیوست نہیں ہوسکتا۔ دیکھو! اس خوبصورت نوجوان کو دیکھو!! جو لباس نوشہی میں ملبوس ہے۔ یہ میرا دولہا ہے اور میں اس کی دلہن۔ ہم نے بہت تلاش کیا، مگر اس دنیا میں، جسے تم لوگوں نے اپنی رواجی پابندیوں سے تنگ، اپنی جہالتوں سے تاریک اور اپنی حرص وطمع سے ناکارہ بنادیا ہے۔ ہمیں کوئی سیج ایسی نہ ملی، جو ہماری ہم آغوشی کے قابل ہوتی۔ اس لئے ہم نے یہی بہتر سمجھا کہ بادلوں سے پرے ۔۔۔۔ دوسرے عالم میں چلے جائیں۔ بزدلو! قریب آؤں

!بہت ممکن ہے تم دیکھ لو کہ ہمارے چہروں پر خدا کا نور کھیل رہا ہے اور ہمارے دلوں سے الوہیت کے شیریں نغمے ابل رہے ہیں۔ کہاں ہے وہ غیبانی؟ جس نے میرے حبیب کے متعلق مجھ سے جھوٹی باتیں لگائیں۔ مجھ سے کہا:

"وہ تجھے فراموش کر کے مجھ سے محبت کرنے لگا ہے۔ اس نے مجھ سے محبت ہی اس لئے کی ہے کہ تجھے فراموش کر دے۔"

کیا وہ فتنہ کار یہ سمجھتی تھی کہ میرے اور اس کے رشتہ دار کے سر پر، پادری کا ہاتھ اٹھتے ہی اس نے مجھ پر فتح پالی؟۔ کہاں ہے؟ وہ دھوکا باز شریف زادی! کہاں ہے؟ وہ جہنمی ناگن! میں اسے دعوت دیتی ہوں، آئے اور دیکھے کہ اس نے تم لوگوں کہ میرے حبیب کی شادی کی خوشیاں منانے کے لئے جمع کیا تھا، نہ کہ اس شخص کی، جسے اس نے میرے لئے انتخاب کیا تھا۔

تم میری گفتگو نہیں سمجھ سکتے۔۔۔۔ کہاں پریشان آوازیں اور کہاں فرشتوں کے گیت۔۔۔۔ لیکن تم اپنی اولاد کو اس عورت کا قصہ سناؤ گے جس نے شادی کی رات اپنے حبیب کو قتل کر دیا۔ تم میرا ذکر کرو گے اور اپنے گنہگار ہونٹوں سے مجھ پر لعنت بھیجو گے لیکن تمہاری اولاد مجھے مبارک باد دے گی۔ آنے والا زمانہ یقیناً سچائی اور روح کی حکومت کا زمانہ ہوگا۔

اور اے بیوقوف انسان! اپنی کمینگی، حیلے حوالوں اور کی حکومت کے ذریعے مجھے اپنی بیوی بنانے والے! تو اس بدقسمت گروہ کا نمائندہ ہے، جو تاریکی میں نور تلاش کرتا ہے، چٹان سے پانی نکالنا چاہتا ہے اور ریگستان میں پھول کھلنے کا آرزو مند ہے۔ اس ملک کا باشندہ ہے، جس نے خود کو اس طرح جہالت کے حوالے کر دیا ہے، جیسے اندھا، اپنے تئیں اندھے رہنما کے حوالے کر دے۔ تو اس جھوٹی مردانگی کا نمونہ ہے، جو ہاروں اور چوڑیوں کے لئے گردن اور بانہیں کاٹ ڈالتی ہے۔ جا! میں نے تجھے معاف کرتی ہوں۔۔۔۔ تیری ساری کمزوریوں کو معاف کرتی ہوں،

اس لئے کہ شادکام روح، کوچ کرتے وقت، دنیا کی ساری ذلتوں اور حماقتوں کو معاف کر دیتی ہے۔

دلہن نے خنجر اونچا کیا اور اس پیاسے کی طرح، جو مضطربانہ انداز میں پانی سے بھرا کٹورہ اپنے ہونٹوں سے لگاتا ہے، عزم و ہمت کے ساتھ اپنے سینہ میں پیوست کر لیا اور اپنے حبیب کے پہلوں میں پڑی ۔۔۔۔ اس پودے کی طرح، جس کی جڑیں درانتی سے کاٹ دی گئی ہوں۔ عورتوں میں کھلبلی مچ گئی اور انہوں نے خوف و الم کی شدت سے چلا چلا کر رونا شروع کر دیا ان میں سے بعض تو بیہوش ہو گئیں۔ مردوں میں بھی ایک ہنگامہ برپا ہو گیا اور وہ خوف و دہشت سے لرزتے کانپتے، زخمیوں کے پاس آئے۔ دلہن نے جو نزع کے عالم میں تھی اور جس کے شفاف سینہ سے خون کا فوارہ چھوٹ رہا تھا، اس کی طرف دیکھا اور کہا:

"ملامت کرنے والوں! خبردار، ہمارے قریب نہ آنا، ہمارے جسموں کو ایک دوسرے سے علیحدہ کرنا۔ ورنہ وہ مقدس روح جو ہمارے سروں پر سایہ فگن ہے، تمہاری گردنیں دبوچ لے گی اور سنگدلی و بے رحمی کے ساتھ تمہیں زمین پر دے پٹکے گی۔ ہمارے جسموں کو بھوکی زمین کے منہ کا نوالہ بننے دو! جاؤ، زمین کو موقع دو کہ وہ ہمیں اپنے سینہ میں محفوظ کر لے جس طرح وہ بیجوں کو موسم بہار کی آمد تک جاڑے کی برف سے محفوظ رکھتی ہے۔"

دلہن سلیم کی لاش سے اور قریب ہو گئی اور اپنے ہونٹ اس کے سرد ہونٹوں پر رکھ دیئے۔ ٹوٹتے ہوئے یہ الفاظ آخری سانسوں کے ساتھ اس کے منہ سے نکلے:

"میرے حبیب! دیکھو!! میرے من کے دولہا! دیکھو!! حاسد کیسے ہماری سیج کے چاروں طرف کھڑے ہیں۔ ان کی نگاہیں کس طرح ہم پر جمی ہیں۔ سنو! ان کے دانتوں کے بجنے اور پسلیوں کے چٹخنے کی آوازیں سنو!! سلیم! تم نے مدتوں میرے انتظار کی تکلیف برداشت کی۔ دیکھو! اب میں تمہاری ہوں میرے حبیب! ہم بہت

دن تک تاریکیوں میں افسردہ وحیران رہے۔اب میں نے اپنی ساری قیدیں توڑ دی ہیں اور سلیم ! دیکھو ! ایک ایک کر کے سارے نقش مٹ چکے ہیں۔ ہر چیز میری نگاہوں سے چھپ گئی ہے۔اب مجھے تمہارے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔اف !میرے ہونٹ ،اچھے سلیم !میرے آخری سانس قبول کرو!! آؤ!! آؤ!میرے پیارے،چلیں !! محبت کا فرشتہ پر تول چکا ہے اور حلقہ نور کے گرد منڈلا رہا ہے۔"

دلہن نے اپنا سینہ سلیم کے سینہ پر رکھ دیا۔اس کا خون اس کے خون سے مل گیا،اس کا سر اس کی گردن پر جھک گیا اور اس کی آنکھیں اس کی آنکھوں پر جم گئیں۔

لوگ خاموش کھڑے تھے۔ان کے چہرے پیلے پڑ گئے تھے اور ٹانگوں میں لرزش پیدا ہوگئی تھی۔گویا موت کی ہیبت نے ان کی قوت وحرکت کو سلب کرلیا تھا۔

پادری۔۔۔۔افسوں پڑھ کر،دلہن کے لئے ازدواجی ہار گوندھنے والا پادری آگے بڑھا اور ان لاشوں کی طرف اشارہ کر کے،حاضرین سے کرخت لہجہ میں بولا:

"قابل تعزیر ہیں وہ ہاتھ،جو ذلت وجرم کے خون میں لتھڑے ہوئے،ان جسموں کی طرف بڑھیں اور قابل نفرت ہیں وہ آنکھیں جو ان کی موت پر رنج وغم کے آنسو بہائیں۔شیطان ان کی ناپاک روحوں کو جہنم میں لے گیا ہے۔پڑا رہنے دو،یہاں تک کہ کتے ان کا گوشت بانٹ کھائیں اور ہوا ان کی ہڈیوں کو اڑا لے جائے۔لوگو! اپنے اپنے گھر کو واپس جاؤ!بھاگو!اس عفونت سے بھاگو!! جو انکے دلوں سے پھوٹ رہی ہے۔ان کے پتلے خطاوقصور کے خمیرے سے بنے ہیں اور انہیں خود ان کی رذالت وکمینگی نے پیس کر رکھ دیا ہے۔

کھڑے ہونے والو!ان کے پاس سے ہٹ جاؤ!! جلدی ہٹو،کہیں ایسا نہ ہو کہ جہنمی آگ کے شعلے تمہیں بھی لپیٹ لیں۔

تم میں سے کوئی یہاں نہ رہے ورنہ ذلیل ومحروم ہو جائے گا۔اس کے لئے مقدس ہیکل میں باریابی ناممکن ہوگی،جہاں اہل ایمان نماز عبودیت ادا کرتے ہیں۔"

سوسان ۔۔۔۔وہ لڑکی، جسے دلہن نے قاصد بنا کر سلیم کے پاس بھیجا تھا۔۔۔۔ آگے بڑھی، اس کی پلکیں آنسوؤں سے تر تھیں۔ عزم و ہمت اور جرات و شجاعت کے لہجہ میں اس نے کہا:

''اندھے کافر! ان کی حفاظت کر لئے میں یہاں موجوں ہوں۔ صبح ہونے پر، ان جھومتی ہوئی شاخوں کے نیچے میں ان کے لئے قبر کھودوں گی۔ اگر تم نے پھاوڑا میرے ہاتھ سے چھین لیا تو میں اپنی انگلیوں سے زمین کا سینہ چیر دوں گی اور اگر تم نے میرے ہاتھ بھی جکڑ دیئے تو یہ فرض میں اپنے دانتوں سے انجام دوں گی۔

چلے جاؤ! عطر و لوبان سے بسی ہوئی اس جگہ سے فوراً چلے جاؤ!! خنزیر، پاک خوشبوؤں کو سونگھنے سے بھاگتے ہیں اور چور اچکے گھر کے مالک اور آمد صبح سے ڈرتے ہیں۔

جاؤ! اپنی تاریک خوابگاہوں میں جاؤ!! شہیدان محبت کے سروں پر منڈلاتے ہوئے فرشتوں کے گیت، میل کچیل سے اٹے ہوئے کانوں میں نہیں پہنچ سکتے۔''

لوگ بوڑھے پادری کے سامنے سے ہٹ گئے اور سوسان لاشوں کے پاس کھڑی رہی۔ معلوم ہوتا تھا کہ بیوہ ماں رات کو خاموشی میں اپنے دو بچوں کی حفاظت کر رہی ہے۔ لوگوں کے چلے جانے کے بعد سوسان زار و قطار رونے لگی۔

☆☆☆☆☆

مادام

اس آدمی پر ترس آتا ہے جو کسی عورت سے پیار کرے، اسے بیوی بنائے، اس کے قدموں میں دل و جان رکھے، ان قدموں پر اپنے بدن کا لہو پسینہ نچوڑے۔ اپنی محنتوں کا ثمر اور جفاکشی کا صلہ اس کے ہاتھ میں دھرے اور پھر جب ہولے ہولے جاگے تو دیکھے کہ جس دل کو اس نے خریدنا چاہا وہ نہایت خلوص اور آزادی سے کسی دوسرے کے حوالے کر دیا گیا ہے تاکہ وہ اس کے سربستہ اسرار اور گہرے پیار سے لطف اندوز ہو۔

اس عورت پر ترس آتا ہے جو اپنی جوانی کی بیقراری اور بے نیازی سے بیدار ہو جائے اور خود کو ایسے گھر میں پائے جو اس پر چمکتے دمکتے سونے اور قیمتی تحائف کی برکھا کرے، احترام و اعزاز، نوازش اور سامان تفریح ارزاں کرے لیکن جنت کی اس شراب سے اس کی روح کو تسکین دینے سے قاصر رہے جسے خدا مرد کی آنکھ سے عورت کے دل پر ٹپکاتا ہے۔

میں بچپن ہی سے رشید بے نعمان کو جانتا ہوں۔ وہ لبنانی تھا۔ بیروت میں پیدا ہوا اور وہیں پل کر بڑا ہوا۔ وہاں کے ایک قدیم متمول خاندان سے تعلق رکھتا تھا جس نے آباؤ اجداد کی شان و شوکت اور روایتیں سنبھال رکھی تھیں۔ اسی لئے رشید ایسے واقعات بیان کرنے کا شوقین تھا جو زیادہ تر اس کے بزرگوں کی امارت سے تعلق رکھتے۔ روزمرہ کی زندگی میں وہ ان عقیدوں اور رسموں ریتوں کی پیروی کرتا جو اس کے زمانے میں مشرق وسطیٰ میں مروج تھیں۔

وہ مخیّر اور نیک دل تھا لیکن بیشتر شامیوں کی طرح صرف سطحی چیزوں پر نظر رکھتا، حقیقت پر توجہ نہ دیتا۔ اس نے کبھی دل کی بات نہیں سنی، بس گردوپیش کی آوازوں ہی کا حکم مانا۔ اس نے ان چمکنے دمکنے والی چیزوں سے جی بہلایا جنہوں نے اس کی آنکھوں پر پردے ڈالے اور اس کے دل کو زندگی کے اسرار سے بے خبر رکھا۔ اس کی

روح فطرت کے قانون کے سوجھ بوجھ سے ہٹ گئی اور عارضی تسکین ذات پر مائل رہی ۔ وہ ان آدمیوں میں سے تھا جو فوراً ہی لوگوں کے سامنے اپنے پیار یا اپنی ناامیدی کا اعتراف کر لیتے ہیں۔ پھر جب اس سے پھر جانے کا وقت نہیں رہتا تو اپنے اضطرار پر اظہار افسوس کرتے ہیں ۔ اب معذرت یا جواز کی جگہ شرمساری اور تضحیک سے پالا پڑتا ہے۔

رشید بے نعمان کے کردار کی یہی خصوصیات تھیں جن کی بناء پر اس نے روزینی سے اس وقت بیاہ رچایا کہ ابھی سچے پیار کے زیر سایہ بنی کی روح نے اس کی روح سے وہ وصل نہیں کیا تھا، جنت جس ک حاصل ہوتی ہے۔

چند سال کی غیر حاضری کے بعد میں بیروت لوٹ آیا۔ رشید بے نعمان کو ملنے گیا تو میں نے اسے زرد رو اور مریل پایا۔ اس کے چہرے پر تلخ مایوسی کی پرچھائیں تھیں۔ اس کی یاس انگیز آنکھیں اس کے خستہ دل اور غمناک روح کا افسانہ بیان کر رہی تھیں ۔ مجھے اس قابل رحم حالت کا سبب جاننے کا اشتیاق ہوا۔ میں نے بلا تامل اسے اظہار حال کے لئے کہا۔

میں پوچھا، ''تمہیں کیا ہوا رشید؟ بچپن سے جس مسکراہٹ اور مسرت انگیز چہرے نے تمہارا ساتھ دیا تھا وہ کہاں ہے؟ کیا تم سے کالی راتوں نے سونا چھین لیا ہے جو تم نے روشن دنوں میں اکٹھا کیا تھا؟ میری خاطر دل کی غمزدگی اور بدنی نقاہت کا سبب بتاؤں!''

اس نے مجھے یاس انگیز انداز سے یوں دیکھا جیسے میں نے اس کے حسین دنوں کی چند ایسی یادیں تازہ کر دی ہوں جو اس کی خلوت سے تعلق رکھتی تھیں ۔ اس نے افسردہ اور لرزتی ہوئی آواز میں جواب دیا، ''آدمی اپنا دوست گنوا بیٹھے تو گردوپیش کے متعدد دوسرے دوستوں سے تسکین پا لیتا ہے، سیم و زر بیٹھے تو تھوڑی سی دیر کے لئے فکرمند ہوتا اور پھر دل سے اپنی بدنصیبی کا خیال نکال دیتا ہے خصوصاً جبکہ وہ تندرست

ہو اور ہنوز اپنے اندر ولولہ پائے لیکن جب دل کا چین گنوا بیٹھے تو پھر کہاں سے راحت لائے اور اس کی خانہ پری کرے؟ کون سا ذہن اس صورت حال پر قابو پا سکے گا؟ جب رات دن گزر جائیں اور زندگی کی نرم و نازک انگلیوں کا لمس محسوس کرتے رہو تو تم مسکراؤ گے اور لطف پاؤ گے۔''

قیامت جھٹ آجاتی اور غم لاتی ہے۔ وہ تمہیں بھیانک نگاہوں سے دیکھتی ہے، تیکھی انگلیوں سے تمہارا گلا پکڑتی ہے، تمہیں زمین پر پٹختی ہے اور آہنی جوتوں والے پاؤں سے روند ڈالتی ہے۔ پھر ہنستی ہنستی چلی جاتی ہے، لیکن بعد میں اپنے کیے پر پچھتاتی اور تمہاری نیک بختی سے معافی مانگتی ہے۔ اعتماد اور امنگ کے لئے تم میں نیا شوق پیدا کرتی ہے۔ اگر زندگی میں حسین پرندہ لکھا ہے جسے تم شدت سے پیار کرتے ہو تو تم بخوشی اسے اپنے چاؤ سے اس کی تعریف کر رہے اور اسے پیار بھری نظروں سے دیکھ رہے ہوتے ہو تو وہ تمہارے ہاتھوں میں سے اڑ جاتا اور بڑی اونچی اڑان لیتا ہے۔ اس کے بعد نیچے اترتا، دوسرے پنجرے میں چلا جاتا اور کبھی لوٹ کر نہیں آتا۔

ایسے میں تم کیا کر سکتے ہو؟ صبر اور حرف تسکین کہاں پاؤ گے؟ تم اپنی امیدوں اور اپنے خوابوں میں کیونکر جان ڈالو گے؟ کون سی طاقت تمہارے دل بے قرار کو قرار بخشے گی؟''

بھرائی ہوئی آواز اور زخم خوردہ روح سے یہ الفاظ کہنے کے بعد رشید بے نعمان بدشمال اور باد جنوب کے لرزتے لرزتے ہوئے تنکے کی طرح ڈولتے ڈولتے کھڑا ہوا۔ اس نے یوں ہاتھ بڑھایا جیسے خمیدہ انگلیوں سے کچھ پکڑنا اور اسے تباہ کرنا چاہے۔ اس کا جھریالہ چہرہ بے رونق تھا۔ کچھ لمحے نظریں گاڑ کر دیکھا تو اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ ایسا لگا کہ اس نے عدم سے وجود میں آنے والا کوئی بھوت دیکھ لیا ہو جو اسے دور لے جانا چاہے۔ پھر اس نے مجھ پر نظریں جما دیں۔ اس کا چہرہ ایک دم بدل گیا

۔اس کی انگلی سراسر کرب اور دل خستگی کی علامت بن گئی ۔اس نے چلا کر کہا ''یہ عورت افلاس کے پنجوں میں جکڑی تھی ۔میں نے اسے ان سے چھڑایا ۔میں نے اس کے لئے خزانوں کے دروازے کھول دیئے ۔اس کے خوشنما ملبوسات، قیمتی جواہرات اور تند گھوڑوں والی گاڑیاں دیکھ کر عورتیں اس پر رشک کرتیں ۔میں نے اسے دل سے چاہا اس کے قدموں پر محبت کے پھول نچھاور کئے ۔میں اس عورت کا سچا دوست بنا، مخلص ساتھی اور وفا شعار شوہر بنا۔اس نے مجھے فریب دیا، مجھے چھوڑ کر دوسرے آدمی کے پاس چلی گئی ۔اس کے افلاس میں شریک ہوئی ، اس کے ساتھ ایسی گندھی روٹی کھانے لگی جسے بے شرمی سے گوندھا گیا اور جس میں ذلت کے ذرے شامل کئے گئے تھے۔

میں نے اس عورت سے پیار کیا۔اس حسین پرندے کو کھلایا پلایا، دل کو پنجرہ اور روح کو اس کا آشیانہ بنایا ۔وہ میرے ہاتھوں میں سے اڑ گیا اور دوسرے پنجرے میں چلا گیا ہے۔وہ پاکیزہ حور جو میری محبت کی جنت میں رہتی تھی اب مجھے بھوت لگتی ہے۔وہ اپنے گناہ کی سزا بھگتنے اندھیرے میں چلی گئی ہے اور مجھے اپنے جرم کی سزا دینے زمین پر چھوڑ گئی ہے۔''

اس نے یوں ہاتھ سے چہرہ چھپالیا جیسے خود کو اس سے بچانا چاہے اور لمحے بھر کے لئے چپ ہو گیا۔پھر اس نے آہ بھری اور کہا، ''بس یہی کچھ تمہیں بتا سکتا ہوں۔براہ کرم مجھ سے اور کچھ مت پوچھنا۔میری تباہی پر چیخنا چلانا نہیں ۔بس اسے خاموش بد نصیبی سمجھ کر رہنے دو! شاید یہ خاموشی میں پنپ کر مجھے ہلاک کر ڈالے اور میں آخر کار سکون سے موت کی آغوش میں چلا جاؤں ۔''

میں آنکھوں میں آنسو لئے اٹھا، دل میں رحم کا جذبہ تھا۔میں نے چپکے سے اسے الوداع کہا۔

میرے لفظوں میں اتنی جان نہ تھی کہ اس کے زخمی دل کو تسکین ہوتی ، اس کی

تاریک زندگی میں روشنی بکھیرنے کے لئے میرے علم میں مشعل نہ تھی۔

(2)

چند دنوں کے بعد میں پہلی بار مادام روزبنی کو ایک معمولی سے گھر سے ملا جو پھولوں اور پیڑوں میں گھرا ہوا تھا۔ اس نے رشید بے نعمان سے میرا ذکر سنا تھا۔ یہی وہ شخص تھا جس کا دل اس نے پامال کیا، اسے روند اور زندگی کے خوفناک سموں تلے ڈال کر چھوڑ دیا تھا۔ میں نے اس کی حسینا بدار آنکھوں پر نظر ڈالی اور اس کی پرخلوص آواز سنی۔ میں نے اپنے آپ سے کہا، ''کیا یہی گندی عورت ہے؟ کیا وہ عورت ہے میں نے جس کی برائی کی تھی اور جسے میں نے خوبصورت جانور کے بھیس میں سانپ تصور کیا تھا؟''

پھر میں نے اپنے آپ سے کہا، ''کیا یہی وہ حسین مکھڑا ہے جس نے رشید بے نعمان کو تباہ حال کیا؟ کیا سنا نہیں کہ ظاہری حسن کتنی ہی پوشیدہ مایوسیوں اور شدید رنج والم کا سبب بنتا ہے؟ کیا دلفریف چاند جو شاعروں کو مائل بہ تخلیق کرتا ہے خوفناک شور بپا کرتے ہوئے سمندر کے غضب کو پرسکون نہیں کر دیتا؟''

ہم جب بیٹھ گئے تو ایسا لگا جیسے اس نے میرے افکار سن لئے ہوں اور میرے شبہات کو طول نہ دینا چاہتی ہو۔ اس نے اپنا دل آویز سر ہاتھوں میں رکھا اور ساز سے زیادہ شیریں آواز میں بولی ''میں تم سے کبھی نہیں ملی لیکن میں نے لوگوں کی زبانی تمہارے خیالوں اور خوابوں کی بازگشت سنی ہے۔ انہوں نے مجھے باور کروایا ہے کہ تم رحم دل ہو اور ان عورتوں کے بارے میں فہم رکھتے ہو جو کھنڈر ہوئی ہوں، جن کے پوشیدہ راز تم نے دریافت کئے اور جن کے پیار کو تم جانتے ہو۔ مجھے دل کی ساری باتیں ظاہر کرنے دو تا کہ تم جان سکو کہ روزبنی ہرگز بے وفا عورت نہیں نکلی۔

میں بمشکل اٹھارہ سال کی تھی کہ تقدیر مجھے رشید بے نعمان کے پاس لے گئی جو اس وقت چالیس سال کا تھا۔ لوگوں کا کہنا کہ وہ مجھ پر فریفتہ ہوا اور مجھے بیوی بنا کر اپنے

شاندار گھر لے گیا۔ اس نے میری خدمت کے لئے غلام اور کنیزیں رکھ دیں۔ مجھے قیمتی ملبوسات اور جواہرات پہنائے۔ اس نے اپنے دوستوں اور کنبے کے سامنے مجھے نادر و نایاب شے بنا کر پیش کیا۔ جب اس کے ہمعصروں نے مجھے تحسین و حیرت کی نظروں سے دیکھا تو وہ فاتحانہ انداز سے مسکرایا۔ پھر جب خواتین نے میرے بارے میں تعریف اور پیار بھری باتیں کیں تو انہیں سن کر اس نے اپنی ٹھوڑی فخر سے اونچی کی لیکن اس نے سرگوشیاں نہیں سنیں۔ لوگ زیرلب کہتے: "یہ رشید بے نعمان کی بیوی ہے یا لے پالک لڑکی؟"

دوسرا شخص ان الفاظ میں تبصرہ کرتا۔ "اگر اس نے مناسب عمر میں شادی کی ہوتی تو اس کا پہلا بچہ روزینی سے بھی بڑا ہوتا۔"

ابھی میری زندگی جوانی کی گہری نیند سے بیدار نہیں ہوئی تھی، خدا نے میرے دل کو محبت کی مشعل سے شعلہ افروز نہیں کیا تھا اور میرے پیار کے بیج پروان نہیں چڑھے تھے کہ یہ سب کچھ ہو گزرا۔۔۔۔۔ جی ہاں، یہ سب کچھ اس زمانے میں ہوا جب میں سمجھتی تھی کہ حقیقی مسرت خوشنما ملبوسات اور عالیشان عمارات سے حاصل ہوتی ہے۔ میں بچپن کے خواب سے بیدار ہوئی تو میں نے محسوس کیا کہ میرے دل میں مقدس آگ کے شعلے بھڑک رہے ہیں اور میری جان کو روحانی بھوک کاٹ رہی ہے اور اس کی وجہ سے روگ لگ رہا ہے۔ جب میں نے آنکھیں کھولیں تو میں نے محبت کے وسیع و عریض آسمان پر اڑنے کے لئے اپنے شہپروں کو دائیں بائیں پھڑپھڑاتے پایا۔ پھر انہیں قانون کی ان زنجیروں تلے کانپتے اور دم توڑتے پایا جس نے ایک آدمی سے مجھے باندھ دیا۔ میں نے ابھی اس قانون کے صحیح معنی نہ جانے تھے۔ میں نے یہ سب باتیں محسوس کیں اور جان لیا کہ عورت کی خوشی نہ تو مرد کی شان و شوکت اور عزت سے حاصل ہوتی ہے اور نہ اس کی سخاوت اور مہر و کرم سے بلکہ یہ تو اس پیار سے حاصل ہوتی ہے جو دونوں کے دلوں اور ان کی للکنو شیر و شکر کردے، جسم

وجان کو ایک کر دے۔ جسم و جان کو ایک کر دے اور ہونٹوں سے ایک ہی لفظ ابھرے ۔ جب صداقت نے مجھے اپنا چہرہ دکھایا تو میں نے اس چور کی طرح خود کو قانون کے تحت رشید بے نعمان کے محل میں اسیر پایا جو روٹی چرا رہا ہو اور رات کے کے مہربان تاریک گوشوں میں چھپ کر بیٹھا وہ میں جان گئی کہ اس کے ساتھ گزرنے والا ہر لمحہ خوفناک جھوٹ تھا جو میری پیشانی پر زمین و آسمان کے روبرو آتشیں حروف میں لکھا تھا۔ اس کی سخاوت اور خلوص کے عوض میں سارے پیار نہیں دے سکی۔ میں نے بیکار اسے چاہنے کی کوشش کی۔ پیار تو وہ طاقت ہے جو دل کو دل بناتی ہے لیکن ہمارے دل یہ طاقت پیدا نہیں کر سکے۔ میں رات کی خاموشی میں خدا کے حضور دعاؤں پر دعائیں مانگتی رہی کہ میرے دل کی گہرائیوں میں ایسی روحانی چاہت پیدا کر دے جو مجھے اس آدمی کے قریب تر لے جائے جس نے مجھے زندگی بھر کا ساتھی منتخب کیا ہے۔

میری دعائیں قبول نہیں ہوئیں کیونکہ خدا کے حکم سے دل پر پیار کا نزول ہوتا ہے نہ کہ آدمی کے مطالبے یا استدعا سے۔ میں اس آدمی کے گھر دو سال تک رہی۔ کھیتوں میں آزادی سے اڑتے پھرتے پرندوں پر رشک کرتی رہی اور میرے دوست میری تکلیف دہ طلائی زنجیروں کو رشک کی نظر سے دیکھتے رہے۔ میں وہ عورت ہوں جو بچپن ہی سے پرزہ پرزہ کی گئی تھی، میں رونے والا ایسا دل تھی جسے پیار سے محروم رہ کر جینا پڑے، میں انسانی قانون کے تشدد کا بے گناہ شکار تھی۔ روحانی پیاس اور بھوک مجھے موت کے پہلو میں لا کھڑا کیا۔

ایک تاریک دن کی بات ہے۔ میں گہرے آسمان کے پیچھے جھانک رہی تھی کہ میں نے زمانے کی بے پروائی کے مارے ہوئے ایک آدمی کو زندگی کی ڈگر پر چلتے دیکھا۔ اس کی آنکھوں سے روشنی کی نرم نرم کرنیں پھوٹ رہی تھیں۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں اور اپنے آپ سے کہا ''اے روح! قبر کی تاریکی تیری تقدیر ہے، اس روشنی کی حرص نہ کر!''

پھر میں نے آسمان کی بلندیوں سے ایک دل آویز نغمہ سنا جس نے اپنی پاکیزگی سے میرے زخمی دل کو تندرست کر دیا لیکن میں نے کان بند کر لئے اور کہا، ''اے میری روح! اتھاہ سمندر کی چیخ تیری تقدیر ہے، آسمانی نغموں کی حرص نہ کر!''

میں نے پھر اپنی آنکھیں اور اپنے کان بند کر لئے لیکن میری بند آنکھیں ہنوز وہ ملائم روشنی دیکھ رہی تھیں اور میرے کان ہنوز وہ پاکیزہ صدا سن رہے تھے۔ پہلے تو میں ڈر گئی اور میں نے اس گداگر طرح محسوس کیا، جسے امیر کے محل کے پاس ہیرا ملا ہو اور مارے خوف کے اسے اٹھا نہ سکا ہو یا افلاس کی وجہ سے اسے چھوڑ گیا ہو۔ میں چیخی۔ یہ اس پیاسی روح کی چیخ تھی جو درندوں سے گھری ہوئی ندی دیکھے اور زمین پر گر جائے۔ پھر انتظار کرے اور خوف زدہ ہو کر ندی کو دیکھے۔''

پھر اس نے مجھ سے یوں آنکھیں پھیر لیں جیسے اسے ماضی یاد آ گیا ہو اور اب وہ شرم کے مارے میرا سامنا نہ کر سکتی ہو تاہم اس نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا ''وہ لوگ جو حقیقی زندگی کا ذائقہ چکھے بغیر ابدیت کو لوٹ جائیں عورت کے دکھ کا مطلب سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں۔ پھر اس عورت کا غم کون جانے جو خدا کے حکم سے اپنی روح اس آدمی پر نچھاور کر دے جسے وہ چاہتی ہو اور اپنا بدن دوسرے کے حوالے کرے جسے وہ انسانی قاتلوں کے دباؤ تلے رہ کر پیار کرے۔ یہ ایسا المیہ ہے، جسے عورت کے لہو اور آنسوؤں سے لکھا گیا ہو لیکن آدمی اسے پڑھ کر اس کا مذاق اڑاتا ہو کیونکہ وہ اسے سمجھتا ہی نہیں۔ پھر اگر وہ سمجھ ہی لے تو اس کا ایک قہقہہ اس فعل کو ملامت اور گالی میں بدل دے گا اور یہ عورت کے دل پر آگ بن کر جلے گا۔ کالی راتیں یہ ناٹک اس عورت کی روح کے اسٹیج پر کھیلتی ہیں جس کا بدن شادی کے خدائی قانون کا مطلب سمجھنے سے قبل ایسے آدمی سے باندھ دیا گیا ہو جسے وہ اپنا شوہر سمجھتی ہو۔ وہ اپنی روح کو اس آدمی کے اردگرد منڈلاتے دیکھتی ہو جسے وہ تمام پاکیزہ اور سچے پیار اور خوبصورتی سے سراہتی ہو۔ یہ کیسا خوف ناک عذاب ہے جس کا آغاز

عورت میں کمزوری پیدا کرنے اور مرد کو طاقت بخشنے سے شروع ہو۔ اجب تک کمزور پر طاقت ور کی برتری اور حکمرانی کا دور تمام نہیں ہوتا۔ یہ دکھ دور نہیں ہوگا۔ یہ آدمی کے بگڑے ہوئے قانون اور مقدس پیار اور دل کے متبرک مقصد کے درمیان ہولناک جنگ ہے۔ کل تک میں اس محاذ جنگ پر چت پڑی تھی۔ پھر میں نے اپنی بچی کھچی طاقت جمع کی، اپنی بزدلی کی زنجیریں کھولیں، اپنے بازوں سے ناتوانی کے بندھن کھولے اور محبت اور آزادی کے فراخ آسمان پر آڑ گئی۔''

''آج میں اس آدمی کے پاس ہوں جسے میں پار کرتی ہوں۔ ہم دونوں خدا کے ہاتھ سے وہ مشعل لئے اٹھے جو دنیا کے آغاز سے قبل بھی روشن تھی۔ روئے زمین پر ایسی کوئی طاقت نہیں جو مجھ سے میری مسرت چھین سکے..... یہ مسرت دو روحوں کے وصال سے معرض وجود میں آتی ہے' باہمی سوجھ بوجھ سے پھوٹتی ہے اور پیار کی جوت سے روشن ہوتی ہے۔ آسمان اس کی حفاظت پر مامور ہے۔''

اس نے مجھے یوں دیکھا جیسے اس کی نگاہیں میرے دل میں اترنا چاہیں تاکہ مجھ پر اس کی باتوں کا جو اثر ہوا ہو وہ اسے دیکھ لیں اور وہ میرے باطن میں سے اپنی آواز کی بازگشت سن پائے' لیکن میں چپ رہا' وہ بولتی رہی۔ اس کی آواز یادوں کی تلخی، خلوص اور آزادی کی مٹھاس سے لبریز تھی جب اس نے کہا، ''لوگ تم سے کہیں گے کہ روزبنی کافر تھی۔ بے وفا بھی جو اپنی خواہشوں کے پیچھے لگ کر ایسے آدمی کو چھوڑ گئی جس نے اپنی روح میں اسے رفعت بخشی اور اس سے اپنے گھر کو جمال افروز کیا۔ وہ تم سے یہ بھی کہیں گے کہ روزبنی زانیہ ہے، رنڈے ہے جس نے اپنے گندے ہاتھوں سے متبرک شادی کا ہار پامال کیا اور اس کی جگہ ایسے ناپاک وصل کو دی جسے جہنم کے کانٹوں سے آراستہ کیا گیا تھا۔ اس نے نیکی کا لباس اتار پھینکا اور گناہ ذلت کا چغہ پہن لیا۔ وہ تمہیں اس سے بھی زیادہ بتائیں گے کیونکہ ان کے جسموں میں ابھی تک ان کے آباؤ اجداد کی روحیں بھٹک رہی ہیں۔ وہ پہاڑوں کے متروکہ

غاروں کے مانند ہیں جن میں ایسی آوازیں گونجتی ہیں جن کا مطلب سمجھا نہیں جا سکتا۔ وہ نہ تو خدا کے قانون کو سمجھتے ہیں، نہ حقیقی مذہب کے صحیح معنی پا سکتے ہیں اور نہ گناہگار اور بے گناہ میں تمیز کر سکتے ہیں۔ وہ چیزوں کے اسرار و موز کو جانے بغیر ان کی سطح پر نظر رکھتے ہیں۔ وہ جانے بغیر فتویٰ صادر کرتے ہیں، آنکھیں بند کر کے فیصلہ دیتے ہیں۔ مجرم اور معصوم، نیک اور بد کو مساوی درجہ دیتے ہیں۔ افسوس ان پر جو لوگوں پر مقدمہ چلاتے اور تعزیر لگاتے ہیں.....''

جب میں رشید بے نعمان کے گھر میں تھی تو میں خدا کی نظروں میں بے وفا اور زانیہ تھی کیونکہ اس سے قبل کے محبت اور چاہت کے روحانی قانون کے مبالق آسمان اسے میرا بناتا۔ اس نے مروجہ رسم و رواج اور روایات کے بل بوتے پر عجلت میں مجھے اپنی بیوی بنالیا۔ جب میں اس کا کھانا کھاتی اور اس کی سخاوت کی عوض اپنا جسم پیش کرتی تو میں اپنے خدا اور اپنی نظروں میں گناہگار ہوتی، لیکن اب میں بالکل پاک صاف ہوں کیونکہ محبت کے دستور نے مجھے آزاد کر دیا ہے۔ مجھے باوقار اور باوفا کر دیا ہے۔ میں نے پناہ لینے کے عوض اپنا جسم اور کپڑوں کے عوض اپنے ایام کی فروخ ترک کر دی ہے۔ بے شک، جب لوگ مجھے نہایت باوقار اور باوفا بیوی سمجھتے تھے تب میں زانیہ تھی، ایک مجرم عورت تھی لیکن اپنی نظر میں آج روحانی طور پر میں پاکباز اور قابل احترام ہوں، ویسے لوگوں کے خیال میں ناپاک ہوں کیونکہ وہ تو جسم سے جو عیاں ہوتا ہے اس کے لحاظ سے روحانیت کا اندازہ لگاتے ہیں اور مادی معیار سے روح کو ناپتے تولتے ہیں۔''

اس کے بعد اس نے کھڑکی میں سے باہر جھانکا اور دائیں ہاتھ سے شہر کی جانب یوں اشارہ کیا جیسے اس نے اس کی عالیشان عمارتوں میں فساد کے بھوت اور بے حیائی کا سایہ دیکھ لیا ہو۔ اس نے رحمدلانہ انداز میں کہا ''ان پرشکوہ ایوانوں اور رفیع الشان محلات کو دیکھو جہاں ریاکاری سکوت پذیر ہے۔ ان عمارتوں اور ان کے خوشنما

اور نجیلے درو دیوار میں بساند اور سرانڈ کے علاوہ سازشوق کے گھروندے ہیں۔ پگھلے ہوئے سونے سے لپی پتی ہوئی چھتوں تلے فریب کے علاوہ جھوٹ مسکن ہے۔ ذرا جاہ جلال والے ان گھروں کو دیکھو تو یہی جو مسرت، رفعت اور فرمان روائی کی نمائندگی کرتے ہیں۔ ان میں بے چارگی اور دل شکستگی کے سوا کچھ نہیں۔ یہ وہ مقبرے ہیں جن پر استر کاری کی گئی ہے اور جہاں ناتواں عورت کی سرمئی آنکھوں اور ارغوانی ہونٹوں کے پیچھے سازشیں چھپی بیٹھی ہیں۔ ان حویلیوں کے گوشے گوشے میں خود غرضی کے ڈیرے ہیں۔ یہاں آدمی کی حیوانیت اس کے سیم وزر کی جھنکار میں حکمرانی کرتی ہے۔"

اگر یہ فلک بوس اور نا قابل تسخیر عمارتیں نفرت، فریب اور تخریب کا احساس کر لیں تو ان میں دراڑیں پڑ جائیں اور یہ ڈھے جائیں۔ غریب گنوار ان محلوں کو نم آلود آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ لیکن جب اسے پتہ چلتا ہے کہ یہاں رہنے والوں کے دل اس پیار کی دولت سے محروم ہیں جو اس کی شریک حیات کے دل میں ہے اور جس سے اس کی کائنات لبریز ہے۔ تو وہ مسکرا پڑتا ہے اور اطمینان سے اپنے کھیتوں کو لوٹ جاتا ہے۔

اس نے میرا ہاتھ تھاما اور مجھے کھڑکی کے پاس لے گئی اور بولی، "آؤ، میں تمہیں ان لوگوں کے رازہائے سربستہ بتاؤں جن کی ڈگر پر چلنے سے میں نے انکار کیا۔ عظیم الشان ستونوں والے ایوان کو دیکھو! یہاں ایک رئیس رہتا ہے جسے باپ کی طرف سے ورثے میں سیم وزر ملا۔ گندی اور گھناؤنی زندگی بسر کرنے کے بعد اس نے ایسی عورت سے شادی کی جس کے بارے میں وہ صرف اتنا جانتا تھا کہ اس کا باپ سلطان کے عمائدین میں سے تھا۔ جونہی شادی کا مرحلہ طے ہوا وہ مایوس ہوا اور اس نے ان عورتوں سے تعلقات قائم کیے جو چاندی کے چند ٹکڑے لے کر اپنے جسم بیچ دیتی ہیں۔ اس کی بیوی ایوان میں یوں تنہا رہ گئی جیسے کسی شرابی کی چھوڑی ہوئی خالی

بوتل۔ وہ زندگی میں پہلی بار چیخی اور رنجیدہ ہوئی۔ پھر اس نے جان لیا کہ اس کے آنسو کے بدکار شوہر سے کہیں زیادہ قیمتی ہیں۔ پس اب وہ ایک جوان آدمی پر محبت کے پھول نچھاور کرنے میں منہمک ہے۔ وہ اپنی زندگی کی پرمسرت ساعتیں اس کی نذر کرتی ہے اور اس کے دل میں پرخلوص پیار کا جوہر ٹپکاتی ہے۔

آؤ! اب میں تمہیں اس پرسطوت محل میں لے چلوں جو دلفریب باغات میں گھرا ہوا ہے۔ یہ ایسے شخص کا مسکن ہے جو اس خانوادے کا چشم و چراغ ہے جس نے نسلوں اس ملک پر حکمرانی کی لیکن جس کے اونچے معیار، دولت اور وقات کو پاگل پن سے روپیہ لٹانے اور کاہلی کے سبب سے زوال آیا۔ چند سال پہلے اس شخص نے ایک بدصورت عورت سے اس لئے بیاہ کیا کہ وہ دولت مند تھی۔ جب اس کا مال ہتھیا چکا تو اسے نظر انداز کر کے ایک دلکش جوان عورت سے رغبت کرنے لگا۔ آج اس کی بدنصیب بیوی اپنا وقت بال سنوارنے، ہونٹوں پر سرخی جمانے اور بدن کو خوشبوؤں میں بسانے میں صرف کرتی ہے۔ قیمتی سے قیمتی لباس زیب تن کرتی ہے اور پگلی امید رکھتی ہے کہ ایک دن کوئی جوان آدمی اسے دیکھ کر مسکرائے گا اور اس کے پاس آئے گا لیکن یہ سب فضول ہے۔ وہ کبھی اس میں کامیاب نہ ہوگی۔ کامیاب ہوگی تو بس اس حد تک کہ اپنی بدنما ذات کی جانب سے آئینے میں اس کا عکس پائے گی۔

اس بڑی حویلی کو دیکھو جسے ترشے ہوئے سنگ مرمر نے احاطہ کر رکھا ہے۔ یہ ایک ایسی حسین عورت کا گھر ہے جو عجیب و غریب کردار رکھتی ہے۔ جب اس کے پہلے شوہر نے وفات پائی تو اسے اس کی ساری دولت اور جائیداد ملی۔ پھر اس نے ایک کند ذہن اور نحیف و نزار مرد کا انتخاب کیا اور کالی زبان والوں سے بچنے اور اپنی قابل نفرت حرکتوں کے لئے ڈھال بنانے کی غرض سے اس کی بیوی بن گئی۔ اب وہ اپنے قدردانوں کے درمیان شہد کی مکھی کے مانند ہے جو شیریں ترین اور لذیذ ترین پھولوں کو چوستی ہے۔

اس کے برابر والے مکان کو صوبے عظیم ترین معمار نے بنایا تھا۔ یہ ایسے حریص اور تنگ دل آدمی کی ملکیت ہے جو اپنا سارا وقت سیم وزر جمع کرنے اور غریبوں کو پامال کرنے میں گزارتا ہے۔ اس کی بیوی کے بدن اور روح کا جمال بہشتی حوروں سے بڑھ کر ہے لیکن وہ بھی کمسنی کی شادی کے عذاب کا شکار ہے۔ اس کے باپ نے یہ جرم کی اکہ لڑکی ابھی سن شعور کو نہ پہنچی تھی کہ اسے مرد کے حوالے کر کے خانہ خراب شادی کا بوجھل طوق اس کے گلے میں ڈال دیا۔ بے چاری مریل اور زرد رو ہو کر رہ گئی ہے۔ اور اپنی مجبور محبوس محبت کے لیے راہ نجات نہیں پاتی۔ دھیرے دھیرے ڈوبتی دھنستی جا رہی ہے، غالمی کا پھندا اچھڑانے اور ایسے آدمی سے نجات پانے کے لئے مرنے کا اہتما کر رہی ہے جو اپنی زندگی سیم وزر بٹورنے اور اس ساعت کو کوسنے میں صرف کر رہا ہے، جب اس نے بانجھ عورت سے بیاہ کیا جو اس کا نام زندہ رکھنے والا اور اس کی دولت کا وارث نہ جن سکی۔

اس مکان میں ایک مثالی شاعر رہتا ہے جو باغات میں گھرا ہے۔ اس نے جاہل عورت سے بیاہ کیا۔ وہ اس کی تخلیق کا مذاق اڑاتی ہے کیونکہ یہ اس کی فہم سے بالاتر ہیں، اس کے چلن پر ہنستی ہے کیونکہ وہ اس کے ارفع اسلوب حیات سے خود کو ہم آہنگ نہیں کر سکی۔ شاعر نے دوسری بیاہتا عورت سے پیار کر کے مایوسی سے چھٹکارا حاصل کر لیا جو اس کی ذہانت کو سراہتی ہے، اس کے دل میں پیار کی شمع جلا کر اس میں جذبہ تخلیق ابھارتی ہے، اپنی دل آویزی اور خوبصورتی سے اس پر حسین ترین ابدی کلام اتارتی ہے۔"

چند لمحوں کے لئے سکوت چھا گیا۔ مادام بنی اس انداز سے کھڑکی کے پاس صوفے پر جا بیٹھی جیسے اس کی روح ان ایوانوں میں گھومتے گھومتے اکتا گئی ہو۔ پھر اس نے دھیرے دھیرے سلسلہ کلام جاری کرتے ہوئے کہا، "یہی وہ گھر ہیں جن میں رہنے سے میں نے انکار کیا، یہ وہ مقبرے ہیں جن میں میری روح دفن ہو گئی تھی۔ میں نے جن لوگوں سے نجات حاصل کی وہ بدن کی طرف جاتے تھے اور روح انہیں ٹھکراتی تھی۔ محبت اور حقیقی حسن کے بارے میں کچھ نہ جانتے تھے۔ ان کے اور خدا کے

درمیان صرف ایک ثالث تھا اور وہ خدا کا تر تھا، جو خدائی قانون سے بے خبری کے باعث ان پر آتا۔ میں فیصلہ نہیں کر سکتی کیونکہ میں ان میں سے ایک تھی لیکن صدق دل سے ان سے ہمدردی کرتی ہوں۔ مجھے ان سے نفرت نہیں۔ مجھے تو ناتوانی اور جھوٹ کی اطاعت کرنے پر ان سے نفرت ہے۔ یہ سب کچھ اس لئے کہا ہے تا کہ تم پر ان لوگوں کی اصلیت ظاہر کر دوں جن سے میں ان کی مرضی کے خلاف بھاگ کر آئی ہوں۔ میں تم پر ان لوگوں کی زندگی کی حقیقت واضح کرنا چاہتی تھی جو میرے خلاف زہر اگلتے رہتے ہیں کیونکہ میں ان کی دوستی ترک کر چکی اور آخر کار اپنے آپ کو پا چکی ہوں۔ میں ان کے اندھیری کوٹھڑی میں سے نکل آئی ہوں اور میں نے اپنی نظریں اس روشنی کی سمت کر لی ہیں جہاں خلوص، صاقت اور انصاف کی حکمرانی ہے۔ میں خوش ہوں کہ انہوں نے مجھے اپنے حلقے سے خارج کر دیا ہے۔ انسان صرف اسے جلاوطن کرتے ہیں جس کی روح مطلق العنانی اور ظلم کے خلاف بغاوت کرتی ہے۔ جو غلامی پر ترک وطن کو ترجیح نہیں دیتا وہ آزادی، سداقت اور فرض کے کسی پیمانے سے بھی آزاد کہلانے کا مستحق نہیں۔

کل تک میں ایسا طباق تھی جس پر ہر قسم کے لذیز کھانے چنے تھے اور رشید بے نعمان اس وقت تک میرے پاس نہیں پھٹکتا تھا جب تک اسے کھانے کی اشتہا نہ ہوتی۔ ہماری روحیں دو عزیز مگر ذیشان خدام کی طرح ہم سے دور دور ہیں۔ میں نے اس سے صلح و آشتی کی کوشش کی جسے لوگ بدقسمتی کہتے ہیں۔ لیکن میری روح نے زندگی بھر میرے ساتھ اس ہولناک بت کے سامنے جھکے رہنے سے انکار کیا جسے ازمنہ وسطیٰ کے تاریک زمانے میں تراشا گیا تھا اور جس کا نام قانون رکھ دیا تھا۔ میں زنجیریں پہنے رہی تا آنکہ میں نے محبت کو اپنی طرف آتے سنا اور اپنی روح کو پرواز کی تیاری کرتے دیکھا۔ پھر میں نے زنجیریں توڑ دیں، اس پرندے کی طرف رشید بے نعمان کا محل چھوڑ دیا جسے آہنی پنجرے سے رہائی ملی ہو۔ میں اپنے پیچھے جواہرات

ملبوسات اور غلام چھوڑ آئی۔ میں اپنے محبوب کے ہمراہ رہنے آ گئی کیونکہ جانتی تھی کہ جو کچھ کر رہی ہوں دیانتداری سے کر رہی ہوں۔ فلک نہیں چاہتا کہ میں آنسو بہاؤں اور رنج سہوں۔ بار ہا رات کو میں نے صبح کے طلوع ہونے کی دعا مانگی اور جب دن چڑھا تو میں نے اس کے ختم ہونے کی دعا مانگی۔ میرا خدا نہیں چاہتا کہ میں بیچارگی کی زندگی بسر کروں کیونکہ اس نے میرے دل کی گہرائیوں میں محبت کی آرزو رکھ دی ہے۔ اس کی شان میری دلی مسرت سے ہے۔

یہ داستان میری ہے اور یہی زمین و آسمان کے روبرو میری صدائے احتجاج ہے۔ میں پیار کے گیت گاتی ہوں، اسی کو دہراتی ہوں جبکہ لوگ اس ڈر سے کان بند کر لیتے ہیں کہ کہیں مجھے سن نہ پائیں اور ان کی روح بغاوت پر نہ اتر آئے اور پھر ان کے کانپتے لرزتے ہوئے معاشرے کی بنیادیں نہ اکھڑ جائیں۔

یہ ناہموار راستہ ہے جسے میں نے تراشا اور میں مسرت کی چوٹی پر پہنچ گئی۔ اب اگر موت مجھے لینے آئے تو میں خوف اور شرم کے بغیر خوشی خوشی رفیع الشان تاجدار آسمانی کے حضور خود کو پیش کر دوں گی۔ میں یوم حساب کے لئے بالکل تیار ہوں۔ میرا دل صاف ہے، سفید برف کی مانند۔ میں نے اپنے ہر عمل میں حکم ربی تسلیم کیا اور آسمانی فرشتوں کی آواز پر کان دھر کر اپنے دل کے اذن پر چلتی رہی۔ یہ میری زندگی کا ناٹک ہے جسے بیروت کے لوگ ''لب حیات پر ثبت کی ہوئی لعنت'' اور ''معاشرے کے جسم میں چھپی ہوئی بیماری'' کہتے ہیں۔ ایک دن محبت ان کیت دلون کو سورج کی کرنوں کی طرح عیاں کرے گی جو گلی سڑی زمین میں سے بھی پھول اگاتی ہیں۔ ایک دن راہ گیر میری قبر کے پاس آ کر رکیں گے اور اس مٹی کا خیر مقدم کریں گے جو میرے جسم کو ملفوف کئے ہوگی، وہ کہیں گے ''یہاں روزنی استراحت کر رہی ہے جس نے محبت کے پاکیزہ خدائی قانون پر چلنے کی غرض سے خود کو بوسیدہ انسانی قوانین سے رہا کرایا۔ اس نے اپنا چہرہ سورج کی جانب کر لیا تا کہ اپنے بدن کے سائے کو کھو

پڑیوں اور کانٹوں میں نہ دیکھ سکے۔"

دروازہ کھلا ہوا تھا۔ ایک آدمی داخل ہوا۔ اس کی آنکھیں سحر انگیز کرنوں سے چمک رہی تھیں اور اس کے ہونٹوں سے بھرپور مسکراہٹ عیاں تھی۔ مادام ہنی کھڑی ہوئی۔ اس نے نوجوان کا بازو تھاما، مجھ سے اس کا تعارف کرایا اور تعریفی کلمات کے ساتھ اس کے سامنے میرا نام لیا۔ میں جان گیا کہ یہی وہ ہستی ہے جس کی خاطر اس نے ساری دنیا کو ٹھکرا دیا اور زمین کے قوانین و روایات سے بغاوت کی۔

ہم بیٹھ گئے۔ خاموشی چھا گئی۔ ہم میں سے ہر ایک گہری سوچ کی لپیٹ میں آ گیا۔ خاموشی و احترام کے چند لمحے گزرے تو میں نے جوڑے کو ایک دوسرے کے پہلو میں بیٹھے دیکھا میں نے کچھ ایسی چیز دیکھی جو اس سے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ میں فوراً ہی مادام ہنی کی کہانی کا مفہوم پا گیا۔ میں نے معاشرے کے خلاف اس کے احتراج کا راز جان لیا جو بغاوت کے سبب کا تعین کرنے سے پہلے ان باغیوں کو سزا دیتا ہے جو جور سم و رواج اور قوانین کے خلاف بغاوت کرتے ہیں۔ میں نے اپنے سامنے آسمانی روح کو دیکھا جو دو حسین اور متحد انسانوں پر مشتمل تھی۔ درمیان میں محبت کا دیوتا انہیں کالی زبان والوں سے بچانے کے لئے اپنے شہ پر پھیلائے کھڑا تھا۔ میں نے دونوں مسکراتے ہوئے چہروں میں سے کامل طور پر ایک سوچ کو عیاں ہوتے دیکھا۔ یہ چہرے خلوص سے تاباں اور خیر میں گھرے ہوئے تھے۔ میں نے زندگی میں پہلی بار مرد اور عورت کے درمیان کی پرچھائیں دیکھی جسے مذہب نے ملعون قرار دیا اور قانون نے جس کی مخالفت کی۔ میں کھڑا ہوا۔ انہیں الوداع کہا اور اس غریبانہ گھروندے سے رخصت ہوا۔ جسے پیار نے خلوص اور فہم و دانش کے دیوتا کی قربان گاہ کے طور پر استوار کیا تھا۔ میں ان ایوانوں کے پاس سے گزرا جن کی طرف مادام ہنی نے اشارہ کیا تھا۔ جب میں ان کے آخری سرے پر پہنچا تو مجھے رشید بے نعمان یاد آیا۔ میں نے اپنے آپ سے کہا "وہ پامال ہوا ہے۔ اگر اس نے کبھی مادام ہنی کے بارے میں شکوہ کیا تو کیا آسمان کبھی اس کی شنوائی کرے گا؟ کیا اس عورت نے اسے چھوڑ کر اور اپنی دلی آزادی کی راہ پر چل کر کوئی غلطی کی ہے؟ یا پھر اس شخص

نے محبت کے ذریعے اس کے دل پر قابو پانے سے پہلے اس کے جسم کو زیر کر کے کسی جرم کا ارتکاب کیا ہے؟ دونوں میں کون ظالم ہے اور کون مظلوم؟ کون مجرم ہے اور کون معصوم؟''

چند لمحوں کی گہری سوچ کے بعد میں دوبارہ اپنے آپ سے باتیں کرنے لگا۔ ''بار ہا عورت نے دھوکا کھایا اور دولت کے حرص میں اپنے شوہر کو چھوڑا کیونکہ سیم و زر اور خوشنما ملبوسات کے پیار نے اس کی آنکھیں اندھی کر دیں اور اسے بے حیائی تک پہنچا دیا۔ مادام بنی اپنے مالدار شوہر کا محل چھوڑ کر مفلس کے جھونپڑے میں چلی گئی تو کیا وہ گرفتار فریب ہوئی تھی؟ بار ہا اعلیٰ عورت کے وقار کو ہلاک اور اس کی خواہش کو زندہ کر دیتی ہے۔ وہ اکتا جاتی ہے اور اپنی خواہشوں کی تحریک پر اپنے شوہر کو چھوڑ دیتی اور ایسے آدمی کا پیچھا کرتی ہے جس کے سامنے وہ سرنگوں ہو جاتی ہے۔ کیا مادام بنی ایک انجان عورت تھی جس نے جسمانی خواہشوں کو لبیک کہا، سب کے سامنے اپنی آزادی کا اعلان کیا اور اپنے محبوب نوجوان سے جا ملی؟ وہ اپنے شوہر کے گھر میں رہ کر بھی رازداری سے اپنی تسلی کر سکتی تھی کیونکہ کتنے ہی لوگ اس کے حسن کا علم بننے اور اس کے پیار کی خاطر جام شہادت نوش کرنے کے لئے تیار تھے۔ مادام بنی ستم رسیدہ عورت تھی۔ اسے صرف مسرت کی جستجو تھی جسے اس نے پالیا اور گلے سے لگا لیا۔ ''یہی اصل صداقت ہے معاشرہ جس کا احترام نہیں کرتا۔''

پھر میں نے خلاء میں سرگوشی اور اپنے آپ سے سوال، ''کیا کسی عورت کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے شوہر کی تباہی و بربادی کے عوج اپنی خوشی خریدے؟''

میری روح نے لقمہ دیا، ''کیا کسی مرد کے لئے جائز ہے کہ اپنی بیوی کی محبت کو اسیر بنائے جبکہ وہ سمجھتا ہو کہ وہ کبھی اسے پا نہ سکے گا؟''

☆☆☆☆☆☆

میں چلتا گیا، مادام بنی کی آواز ہنوز میرے کانوں میں گونج رہی تھی۔ اسی عالم میں میں شہر کے آخری سرے پر پہنچ گیا۔ سورج چھپ رہا تھا۔ کھیتوں اور گیاہ زاں پر

خاموشی کا راج تھا۔ پرندے شام کی عبادت کے گیت گانے لگے تھے۔ میں وہاں کھڑے کھڑے سوچ میں پڑ گیا۔ پھر میں نے آہ بھری اور کہا، ''پیڑ خدائے آزادی کے تخت کے روبرو کھلنڈری معطر ہوا سے مسرور اور آفتاب و ماہتاب کی شعاعوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ پرندے آزادی کے دیوتا کے کانوں میں چپکے چپکے باتیں کرتے اور اس کے گردندیوں کے سازینے کی سنگت میں پھڑ پھڑاتے پھرتے ہیں۔ یہ پھول آسمان آزادی پر اپنی خوشبوئیں اڑاتے ہیں۔ جب صبح طلوع ہوتی ہے تو وہ خداوند آزادی کے سامنے مسکراتے ہیں۔

روئے زمین پر ہر شے قانون فطرت کے مطابق رہتی ہے۔ اس قانون سے آزاد کی شان و شوکت اور مسرت پھوٹتی ہیلیکن آدمی اس خوش بختی سے محروم ہے کیونکہ وہ خدا کی عطا کردہ روح کی جگہ اپنا محدود اور ارضی قانون نافذ کرتا ہے۔ اس نے اپنے لئے قوانین تراشے، اپنے لئے تنگ اور اذیت بخش قید خانہ تعمیر کیا اور اسے اپنی خواہشوں اور پیار کا خلوت کدہ بنالیا۔ اس نے گہری قبر کھودی اور اس میں اپنا دل اور اس کے مفہوم کو دفن کر دیا۔ اگر کوئی فرد اپنے دل کی ہدایت پر معاشرے سے پیچھے ہٹ جاتا اور قانون شکنی کرتا ہے تو اس کے ہم جنس اسے ایسا باغی قرار ہیں جو جلاوطنی کے لائق ہو یا پھر بدنام انسان کہتے ہیں جو سزا کا مستحق ہو۔ کیا آدمی دنیا کے خاتمے تک اپنے قید خانے کا غلام بنا رہے؟ یا وہ وقت گزرنے پر آزادی حاصل کر لے اور روح کی خاطر روح کے اندر رہے؟ کیا آدمی زمین کے نیچے یا پیچھے ہی دیکھنے پر مصر ہے؟ یا وہ سورج کی جانب نظریں کرے تا کہ کھوپڑیوں اور کانٹوں کے درمیان اپنے بدن کا سایہ نہ دیکھ پائے۔

اختتام